مکمل و مدلل

# فتاویٰ دار العلوم دیوبند

جلد ۲

## کتاب الصلوٰۃ

افادات — مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی

— ترتیب قدیم و تحشیہ —

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب

— ملاحظہ —

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

— ترتیب جدید و تحشیہ —

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

— حسب ہدایت —

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی مہتمم دار العلوم دیوبند

ناشر مکتبہ دار العلوم دیوبند

## افادات

## مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ ۱۳۴۷ھ)

## ترتیب قدیم و تعلیق

## حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۳۴۴ھ ـ وفات: سنہ ۱۴۳۲ھ)

# فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

ملاحظہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ترتیب جدید وتعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

مکمل ومدلّل

# فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

[ جلد دوم ]

## کتاب الصّلاۃ


افادات

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہٗ

ترتیب قدیم وتعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ

ملاحظہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

ترتیب جدید وتعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

حسب ہدایت

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند



ناشر: مکتبہ دارالعلوم دیوبند

نام کتاب : مکمل ومدلّل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند [جلد: دوم]
مسائل : کتاب الصّلاۃ
افادات : مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ۱۳۴۷ھ)
ترتیب قدیم : مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ، سابق مفتی دارالعلوم دیوبند
ناظم اعلیٰ : حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند
معاون خصوصی : حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
ملاحظہ : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند
ترتیب جدید : مفتی محمد امین صاحب پالن پوری، استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند
ناظم تجمیع وکوڈنگ فتاوی: مولانا عبدالسلام قاسمی صاحب ناظم شعبۂ کمپیوٹر دارالعلوم دیوبند
سن اشاعت: ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۶ء
تعداد صفحات: ۳۷۶ —— تعداد فتاوی: ۵۱۰
ناشر : مکتبہ دارالعلوم دیوبند، یوپی، انڈیا ۲۴۷۵۵۴
مطبوعہ : ایچ، ایس، آفسیٹ پرنٹرز، دریا گنج، نئی دہلی

# کتاب الصّلاۃ

## نماز کی فرضیت واہمیت کا بیان

## نماز کے اوقات کا بیان

## مکروہ اوقات کا بیان



## اذان واقامت کا بیان

# نماز کی شرطوں کا بیان

## طہارت کے مسائل

## ستر عورت کے مسائل



## استقبال قبلہ کے مسائل



## نیت کے مسائل

## نماز کے فرائض کا بیان



## نماز کے واجبات کا بیان

# سنن وکیفیتِ نماز کا بیان

## نماز کے آداب



## قراءت کا بیان

# آگاہی

اس جلد میں جن کتابوں کے حوالے بار بار آئے ہیں وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں

| اسمائے کتب | مطبوعہ |
|---|---|
| صحاح ستہ | مکتبہ بلال دیوبند |
| موطین | مکتبہ بلال دیوبند |
| شرح معانی الآثار | مکتبہ بلال دیوبند |
| مشکوٰۃ شریف | کتب خانہ نعیمیہ دیوبند |
| ہدایہ | الامین کتابستان دیوبند |
| فتاوی شامی | دارالکتاب دیوبند |
| فتاوی ہندیہ | دارالکتاب دیوبند |
| بدائع الصنائع | دارالکتاب دیوبند |
| شرح وقایہ | دارالکتاب دیوبند |
| حلبی کبیری | دارالکتاب دیوبند |
| طحطاوی علی مراقی الفلاح | دارالکتاب دیوبند |
| البحرالرائق | زکریا بک ڈپو دیوبند |
| قواعدالفقہ | اشرفی بک ڈپو دیوبند |
| مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح | مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان |

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

# ابتدائیہ

## از حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
## مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کو پورے عالم اسلام اور بالخصوص جنوب ایشیائی ممالک اور برصغیر میں دینی اعتبار سے جو مرکزیت اور مرجعیت حاصل ہے اس کے نتیجہ میں جہاں تشنگانِ علومِ نبوت جوق در جوق اس سرچشمہ علم ومعرفت سے سیرابی حاصل کرنے کے لیے دیوبند کا رخ کرتے ہیں، وہیں پورے عالم سے عقائد، احکام، عائلی مسائل اور جملہ درپیش مسائل میں دینی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے رجوع کیا جاتا ہے۔

اور جب سے آن لائن فتوی، ای میل اور فیکس وغیرہ کی سہولتیں عام ہوگئی ہیں سوالات کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے۔

اب سے بہت پہلے ان فتاوی کو محفوظ کرنے اور ان کی افادیت کو عام کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند میں ترتیب فتاویٰ کا عمل شروع ہوا۔ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ اہتمام میں حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کی جمع وترتیب اور تحقیق وتحشیہ کے ساتھ مکمل و مدلّل فتاوی دارالعلوم دیوبند کے نام سے فتاوی کی بارہ جلدیں شائع ہوکر عام ہوئیں۔ اور حسب ضرورت انھیں بارہ جلدوں کی مکرر سہ کرر طباعت ہوتی رہی، بلاشبہ یہ ایک بڑا کارنامہ تھا۔ عامۃ المسلمین اور اربابِ افتاء وعلماء کرام نے اس سے خوب خوب استفادہ کیا۔

یہ سارے فتاوی دارالعلوم دیوبند کے پہلے باضابطہ مفتی حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہ کے تحریر فرمودہ تھے۔ اور فتاویٰ کی یہ بارہ جلدیں **کتاب اللّقطة** تک کے مسائل پر مشتمل تھیں۔

پھر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ اہتمام میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے تحریر فرمودہ جو فتاویٰ ان بارہ جلدوں میں نہیں آسکے اور دارالافتاء کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں ان کو بھی تحقیق وتخریج اور تحشیہ و تعلیق کے ساتھ شائع کیا جائے۔ حضرت مولانا بدرالدین صاحب اجمل قاسمی رکن مجلس شوریٰ ونگراں شیخ الہند اکیڈمی نے اس میں خاص دلچسپی دکھلائی اور حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور مجلس شوریٰ کی ہدایت پر اس کام کے لیے مفصل نظام مرتب کیا گیا۔

جس میں باقی ماندہ فتاویٰ کی ترتیب وتعلیق کی ذمہ داری جناب مولانا مفتی محمد امین صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کے سپرد کی گئی اور ملاحظہ کا کام حضرت صدرالمدرسین مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کے ذمہ کیا گیا، اور کوڈنگ وتجمیع فتاوی اور ترتیب فتاوی وغیرہ کے لیے مختلف افراد متعین ہوئے۔

بفضلہٖ تعالیٰ ۱۳-تا-۱۸ چھ جلدوں میں بعد از **کتاب اللّقطة** حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے تمام باقی ماندہ فتاویٰ مرتب ہوکر بہترین کتابت وطباعت کے ساتھ شائع ہوگئے، پھر ضرورت محسوس کی گئی کہ فتاویٰ کی قدیم ۱۲/ جلدوں کو اسی معیار کے مطابق از سر نو مرتب کر کے شائع کیا جائے، اس سلسلہ میں جو کام کیا گیا ہے اس کی تفصیل مفتی محمد امین صاحب کے "مقدمہ ترتیب جدید" میں مذکور ہے۔

قدیم مکمل ومدلّل فتاوی دارالعلوم دیوبند کی ترتیب جدید کے ساتھ پہلی جلد ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اب دوسری جلد طباعت کے لیے تیار ہے۔

کوشش کی جارہی ہے کہ بقیہ جلدیں بھی عجلت کے ساتھ شائع کی جاسکیں۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو بارآور فرمائے اور بحسن وخوبی تکمیل تک پہنچائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۲۰/۱۱/۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ ترتیب قدیم

از: حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى .**

دنیا جس تیزی سے آگے جارہی ہے، یہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے، ہر دَور کی کچھ خصوصیات ہوا کرتی ہیں، موجودہ دَور کی خصوصیات میں نمایاں چیز خاکسار کے نزدیک حد سے بڑھی ہوئی سہل پسندی اور عجلت ہے اور اُسی کے ساتھ ہر قدم پر سبب کی تلاش وجستجو، جس درجہ کا بھی آدمی ہو اور خواہ اسے فقہ اور فتاوی سے کوئی مناسبت ہو یا نہ ہو، مگر وہ ہر حکم پر نقد وتبصرہ اپنا اوّلین حق اور خوشگوار فریضہ سمجھتا ہے۔

سہل پسندی اور عجلت تو انسانی مزاج میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ کوئی اس کے خلاف ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتا، جس کو دیکھئے اور جہاں دیکھئے وہ رفتارِ زمانہ اور اُس کی راہ ورسم سے بُری طرح مرعوب ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ تدبر وتفکر اور دور اندیشی ومعاملہ فہمی ختم ہوتی جارہی ہے جس کا نام غور وفکر ہے، وہ بالکل سطحی بن کر رہ گیا ہے، جب سوچتا ہوں کہ اس عدم تعمق کا انجام کیا ہوگا تو دل لرزنے لگتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام خدا کا سب سے آخری اور پسندیدہ مکمل دین ہے، اور اس کے آئین وقوانین انسان کے نہیں بلکہ خالق کائنات کے بنائے ہوئے ہیں، جن کی تشریح ووضاحت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تیئس سالہ دورِ نبوت میں مختلف مواقع سے فرمائی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نے ان پر چل کر اُن کو نکھارا، اور کہیں سے کوئی گنجلک رہنے نہیں دی۔ اور آپ کے بعد ائمہ مجتہدین اور علماء امت نے کتاب وسنت کی روشنی میں فقہ کے نام سے ان دفعات کو مدوّن کیا جس کی تفصیل مقدمہ جلد اوّل میں گذر چکی، مگر حالات کے پھیلاؤ کے ساتھ برابر ان میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ جب کبھی نئے مسائل پیدا ہوئے علماء راسخین فی العلم نے ان کا حل تلاش کر کے پبلک کو ان سے روشناس کیا، اور آئندہ بھی برابر ایسا ہی ہوتا رہے گا، یہ سلسلہ کسی منزل پر رُکنے والا نہیں ہے۔

لیکن عجیب بات ہے کہ یہ سب کچھ جاننے اور مشاہدہ کرنے کے باوجود علماء امت پر تنگ نظری، کم مائیگی اور بے خبری کا الزام ہے، اور یہ مکروہ پروپیگنڈہ زبان زد عام وخاص ہوتا جا رہا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر تعلیم یافتہ حضرات کا ایک طبقہ جس میں دور بینی اور دین فہمی کی صلاحیت نہیں ہے، ہر اس شخص کے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جو دین خداوندی کو اپنے غلط ذوق کے مطابق مسخ کر کے پیش کرتا ہے اور تحریف معنوی کی لعنت میں گرفتار ہے۔

عوام وخواص کو کس طرح یقین دلایا جائے، کہ علماء امت کا ذمہ دار طبقہ زمانہ اور اس کی تیز گامی سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں، اس کی انگلیاں ہر وقت رفتارِ زمانہ کی نبض پر اور اس کی دور بیں نگاہیں دورِ جدید کے رُخِ زیبا پر لگی ہوئی ہیں، اور اسے یہ بھی احساس ہے کہ امور دینیہ میں گرفت ڈھیلی کرنے کا مطالبہ شدت کے ساتھ جاری ہے اور علماء کے خلاف زمانہ کے ساتھ نہ چلنے کا شکوہ عام ہے، اور اس طرح کے مطالبات اور شکووں پر توجہ نہ دینے کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا ہم سے بدظن ہوتی جا رہی ہے۔

مگر اسی کے ساتھ اس طبقہ کے پیش نظر علماء بنی اسرائیل، مسیحی پادریوں اور دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی تاریخ بھی ہے کہ انہوں نے عوام کو خوش کرنے کے لیے اپنے اپنے مذہب کا حلیہ کس طرح بگاڑا، اور اسے کیا سے کیا بنا دیا، پھر اسے اپنی اس عظیم الشان ذمہ داری کا احساس بھی ہے جو خدا ورسول ﷺ کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہے، اور اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ علماء دین پوری پامردی سے اپنی جگہ کھڑے ہیں، اور وہی کرتے ہیں، جو کتاب وسنت کی روشنی میں انہیں کرنا چاہیے، اور خدا کرے ان کی اس استقامت میں سرِمو کبھی کوئی فرق نہ آنے پائے۔ یہ اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ عوام کا جیسا مطالبہ ہے اگر اس سے گھبرا کر کوئی قدم اٹھایا گیا تو بہت ممکن ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دین قیم بازیچۂ اطفال بن جائے اور اس کے تقدس ووقار کا آبگینہ چور چور ہو جائے۔

پاکستان عائلی کمیشن کی رپورٹ، منکرین حدیث کے دین مسخ کرنے والے اجتہادات اور دوسری روشن خیال دینی جماعتوں کی غلط تعبیریں اور ان کا لرزہ خیز انجام ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ علماء قائمین بالحق اور راسخین فی العلم پر زمانہ کے انقلاب نے جونئی ذمہ داریاں ڈال دی ہیں وہ ان سے عہدہ برآ ہونا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اس سلسلہ میں جو کچھ انہیں کرنا چاہیے کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔

خوب یاد رکھئے کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ دین آسانی کا دوسرا نام ہے، نہ اس میں تنگی ہے نہ سختی نہ افراط ہے، نہ تفریط، بلکہ اس کے قوام میں اعتدال ہے اور ہر دور کا ساتھ دینے کی بے پناہ قوت، وہ اپنے اندر بے انتہاء لچک اور جاذبیت رکھتا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے معلمین دین کو ہدایت ہے کہ ”آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، خوش خبری سنانا، نفرت نہ پھیلانا“۔

احکامِ دین میں جو وسعت و ہمہ گیری اور رفق وسہولت ہے، وہ ہر شخص جانتا ہے باب طہارت میں پانی کے استعمال کا حکم ہے، مگر پانی، یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں مٹی کو اس کا قائم مقام بنایا گیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ وضو اور جنابت دونوں کے لیے مٹی یا جو مٹی کے حکم میں ہے، اس پر دونوں ہتھیلیاں مار کر چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا صرف کہنیوں تک مسح کر لے۔ مٹی اور پانی میں جو مناسبت ہے وہ ان لوگوں پر ظاہر ہے جن کو علم ہے کہ ان دو چیزوں کا انسان اور دوسری مخلوق کی پیدائش اور نشو ونما میں کیا حصہ ہے، عبادات میں نماز ایک عظیم المرتبت عبادت ہے اور اس قدر عام کہ کسی عاقل و بالغ مسلمان سے معاف نہیں، اس نماز میں قیام گو فرض ہے، مگر جن کو قیام وغیرہ پر قدرت نہیں ہے ان کو بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت ہے اور اگر اس پر بھی قادر نہیں تو لیٹ کر، اسی طرح فرض نمازوں کی ادائیگی جماعت کے ساتھ سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے، اور مسجدوں کا سارا نظام اسی سے وابستہ ہے لیکن اگر کوئی معمولی عذر شرعی بھی ہے تو پھر اسے ترک جماعت کی اجازت حاصل ہے، اسی طرح مقیم کے لیے سنت اور ہر فرض کی پوری رکعتیں ضروری ہیں، لیکن مسافر شرعی کے لیے تخفیف ہے کہ چار فرض کی جگہ صرف دو پڑھے، اور سنتیں معاف۔

پھر نماز کی ہیئت ترکیبی اور اس کے جو شروط وصفات ہیں ان میں سے کسی میں کوئی سختی نہیں، اور جو التزام ضروری قرار دیا گیا ہے وہ سب نفع بخش اور انسانی زندگی کو سنوارنے والے اور پاکیزگی بخشنے

والے ہیں۔ مختصر یہ کہ نماز سہل بھی ہے اور کم سے کم وقت میں ادا ہو جانے کے لائق بھی، اور کم و بیش یہی ساری سہولتیں دوسری عبادات میں بھی حاصل ہیں، کاش عام مسلمان دین سے پورے طور پر واقف ہوتا تو اسے اندازہ ہوتا کہ اسلام کتنا آسان دین ہے، اور نفسیات انسانی سے کس قدر قریب۔

اس جلد کی ترتیب میں بھی ان تمام امور کا لحاظ رکھا گیا ہے جن کی تفصیل پہلی جلد میں آچکی ہے، پہلے ارادہ تھا کہ پوری کتاب الصّلاۃ ایک جلد میں یا زیادہ سے زیادہ دو جلدوں میں آجائے، مگر اس جلد کی بڑھتی ہوئی ضخامت اور لوگوں کی آسانی کے لیے اس کی متعدد جلدیں کرنی پڑیں، مسائل میں تکرار کے حذف کا اہتمام اس جلد میں بھی کیا گیا ہے، مگر بعض مسائل کی اہمیت اور سوالات کی مختلف نوعیت کی وجہ سے دو تین مسئلوں میں ضرورت بھر تکرار باقی رکھی گئی ہے اور بعض مسائل میں تکرار انسانی نسیان کے تحت بھی رہ گئی ہے مگر وہ برائے نام ہے، لیکن تکرار کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ایک ہی سوال و جواب لوٹ کر آگیا ہے، بلکہ سائل بھی دوسرا ہے اور سوال و جواب کے الفاظ بھی بدلے ہوئے، اور دو وقت کے لکھے ہوئے ہیں۔

بشری بھول چوک سے کون بچا ہے کہ یہ خاکسار بچنے کا دعوی کرے، لیکن اپنی جد و جہد اور محنت و کاوش کی حد تک جو کچھ کر سکتا تھا اس میں ہرگز کوتاہی نہیں ہونے دی ہے۔ کامیابی رب العزت کے ہاتھ ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ یہ حقیر خدمت قبول فرمائیں اور اسے علماء کی نگاہ میں وقیع و پسندیدہ اور عوام کے لیے زیادہ سے زیادہ لائق استفادہ بنائیں، ساتھ ہی مرتب کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں یہ مجموعہ فلاح و نجات کا ذریعہ ثابت ہو۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم .

طالب دعاء

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

پورہ نوڈیہاوی

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۵/ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ ترتیب جدید

**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى .**

مکمل و مدلّل فتاوٰی دارالعلوم دیوبند کی سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کو بھی احقر نے مفتی مصطفٰی امین پالن پوری، مفتی محمد یونس دہلوی اور مولانا امیر اللہ مشتاق قاسمی مئوی صاحبان کے تعاون سے مرتب کیا ہے، ہم نے ترتیب قدیم پر جو اضافے اور کام کیے ہیں اُن کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے:

(۱) کتاب کو عام فہم بنانے کے لیے جو فتاوی فارسی یا عربی میں تھے اُن کے سلیس اردو میں ترجمے کیے ہیں۔

(۲) جہاں ضرورت محسوس ہوئی مسائل کی وضاحت کی ہے۔

(۳) جن فتاوی میں تسامح تھا اُن کی نشاندہی کی ہے۔

(۴) ایک ہی طرح کے مسائل جو ترتیب قدیم میں بکھرے ہوئے تھے ان کو ترتیب جدید میں یکجا کیا ہے، اور ایک ہی عنوان کے تحت رکھا ہے، یا مختلف عنوان قائم کر کے یکے بعد دیگرے رکھا ہے، اور ایک ہی طرح کے مسائل کے جوابات میں جہاں بظاہر تعارض تھا اس کی توجیہ کی ہے۔

(۵) اکثر عناوین کو عام فہم بنانے کے لیے بدلا ہے۔

(۶) حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ کے بعض حواشی کو باقی رکھا ہے اور کچھ کو تبدیل کیا ہے۔

﴿۷﴾ ترتیبِ قدیم میں بعض مقامات پر پہلے چند سوالات پھر ان کے جوابات تھے، ترتیبِ جدید میں ہم نے ہر سوال کے بعد اس کے جواب کو رکھا ہے، تاکہ ناظرین کرام کو ہر سوال کا جواب تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

﴿۸﴾ حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے جملہ عربی حوالوں اور عبارتوں کو نیز حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب کے تمام حواشی کو اصل مراجع سے ملا کر تصحیح کی ہے اور نئے اڈیشنوں کے صفحات وابواب وغیرہ درج کیے ہیں۔

﴿۹﴾ جوسوال وجواب بعینہٖ مکرر تھے اُن کو حذف کیا ہے، نیز جو مسائل دیگر ابواب کے تھے اُن کو اس جلد میں شامل نہیں کیا، ان شاء اللہ اگلی جلدوں میں اُن کو شامل کیا جائے گا۔

﴿۱۰﴾ اس جلد کے مسائل جو دوسری جلدوں میں تھے اُن کو اس جلد میں شامل کیا گیا ہے، نیز بعض فتاوی کا رجسٹر نقول فتاوی سے بھی اضافہ کیا گیا ہے، اس لیے ہماری مرتب کردہ جلد دوم میں کل فتاوی ۵۱۰ ہیں، اور حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کی مرتب کردہ جلد دوم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جلد میں کل فتاوی ۶۰۳ ہیں، کیوں کہ آخری سوال کا نمبر ۶۰۳ ہے، لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جلد دوم میں کل فتاوی ۵۰۳ ہیں، سوال: (۴۸۹) کے بعد جو سوال ہے، اس کا نمبر غلطی سے (۵۹۰) لکھ دیا ہے، پھر آخر تک اُس کی پیروی کی ہے، ایسی ہی غلطی جلد سوم میں بھی ہوئی ہے۔

﴿۱۱﴾ تمام سوالات وجوابات کی اصل رجسٹر نقول فتاوی سے ملا کر تصحیح کی ہے، پھر تمام سوالات وجوابات کو مطبوعہ فتاوی سے ملایا ہے، جہاں فرق ہے اُس کو حاشیہ میں واضح کیا ہے —— ان دو کاموں کی وجہ سے اس جلد کی تکمیل میں قدرے تاخیر ہوئی ہے، کیوں کہ کمپوز شدہ فتاوی میں اغلاط بہت ہیں، اس لیے اصل رجسٹر نقول فتاوی سے ملا کر تصحیح کرنا ضروری تھا، نیز مطبوعہ فتاوی اور رجسٹروں میں مرقوم فتاوی میں بہت جگہ الفاظ وعبارات کا فرق تھا، اس لیے اس کی نشاندہی کے لیے مطبوعہ فتاوی سے ملانا بھی ضروری تھا۔

﴿۱۲﴾ ہر جواب کے اخیر میں مطبوعہ فتاویٰ کا حوالہ جلد اور صفحہ کے ساتھ درج کیا ہے، تاکہ

جوکوئی مطبوعہ فتاوٰی میں اس مسئلہ کو تلاش کرنا چاہے اس کو دشواری پیش نہ آئے، جیسا کہ ہر سوال کے اخیر میں نمبر سلسلہ اور سنہ درج کیا ہے تا کہ وقت ضرورت کام آئے، ان دونوں باتوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱۳) حسبِ تجویز مجلس شوری دارالعلوم دیوبند سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کو بھی مرتب کرنے کے بعد ہم نے شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا ہے، حضرت اقدس نے پوری کتاب کو از اوّل تا آخر دیکھا اور جو خامیاں تھیں اُن کی اصلاح فرمائی، اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو صحتِ کاملہ عطا فرمائیں اور اُن کے سایہ کو دراز فرمائیں۔ آمین

الغرض کتاب میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے اس کی ہم نے پوری کوشش کی ہے، البتہ حوالوں کی کثرت اور بھرمار سے اجتناب کیا ہے، کیوں کہ یہ ہمارے اکابر کا طریقہ نہیں تھا، موجودہ زمانے کی ایجاد ہے، اس سے کتاب کی ضخامت بڑھ جاتی ہے، اور خریدار کے لیے بوجھ بنتی ہے، نیز ہم جن کی سرپرستی میں یہ علمی خدمت انجام دے رہے ہیں وہ حوالوں کی کثرت کے بجائے مسائل کی تنقیح اور وضاحت کو ضروری سمجھتے ہیں، ہم نے اس کا پورا خیال رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو سلامت رکھے اور اربابِ شوری واہتمام کی عمروں میں برکت عطا فرمائیں اور اُن کے سایہ کو تادیر باقی رکھیں جن کے حکم عالی سے یہ علمی کام انجام پا رہا ہے، اور ہمیں ترتیبِ جدید کو جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد امین پالن پوری

مرتب فتاوٰی دارالعلوم دیوبند

۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ

مطابق ۱۶/ اگست ۲۰۱۶ء

# فتاوی دارالعلوم دیوبند کی تاریخ

سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم پاکستانی رحمہ اللہ نے رجسٹر نقول فتاوی میں سے اپنے اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب قدس سرہ کے اہم فتاوی کا انتخاب کیا، اور ترتیب سے مزین فرمایا تھا، یہ مجموعہ ''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے چھوٹی چھوٹی آٹھ جلدوں میں دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا تھا، یہ مجموعہ اب نایاب ہے ـــــ پھر یہی فتاوی پاکستان سے نئی ترتیب سے مزین ہوکر دو جلدوں میں شائع ہوئے، جلد اوّل میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور جلد ثانی میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتاوی ہیں، یہ بازار میں دستیاب ہے ـــــ ہندو پاک کے متعدد ناشروں نے اس کو شائع کیا ہے۔

پھر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس سرہ کے زمانہ میں حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ نے صرف مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی کو مرتب فرمایا اور اس کا نام: ''مکمل و مدلّل فتاوی دارالعلوم دیوبند'' رکھا، اس کی بارہ جلدیں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے زمانۂ اہتمام میں شائع ہوچکی تھیں، آگے کسی وجہ سے ترتیب کا کام موقوف رہا۔

پھر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے زمانۂ اہتمام میں حضرت مولانا بدر الدین صاحب اجمل رکن شوری دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش سابق کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس سرہ کی کوششوں سے آگے ترتیب کا کام شروع ہوا، ہم نے ۱۳ سے ۱۸ تک چھ جلدوں میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے باقی ماندہ فتاوی کو مرتب کیا، مکتبہ دارالعلوم دیوبند نے ان کو شائع کیا ہے۔

جب مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی اٹھارہ جلدوں میں مکمل ہوگئے تو دارالعلوم دیوبند کی مؤقر مجلس شوری نے ہمیں حکم دیا کہ شروع کی بارہ جلدوں کو از سر نو مرتب کیا جائے، احقر اس کام کے لیے بالکل آمادہ نہیں تھا، مگر اربابِ شوری واہتمام کے اصرار پر ہم نے از سر نو ترتیب کا کام شروع کیا، اس کی پہلی جلد شائع ہوچکی ہے، اب دوسری جلد شائع ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اور ہمیں خطا سے محفوظ رکھیں۔ آمین

محمد امین پالن پوری

۲۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲/ستمبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# کتاب الصّلاۃ

# نماز کے مسائل

## نماز کی فرضیت واہمیت کا بیان

### نماز پنج گانہ کا قرآن سے ثبوت

سوال: (۱) نماز پنج گانہ کی نسبت قرآن شریف میں کس کس آیت میں ذکر آیا ہے؟

(۱۲۳۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ﴾ (سورۂ ہود، آیت:۱۱۴) في الجلالین: ﴿طَرَفَیِ النَّھَارِ﴾ الغداۃ والعشيّ أي الصّبح والظّھر والعصر ﴿وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ﴾ أي المغرب والعشاء (۱) وقال تعالیٰ: ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ، وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْھِرُوْنَ﴾ (سورۂ روم، آیت:۱۷) قال في الجلالین: ﴿حِیْنَ تُمْسُوْنَ﴾............

(۱) تفسیر جلالین، ص:۱۸۹، سورہ ہود، آیت:۱۱۴، مطبوعہ: کتب خانہ رشیدیہ، دہلی۔

وفیہ : صلاتان المغرب والعشاء ، ﴿وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾............ وفیہ: صلاة الصّبح ﴿وَعَشِیًّا﴾:...... وفیہ صلاة العصر ﴿وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾......وفیہ صلاة الظّهر [1]

وفي الحدیث : عن عبادة بن الصّامت رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم: خمس صلوات افترضهنّ اللّٰه تعالٰی ، من أحسن وضوء هن وصلاهنّ لوقتهنّ وأتمّ رکوعهنّ وخشوعهنّ ، کان له علی اللّٰه عهد أن یغفر له الحدیث ، رواه أحمد وأبوداؤد وغیرهما [۲] وعن أبي أمامة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: صلّوا خمسکم، وصوموا شهرکم، وأدّوا زکاة أموالکم، وأطیعوا إذا أمرکم تدخلوا جنّة ربّکم ، رواه أحمد والتّرمذيّ [۲]

ان آیات واحادیث سے فرضیت صلوات خمسہ واضح ہے اور دیگر آیات واحادیث بہ کثرت فرضیت صلوات خمسہ پر نص قاطع ہیں، اور رکعات ہر ایک نماز کی معروف ومشہور ہیں، وہ بھی قطعی ہیں، انکار اُن کا کفر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۰/۲)

## نمازیں کب فرض ہوئیں؟

**سوال:** (۲) کیا نماز شب معراج ہی سے فرض ہوئی ہے؟ (۱۳۴۷-۴۶/۹۸ھ)

**الجواب:** نماز شب معراج ہی میں فرض ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے [۳]

---

(۱) تفسیر جلالین، ص:۳۴۲، سورہ روم، آیت: ۱۷۔

(۲) مشکاة المصابیح، ص:۵۸، کتاب الصّلاة ، الفصل الثّاني .

(۳) معراج سے متعلق ایک لمبی حدیث کے اخیر میں ہے :

عن قتادة عن أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة رضي الله عنهم أن نبي اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم حدّثهم عن لیلة أسري به ............ ثمّ فرضت عليّ الصّلاة خمسین صلاة کلّ یوم، فرجعتُ ، فمررتُ علی موسٰی، فقال: بم أُمرتَ؟ قلتُ: أمرتُ بخمسین صلاة کلّ یوم ، قال: إن أمّتك لا تستطیع خمسین صلاة کلّ یومٍ ، وإنّي واللّٰه قد جرّبت النّاس قبلك ، وعالجت بني إسرائیل أشدّ المعالجة ، فارجع إلٰی ربّك ، فَسَلْهُ التّخفیف لأمّتك ، فرجعتُ ، فوضع عنّي عشرًا ، فرجعت إلٰی موسٰی ، فقال : مثله ، فرجعت ، فوضع عنّي عشرًا ، ==

مشکاۃ شریف کا ترجمہ اردو مظاہر حق دیکھیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۹)

## ہر طبقہ کے مسلمانوں کے لیے نماز کی پابندی کی کیا صورت ہے؟

سوال: (۳) ہر طبقہ کے مسلمان نماز کے کیوں کر پابند ہو سکتے ہیں؟ (۱۶۲۷/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ . الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۴۵-۴۶) اور بے شک نماز بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جو فروتنی اور عاجزی کرنے والے ہیں، جن کو یقین ہے کہ ان کو اللہ کے پاس جانا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، پس معلوم ہوا کہ اولاً خوف الٰہی اور خوف قیامت واہوال قیامت اور پیشیٔ بارگاہِ الٰہی کا خیال دل میں پیدا کرے اور ان میں فکر کرے، پھر وہ بشارت اور ثواب جو احادیث میں نماز پڑھنے والوں کے لیے وارد ہیں دیکھے اور سنے، اور فضائل نماز کو پیش نظر کرے، تو اس طریق سے امید ہے کہ

---

== عن قتادة عن أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة رضي الله عنهم أن نبي الله صلّى الله عليه وسلم حدّثهم عن ليلة أسري به ........... ثمّ فرضت عليّ الصّلاة خمسين صلاة كلّ يوم ، فرجعتُ ، فمررتُ على موسٰى، فقال: بم أُمرتَ؟ قلتُ: أمرتُ بخمسين صلاة كلّ يوم ، قال : إن أمّتك لا تستطيع خمسين صلاة كلّ يومٍ ، و إنّي والله قد جرّبت النّاس قبلك ، وعالجت بني إسرائيل أشدّ المعالجة ، فارجع إلٰى ربّك ، فَسَلْهُ التّخفيف لأمّتك ، فرجعتُ ، فوضع عنّي عشرًا ، فرجعت إلٰى موسٰى ، فقال : مثله ، فرجعت ، فوضع عنّي عشرًا ، فرجعتُ إلى موسٰى ، فقال: مثله ، فرجعتُ ، فوضعني عشرًا ، فرجعتُ إلى موسٰى ، فقال: مثله ، فرجعتُ فوضعني عشرًا ، فأُمرتُ بعشر صلوات كلّ يوم ، فرجعت إلٰى موسٰى فقال : مثله ، فرجعتُ فأمِرْتُ بخمس صلوات كلّ يومٍ إلخ ، متّفق عليه .

(مشكاة المصابيح، ص:۵۲۶-۵۲۸، كتاب الفتن ، باب في المعراج ، الفصل الأوّل)

هي فرض عين على كلّ مكلّف بالإجماع فرضت في الإسراء ليلة السّبت سابع عشر رمضان قبل الهجرة بسنة ونصف ، وكانت قبله صلاتين قبل طلوع الشّمس ، وقبل غروبها شمنّي(الدّرّ المختار) وفي الشّامي : إنّهم اختلفوا في أي سنّة كان الإسراء بعد اتّفاقهم على أنّه كان بعد البعثة إلخ . (ردّ المحتار: ۲/۶، كتاب الصّلاة)

(۱) ملاحظہ فرمائیں: مظاہر حق جدید: ۴/۵۵۴-۵۶۰، کتاب الفتن .

اس کو نماز کا شوق ہوگا، اور جب اس پر غور کرے گا کہ أحبّ الأعمال إلی اللّٰہ أدومها (۱) یعنی پسندیدہ تر عمل اللہ کے نزدیک وہ ہے جس پر دوام اور مواظبت ہو، اور نیز اس قسم کی احادیث میں غور کرے گا۔ قَالَ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم: أرأیتم لو أن نهرًا بباب أحدکم یغتسل فیه کلّ یوم خمسًا، هل یبقی مِن دَرَنِهٖ شيء ؟ قالوا: لا یبقی من درنه شيء ، قال: فذلك مثل الصّلوات الخمس ، یمحوا اللّٰهُ بهنّ الخطایا. متّفق علیه (۲) حاصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی کے دروازہ کے آگے ایک نہر ہو کہ دن رات میں پانچ دفعہ وہ اس میں غسل کرے، تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں باقی رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ تو وہ شخص پکا نمازی ہوجاوے گا اور وقتاً فوقتاً مسائل نماز کی تحقیق اور جستجو میں رہے گا، اور بہ حکم: من جدّ وجد ضرور ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگا، پس ضروری ہوا کہ نماز کی بزرگی اور فضیلت میں جو احادیث وارد ہیں ان کو مشکاۃ شریف کی کتاب الصّلاۃ میں دیکھے یا کسی سے سنے (۳) اور اگر وہ شخص عربی نہیں سمجھتا تو مظاہر حق ترجمہ مشکاۃ شریف کو

---

(۱) عن عائشة رضي اللّٰہ عنها قالت: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم : أحبّ الأعمال إلی اللّٰہ أدومها وإن قلّ متّفق علیه . (مشکاۃ المصابیح ، ص:۱۱۰، کتاب الصّلاۃ ، باب القصد في العمل ، الفصل الأوّل)

(۲) عن أبي هریرۃ رضي اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم : أرأیتم لو أنّ نهرًا الحدیث .(مشکاۃ المصابیح، ص:۵۷، کتاب الصّلاۃ ، الفصل الأوّل)

(۳) عن ابن مسعود رضي اللّٰہ تعالٰی عنه قال: سألت النّبيّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم أي الأعمال أحبّ إلی اللّٰہ ؟ قال: الصّلوات لوقتها، قُلت: ثمّ أيٌّ ؟قال: برّ الوالدین ، قلت: ثمّ أيٌّ ؟ قال : الجهاد في سبیل اللّٰہ ، قال: حدّثني بهنّ ولو استزدته لزادني ، متّفق علیه .

وعن عُبادۃ بن الصّامت رضي اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم خمس صلوات افترضهن اللّٰہ تعالٰی ، من أحسن وضوء هنّ وصلاّ هنّ لوقتهنّ وأتمّ رکوعهنّ وخشوعهنّ کان له علی اللّٰہ عهد أن یغفر له ، ومَن لم یفعل فلیس لهٗ علی اللّٰہ عهدٌ إن شاء غفر له وإن شاء عذّبه ، رواہ أحمد وأبوداؤد وروی مالك والنّسائي نحوہ . ==

دیکھتا رہے(۱) الغرض ہر طبقہ کے مسلمانوں کو امید ہے کہ طریقۂ مذکور سے نفع ہوگا، اور نماز کا شوق ہوگا، اور جو لوگ خود اس طریق پر کاربند نہ ہوسکیں ان کو دوسرے لوگ جو واقف ہیں یہ باتیں سنائیں، اور انذار و بشارت کی آیات واحادیث کا ترجمہ ومطلب سنائیں اور بتلائیں تو ضرور ہے کہ بہ حکم: ﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ ذاریات، آیت:۵۵) ان کو یہ نصائح نافع اور ممد ہوں گی، اقامت صلاۃ بلکہ اتباع جمیع احکام دینیہ پر۔ والسلام (۲/۲۵)

## جو پابندی سے نمازیں ادا نہیں کرتا اُسے ثواب ملے گا یا نہیں؟

**سوال:** (۴) جو شخص کبھی کبھی بعض نماز ترک کرتا ہے اور بعض نمازیں ادا کرتا ہے، اس کو ادا شدہ نمازوں کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۵۵۳ھ)

**الجواب:** اداشدہ نماز کا ثواب ملے گا، اور ترک شدہ نماز کا عذاب ہوگا(۲) فقط (۲/۲۶)

## کیا اللہ کا ذکر نماز سے بہتر ہے؟

**سوال:** (۵) گروہے از صوفیاء می گوید کہ ذکر اللہ از جماعت پنجگانہ ودیگر فرائض اولیٰ وافضل است،

---

== وعن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: صلّوا خمسكم ، وصوموا شهركم ، وادّوا زكاة أموالكم ، وأطيعوا إذا أمركم تدخلوا جنّة ربّكم، رواه أحمد والتّرمذي . (مشكاة المصابيح، ص:۵۸، كتاب الصّلاة ، الفصل الأوّل)

(۱) ملاحظہ فرمائیں مظاہر حق قدیم، جلداوّل، صفحہ:۲۰۰-تا-۲۰۶، مطبوعہ: مطبع آسی واقع لکھنؤ۔

(۲) ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ انعام، آیت:۱۶۰)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم فيما يَروِي عن ربّه قال : قال: إن الله تعالىٰ كتب الحسنات والسّيّات ثمّ بيّن ذلك ، فمن همّ بحسنة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة ، فإن هو همّ بها فعملها كتبها الله له بها عنده عشر حسنات إلى سبع مائة ضِعف إلى أضعاف كثيرة، ومَن همّ بسيّئة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة فإن هو همّ بها فعملها كتبها الله له سيّئة واحدة. (صحيح البخاري: ۲/۹۶۰-۹۶۱، كتاب الرّقاق ، باب من همّ بحسنة أو سيّئة ، رقم الحديث: ۶۴۹۱)

اگر بہ وجہ مشغولیت ذکر واذ کار فریضہ فوت شود، بروئے قضا نیست نہ عاصی شود، واز آیتِ کریمہ: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ (سورۂ عنکبوت، آیت:۴۵) استدلال می کنند قول ایشاں صحیح است یا نہ؟ (۵۶۶/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** ایں قول ایشاں باطل است، چنانچہ درحدیث صحیحین است: عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: سألت النبيّ صلّى الله عليه وسلّم أيُّ الأعمال أحبّ إلى الله؟ قال: الصّلاة لوقتها، قلت: ثمّ أيٌّ؟ قال: برّ الوالدين، قلت: ثمّ أيٌّ؟ قال: الجهاد في سبيل الله الحديث [(۱)] وقال الله تعالىٰ: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۲۳۸) وبہ اتفاق امت نماز فرض قطعی است وذکر اللہ علاوہ نماز وغیرہ از مستحبات واتفاق است کہ فرض افضل است از مستحبات ومعنی آیت ایں است کہ نماز چونکہ متضمن ذکر اللہ است، لہٰذا افضل است از غیر آں از عبادات قال في الكمالين: فالصّلاة لما كانت كلّها مشتملةً بذكر الله تكون أكبر إلخ [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸/۲)

**ترجمہ سوال:** (۵) صوفیاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اللہ کا ذکر پنج گانہ نماز باجماعت اور دیگر فرائض سے اولیٰ وافضل ہے، اگر ذکر واذکار میں مشغول ہونے کی وجہ سے فرائض فوت ہوجائیں تو اس پر قضاء نہیں ہے، نہ وہ گنہ گار ہوگا، اورآیت کریمہ: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ سے استدلال کرتے ہیں، ان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب:** ان کا یہ قول باطل ہے، چنانچہ صحیحین کی حدیث میں ہے: عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: سألت النبيّ صلّى الله عليه وسلّم أيُّ الأعمال أحب إلى الله؟ قال: الصّلاة لوقتها، قلت: ثمّ أيٌّ؟ قال: برّ الوالدين، قلت: ثمّ أيٌّ؟ قال: الجهاد في سبيل الله الحديث، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۵۸، كتاب الصّلاة، الفصل الأوّل.

(۲) حاشية تفسير الجلالين، ص:۳۳۹، رقم الحاشية: ۱، سورة العنكبوت، آيت: ۴۵، وفي عبارة أبي السّعود: ولذكر الله أكبر أي الصّلاة أكبر من سائر الطّاعات. (حاشية تفسير الجلالين، ص:۳۳۸، رقم الحاشية: ۲۶، سورة عنكبوت، آيت: ۴۵)

اور بہ اتفاق امت نماز فرضِ قطعی ہے (یعنی لازم اور ضروری ہے) اور نماز کے علاوہ ذکر اللہ مستحبات کے قبیل سے ہے، اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ فرض افضل ہے مستحبات سے، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ نماز چونکہ ذکر اللہ کو متضمن ہے، اس لیے دوسری عبادتوں سے افضل ہے، کمالین میں فرمایا کہ پوری نماز چونکہ اللہ کے ذکر پر مشتمل ہے، اس لیے نماز تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

## سائنسی تجربات کے لیے نماز قضا کردینا درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۶) اگر دار التجربات سائنس میں تجربہ کیا جارہا ہے، اور نماز کا وقت بھی ہے تو یہ مجبوری ایسی ہے کہ اس (کی وجہ سے)[۱] نماز کو دوسری نماز کے ساتھ قضاء پڑھنے کی اجازت ہو؟

(۵۶۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** اس وجہ سے نماز کو قضا کرنا جائز نہیں ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹/۲)

## نماز نہ پڑھنے والے پر مالی جرمانہ لازم کرنا اور جو نمازی اس سے تعلق رکھتا ہے اس کا حکم

**سوال:** (۷)...... (الف) ایک محلّہ کے مسلمانوں نے یہ انتظام کیا ہے کہ جو شخص کسی وقت کی نماز نہ پڑھے تو جرمانہ ادا کرے، اور تارک صلاۃ کے ساتھ میل جول نہ رکھا جاوے، اس محلّہ میں زید خود تو نماز پڑھتا ہے مگر اس کے متعلقین نماز نہیں پڑھتے، زید سے جب کہا گیا تو یہ جواب دیا کہ نہیں پڑھتے تو میں کیا کروں؟ مجبوری ہے اس سے کہا گیا کہ ترک تعلقات کیجیے، زید نے یہ جواب دیا کہ یہ بھی نہیں ہوسکتا مجبوری ہے۔

---

(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے بڑھائے ہیں۔۱۲

(۲) ولا جمع بين فرضين في وقت بعذر إلخ فإن جمع فسد لو قدم الفرض على وقته وحرم لو عكس أي أخره عنه وإن صحّ بطريق القضاء إلّالحاج بعرفة ومزدلفة . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۱-۴۳)

(ب) زید کا یہ کہنا کہ مجبوری ہے قابل معافی ہے یا نہیں؟

(ج) جب کہ زید تارک صلاۃ سے میل جول رکھتا ہے، تو زید کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

(د) زید سے تعلقات رکھے جاویں یا نہیں؟

(ھ) نماز پڑھانے کی غرض سے اس قسم کے اثر سے کام لینا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲۹/ ۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** (الف - ب) زید نے اگر نصیحت کی اور انہوں نے نہ مانا تو زید کے ذمہ مواخذہ نہیں ہے: قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (سورۂ انعام، آیت: ۱۶۴) وقال تعالیٰ: ﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۸۴)

(ج) زید کی امامت اس صورت میں مکروہ نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز درست ہے۔

(د) زید سے تعلقات قائم رکھنے میں کچھ گناہ نہیں ہے۔

(ھ) نماز کی تاکید اپنی وسعت کے موافق خوب کرنی چاہیے؛ لیکن جرمانہ مالی جو شرعًا ناجائز ہے یہ نہ کرنا چاہیے(۱) ویسے تنبیہ کرنا اور ڈرانا ہر طرح چاہیے(۲) اور نہ ماننے پر اس سے انقطاع کر دینا اور ترک تعلقات کر دینا مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۷-۲۸)

---

(۱) لا بأخذ مال في المذهب بحر، وفيه عن البزّازيّة : قيل : يجوز ، ومعناه أن يمسكه مدّة لينزجر، ثمّ يعيده له ، فإن أيس من توبته صرفه إلى ما يرى ، وفي المجتبٰى : أنّه كان في ابتداء الإسلام ، ثمّ نسخ (الدّرّ المختار ) قوله : (لا بأخذ مال في المذهب ) قال في الفتح : وعن أبي يوسفؒ يجوز التّعزير للسّلطان بأخذ المال ، وعندهما وباقى الأئمّة لا يجوز اهـ ومثله في المعراج ، وظاهره أنّ ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف ، قال في الشّرنبلالية : ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظّلمة على أخذ مال النّاس فيأكلونه اهـ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ٦/ ٧٦، كتاب الحدود ، مطلب في التّعزير بأخذ المال) ظفیرؒ

(۲) وتاركها عمدًا مجانةً أي تكاسلاً فاسق يحبس حتّى يصلّي ؛ لأنّه يحبس لحق العبد ، فحقّ الحقّ أحقّ ، وقيل : يضرب حتّى يسيل منه الدّم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۷، كتاب الصّلاة) ظفیرؒ

## رشوت خور کی نماز مقبول ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۸) ایک شخص علاوہ تنخواہ ماہوار کے رشوت خوب لیتا ہے، اس کی نماز مقبول ہے یا نہیں؟ (۲۵۴۲/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** نماز قبول ہے، اور نماز کا ثواب حاصل ہوگا، اور رشوت کا گناہ ہوگا۔ قال تعالیٰ: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۱۰۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۶-۲۷)
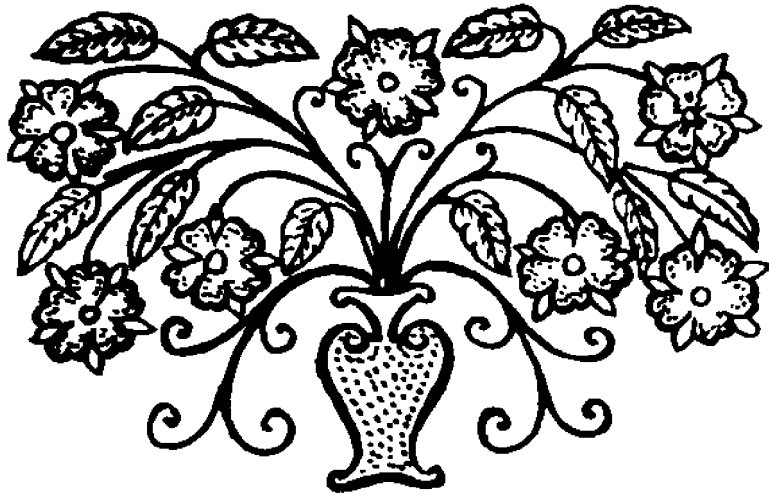
# نماز کے اوقات کا بیان

## کیا قرآن سے پنج وقتہ نماز کے اوقات ثابت ہیں؟

**سوال:(۹)** زید آیت کریمہ: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ﴾ سے تین وقت کی نماز: فجر، مغرب، عشاء پر استدلال کرتا ہے، کیا قرآن شریف کی کسی آیت شریفہ سے اوقات نماز پنج گانہ صریحاً ثابت ہوتے ہیں؟ (۴۸۱/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** آیت کریمہ: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ﴾ (سورۂ ہود، آیت:۱۱۴) میں پانچوں نمازوں کی فرضیت مراد ہوسکتی ہے، اس طرح کہ دن کے ایک طرف میں صبح کی نماز ہے، اور دوسری طرف میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب کے بعد تک تین نمازیں: ظہر، عصر، مغرب، اور زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ میں عشاء مراد ہو؛ اس لیے کہ دن کا پہلا نصف حصہ زوال تک ہے، اور دوسرا حصہ زوال کے بعد غروب تک، اگر دوسرے حصہ میں غروب تک دو نمازیں ظہر اور عصر رکھی جاویں تو مغرب اور عشاء زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ سے مراد ہوسکتی ہیں، اور ایک دوسری آیت سے بھی مفسرین نے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں، وہ یہ ہے: ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ﴾ (عصر ومغرب) ﴿وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ (فجر) ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا﴾ (عشاء) ﴿وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ (ظہر) (سورۂ روم، آیت:۱۷-۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳/۲)

## فجر کی اذان اور جماعت کا وقت

**سوال:(۱۰)** فجر کی نماز جماعت طلوع آفتاب سے کتنی پیشتر ہونی چاہیے؟ اور دیگر یہ کہ اذان

فجر جماعت سے کتنی پہلے ہونی چاہیے؟ (۱۰۶/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** شامی میں ہے کہ قال أبو حنیفةؒ: یؤذّن للفجر بعد طلوعہ (۱) یعنی صبح صادق ہونے کے بعد کہنا (فوراً) (۲) بہتر ہے، اگر فوراً نہ ہو تو بعد میں کہے، الغرض تمام وقت نماز کا اذان کا بھی وقت ہے کما في الشّامي : ولعلّ المراد بیان الاستحباب ، وإلاّ فوقت الجواز جمیع الوقت اھ (۱) اور جماعت فجر کی اسفار کے وقت ہونی چاہیے، یعنی جس وقت خوب روشنی ہو جاوے، اس کی مقدار درمختار میں یہ لکھی ہے کہ آفتاب کے نکلنے سے اتنی پہلے نماز صبح شروع کریں کہ چالیس آیتیں ترتیل سے پڑھ سکیں، اور پھر اعادہ کی ضرورت ہو تو اعادہ کرلیں (۳) غرض تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے آفتاب نکلنے سے جماعت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۹-۳۰)

## ممالک قطب شمالی وجنوبی میں نماز کے اوقات کی تعیین کس طرح کریں؟

سوال: (۱۱) اوقاتِ نماز کی پابندی ممالک قطب شمالی اور قطب جنوبی میں کس طرح ہوسکتی ہے؟ ان ممالک میں تین تین مہینے تک آفتاب طلوع نہیں ہوتا، علی ہذا تین ماہ تک غروب نہیں ہوتا، ایسے مقامات میں نماز کس طرح ادا کی جاوے؟ (۱۱۲۲/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** ایسے مواقع کا حکم بھی فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ وہاں اندازہ کرکے نمازیں ادا کریں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ دجال کے ظہور کے وقت ایک دن سال بھر کا ہوگا، اس میں آنحضرت ﷺ نے بہ جواب صحابہ نمازوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ اندازہ کرکے

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/ ۴۶، کتاب الصّلاة ، باب الأذان ، قبیل مطلب في المواضع الّتي یندب لها الأذان في غیر الصّلاة .

(۲) 'فوراً' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) والمستحبّ للرّجل الابتداء في الفجر بإسفار، والختم بہ ہو المختار، بحیث یرتّل أربعین آیة ثمّ یعیده بطهارة لو فسد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۳، کتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها)

نمازیں ادا کرو(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں پڑھو، اسی قدر فصل سے جیسے عام بلاد میں نمازوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے، پس یہی حکم عند المحققین ان مواقع کا ہے جہاں چھ چھ مہینے یا کم وبیش دن اور رات رہتے ہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۳۰-۳۱)

## نمازِ فجر کا مستحب وقت کونسا ہے؟

سوال: (۱۲) فجر کی نماز میں چند مسلمانوں کے درمیان اختلاف پڑا ہوا ہے، اوقات طلوع شمس حیدرآباد دکن ۵ بج کر ۴۵ لحظہ پر اور غروب ۶ بج کر ۵۶ منٹ پر ہوتا ہے؛ اس لیے یہاں دن رات کا شمار تقسیم بالمناصفہ سے کیا جاتا ہے، لیکن یہاں کے اکثر حضرات اختلاف کی وجہ سے غلس میں نماز پڑھتے ہیں، ساڑھے چار بجے فجر پڑھ لیتے ہیں، اور بعض لوگ اسفار میں ۵ بجے کے بعد پڑھتے ہیں، لہٰذا حنفی مذہب میں جو اصح ہو اور متفق علیہ ہو وہ تحریر فرماویں۔ (۱۳۹۴/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشّفق في أربعينية الشّتاء مكلّف بهما فيقدر لهما ولا ينوي القضاء إلخ (الدّرّ المختار: ۲/ ۱۸-۱۹) وانتفاء الدّليل على الشّيء لا يستلزم انتفاء ہ لجواز دليل آخر ، وقد وجد وهو ما تواطئت عليه أخبار الإسراء من فرض اللّٰه تعالىٰ الصّلوات خمسًا بعد ما أمر أوّلاً بخمسين ثمّ استقرّ الأمر على الخمس شرعًا عاما لأهل الآفاق لا تفصيل بين قطر وقطر . وما روى أنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ذكر الدّجّال، قلنا: ما لبثه في الأرض ؟ قال : أربعون يومًا، يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة ، وسائر أيّامه كأيّامكم ، قلنا : يا رسول اللّٰه ! فذٰلك اليوم الّذي كسنة أتكفينا فيه صلا ة يوم ؟ قال : لا، أقدروا له ، رواه مسلم إلخ . (ردّ المحتار: ۲/۲۰، كتاب الصّلاة ، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار)

(۲) قال الرّملي في شرح المنهاج :ويجري ذلك فيما لو مكثت الشّمس عند قوم مدّة اهـ ح قال في إمداد الفتّاح : قلت : وكذلك يقدّر لجميع الآجال كالصّوم والزّكاة والحجّ و العدّة وآجال البيع والسّلم والإجارة ، وينظر ابتداء اليوم، فيقدّر كلّ فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كلّ يوم من الزّيادة والنّقص كذا في كتب الأئمّة الشّافعيّة، ونحن نقول بمثله، إذ أصل التّقدير مقول به اجماعًا في الصّلوات اهـ. (ردّ المحتار: ۲/۲۲، كتاب الصّلاة، قبيل مطلب في طلوع الشّمس من مغربها)

**الجواب:** نماز فجر میں عند الحنفیہ اسفار مستحب ہے، مستحب کہنے سے معلوم ہوا کہ غلس میں درست ہے، مگر بہتر اسفار ہے، اور اسفار کے معنی ظہور نور اور انکشاف ظلمت کے ہیں، پس جب کہ طلوع آفتاب ۵ بج کر ۴۵ منٹ پر ہو تو ۵ بجے کے بعد عمدہ وقت اسفار کا ہے[۱] اور ساڑھے چار بجے پڑھنے والے بھی لائق ملامت کے نہیں ہیں، کیوں کہ غلس میں پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے[۲] اختلاف صرف افضلیت وعدم افضلیت میں ہے، جواز میں اختلاف نہیں ہے۔ والمستحبّ للرّجل الابتداء في الفجر باسفار والختم به هو المختار (درّ مختار) وفي الشّامي: قوله: باسفار أي في وقت ظهور النّور وانکشاف الظّلمة إلخ[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۳۱-۳۲)

## نماز فجر، ظہر اور عصر میں تاخیر کرنا

**سوال:** (۱۳) یہاں کے امام نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں کہ زردی صبح کی ظاہر ہو جاتی ہے، اور ظہر کی نماز میں دو چند سایہ تک دیر کرتے ہیں، اور عصر کی نماز گھڑی بھر دن رہے پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہر نماز میں تاخیر لازم ہے، حالانکہ قرآن شریف میں اوّل اوقات کی تاکید وارد ہے؟

(۳۶۹/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** آپ کے امام صاحب جن اوقات میں صبح اور ظہر اور عصر کی نماز پڑھتے ہیں یہ حنفیہ کے مذہب اور کتب فقہ کے موافق ہے، صبح میں خوب اسفار کرنا اور عصر میں تاخیر کرنا اس قدر کہ گھنٹہ پون گھنٹہ دن رہ جاوے مستحب ہے، اور موسم گرما کے ظہر میں ابراد اور تاخیر کرنا مستحب ہے،

---

(۱) عن رافع بن خديج رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : أسفروا بالفجر، فإنّه أعظم للأجر ، رواه التّرمذيّ وأبوداؤد والدّارميّ . (مشكاة المصابيح ، ص:۶۱، كتاب الصّلاة ، باب تعجيل الصّلاة ، الفصل الثّاني)

(۲) عن عائشة رضي الله عنهاقالت: كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ليصلّى الصّبح ، فتنصرف النّساء متلفّعات بمروطهنّ ، ما يعرفن من الغلس، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۶۰، كتاب الصّلاة ، باب تعجيل الصّلاة، الفصل الأوّل)

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳، كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها .

مگر دو مثل سایہ سے پہلے پہلے پڑھ لی جاوے(۱) احادیث میں صبح میں اسفار کی فضیلت اور عصر کی تاخیر وارد ہوئی ہے، اور ظہر میں ابراد کا حکم وارد ہوا ہے، باقی اوقات نماز کی ابتداء اور انتہاء معروف اور مشہور ہے، افضل یہ ہے جو مذکور ہوا(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۴۸-۴۹)

## سایۂ اصلی کو پہچاننے کا طریقہ

**سوال:** (۱۴) دائرۂ ہندیہ میں مقیاس کا ظل سر سے ناپنا چاہیے یا جڑ سے؟ اور سایۂ اصلی صحیح کس صورت میں ہوگا؟ (۱۶۵۵/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** مقیاس کا ظل جو بہ وقت زوال شمس ہو وہ سایۂ اصلی کہلاتا ہے، اس کو خواہ سر سے جڑ کی طرف کو ناپا جاوے یا جڑ سے سر کی طرف کو ہر دو صورت میں مآل واحد معلوم ہوتا ہے، باقی دائرۂ ہندیہ اور فئ الزوال اور مثل اور مثلین کی تشریح جو کچھ شرح وقایہ میں مذکور ہے وہ سہل ہے، اور اقرب الی الصواب ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۳۲)

---

(۱) ويستحبّ في صلاة الفجر الإسفار بها بأن تصلّى في وقت ظهور النّور وانكشاف الظّلمة والغلس إلخ ، لقوله عليه السّلام : أسفروا بالفجر فإنّه أعظم للأجر ، رواه التّرمذي ، وقال : حديث حسن إلخ ثمّ استحباب الإسفار عندنا عام في الأزمنة كلّها إلّا في صلاة الفجر يوم النّحر بمزدلفة ، فإنّ المستحبّ فيها التّغليس إجماعًا إلخ، ويستحبّ أيضًا عندنا تأخير العصر في كلّ الأزمنة إلّا يوم الغيم ما لم تتغيّر الشّمس إلخ ، كما ورد عنه عليه السّلام في حديث بريدة رضي اللّٰه عنه أنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم صلّى العصر والشّمس مرتفعة بيضاء نقيّة .

(غنية المستملي، ص:۲۰۳-۲۰۴، كتاب الصّلاة ، الشّرط الخامس)

(۲) والمستحبّ للرّجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به إلخ ، وتأخير ظهر الصّيف ...... مطلقًا إلخ ، وتأخير عصر صيفًا وشتاء توسعة للنّوافل ما لم يتغيّر ذكاء إلخ ، وتأخير عشاء إلى ثلث اللّيل إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/ ۲۳-۲۵، كتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها )

(۳) ملاحظہ فرمائیں: شرح وقایہ: ۱/ ۱۲۸-۱۲۹، أوائل كتاب الصّلاة ، یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند۔

## سایۂ اصلی کا ثبوت

سوال: (۱۵) بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ مسئلہ فیٔ الزوال کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ مدینہ شریف میں فیٔ الزوال نہیں تھا؟ (۹۴۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مثل یا مثلین علاوہ فیٔ الزوال کے لینا متفق علیہ مسئلہ ہے، اور تحقیق اس کی کتب فقہ میں موجود ہے۔ مَن شاء فليراجع إليها(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۷)

## امام صاحب کا مثلین اور شفق ابیض سے رجوع ثابت نہیں اور جرابوں پر مسح کرنے کا حکم

سوال: (۱۶) امام ابوحنیفہؒ کا رجوع وقت ظہر مثلین میں اور الشّفق هو البياض سے اور

(۱) ووقت الظّهر من زوالهِ إلخ إلى بلوغ الظّلّ مثليه إلخ سِوَى فَيْءٍ يكون للأشياء قُبيلَ الزّوالِ ويختلف باختلاف الزّمانِ والمكانِ إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵-۱۶، كتاب الصّلاة ، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة)

قال (نافع بن جبير بن مطعم): أخبرني ابن عبّاس : أن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال : أمَّني جبرئيل عند البيت مرّتين، فصلّى الظّهرفي الأولى منهما حين كان الفئ مثلَ الشِّراك إلخ (جامع التّرمذي : ۱/ ۲۸، أبواب الصّلاة ، باب ما جاء في مواقيت الصّلاة عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم)

ترجمہ وتشریح: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو مرتبہ بیت اللہ کے پاس میری امامت کی، یعنی مجھے دو دن کی تمام نمازیں امام بن کر پڑھائیں (پہلے دن پانچوں نمازیں اول وقت میں پڑھائیں، اور دوسرے دن تمام نمازیں آخر وقت میں پڑھائیں) چنانچہ دنوں میں سے پہلے دن میں ظہر اس وقت پڑھائی جب کہ سایہ چپل کی پٹی کے مانند تھا (یہ محاورہ ہے، ٹھیک استواء کے وقت جو سایہ ہوتا ہے اس کو فیٔ مثل الشراک' کہتے ہیں، اور اسی کو سایہ اصلی بھی کہتے ہیں)

یہ روایت سایۂ اصلی کے ثبوت پر صراحۃً دلالت کرتی ہے، پس غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ مدینہ شریف میں فیٔ الزوال نہیں تھا؛ درست نہیں۔ ۱۲ محمد امین

جائز ہونا مسح کا اوپر جورب کے یہ کہ منعل یا مجلد ہو؛ ثابت ہے یا نہیں؟ (۲۷۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** رجوع امام صاحب کا مثلین سے وقت ظہر میں، اور وقت مغرب میں شفق ابیض سے ثابت نہیں، اور قول امام اصح واحوط ہے **كما حقّقه العلّامة الشّامي** (۱) اور جوربِ منعل ومجلد پر مسح کا جواز مسلّم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲/۲)

**وضاحت:** جورب یعنی سوتی، اُونی اور نائلون کے موزے ثخین (موٹے اور دبیز) ہوں تو اُن پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے؛ خواہ مجلد ہوں یا منعّل یا سادہ —— اور رقیق (پتلے اور باریک) ہوں لیکن مجلد ہوں تب بھی اُن پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے، اور سادہ ہوں تو اُن پر بالاتفاق مسح کرنا جائز نہیں، اور منعّل ہوں تو اس میں اختلاف ہے، بعض مشائخ کے نزدیک رقیق منعّل پر مسح کرنا جائز ہے اور اکثر مشائخ کے نزدیک رقیق منعّل پر مسح کرنا جائز نہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم پاکستانیؒ **نیل المآرب في المسح على الجوارب** میں ارقام فرماتے ہیں:

جرابوں کی کل چھ قسمیں ہوگئیں، تین قسم ثخین کی، یعنی (۱) ثخین مجلد (۲) ثخین منعّل (۳) ثخین سادہ (یعنی غیر مجلد وغیر منعّل) اور تین قسم رقیق کی، یعنی (۱) رقیق مجلد (۲) رقیق منعّل (۳) رقیق سادہ۔

ان اقسام ستہ میں سے پہلی تینوں قسموں پر بہ اتفاق حنفیہ مسح جائز ہے، تیسری قسم میں اگرچہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف منقول ہے، لیکن ساتھ ہی امام صاحب کا رجوع قول صاحبین کی طرف اور فتوی عامہ مشائخ حنفیہ کا قولِ صاحبین پر منقول ہے، اس لیے تیسری قسم بھی مثل متفق علیہ کے ہوگئی۔ **لما في الهداية: لا يجوز المسح على الجوربين عند أبي حنيفة رحمه الله إلّا أن يكونا مجلّدَينِ أو منعّلين، و قالا: يجوز إذا كانا ثخينين لا يشفّان (إلى أن قال) وعنه**

---

**(۱) الشّفق وهو الحمرة عندهما، وبه قالت: الثّلاثة، وإليه رجع الإمام كما في شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب (الدّرّ المختار) قوله: (وإليه رجع الإمام) أي إلى قولهما الّذي هو رواية عنه أيضًا إلخ وردّه المحقّق في الفتح بأنّه لا يساعده رواية ولا دراية، وقال تلميذه العلّامة قاسم في تصحيح القدوري: إن رجوعه لم يثبت إلخ فثبت أن قول الإمام هو الأصحّ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۷/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في الصّلاة الوسطى)**

أنّه رجع إلی قولهما وعلیه الفتوی (الهدایة:۱/۶۱، کتاب الطّهارات ، باب المسح علی الخفّین) ومثله في فتاوی قاضي خان والخلاصة والبحر والفتح وعامّة کتب المذهب .

باقی تین قسمیں (۱) رقیق مجلد (۲) رقیق منعّل (۳) رقیق سادہ میں یہ تفصیل ہے کہ رقیق مجلد پر مطلقًا بلا کسی تفصیل کے بہ اتفاق حنفیہ مسح جائز ہے، اور رقیق سادہ پر مطلقًا بہ اتفاق نا جائز، رقیق منعّل میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند قدیم-امدادالمفتیین :۲/۲۵۱)

پھر طویل بحث اور فقہاء کرام کی عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

**خلاصۂ کلام:** عبارات مذکورہ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ رقیق منعّل کے متعلق متقدمین حنفیہ کے کلمات یا ساکت ہیں یا عدم جواز کے قائل، اور متأخرین حنفیہ بھی اس پر تو متفق ہیں کہ معمولی سوتی جرابوں کو منعل کرلیا جائے تو وہ مسح کے لیے کافی نہیں، صرف وہ اُونی جرابیں متأخرین میں زیر بحث و اختلاف ہیں جو دبیز و مضبوط ہوں مگر ثخین کی حد میں داخل نہ ہوں، جب ان کو منعّل کرلیا جائے یعنی تلے پر یا تلے اور نیچے اور ایڑی پر چمڑا لگا لیا جاوے باقی قدم پر چمڑا نہ ہو، اس پر مسح کو بعض حضرات جائز فرماتے ہیں، بعض نا جائز۔

اور عبارات مرقومہ میں یہ بھی واضح ہوگیا کہ زیادہ تر مشائخ متأخرین اس پر بھی عدم جواز ہی کے قائل ہیں، جواز کی تصریح صرف شارح منیہ اور علامہ شامی اور شیخ عبدالغنی نابلسی سے منقول ہے، اور وہ بھی اس کو خلاف تقوی قرار دیتے ہیں، ان کے مقابلہ میں صاحبِ درمختار نے مستقل رسالہ عدم جواز پر لکھا ہے، اور خود شامی نے اس قول کی تائید متعدد مشائخ سے نقل کی ہے، اور اخی چلپی کی تصریح عدم جواز پر ذکر فرمائی، ان کے علاوہ صاحبِ بدائع، صاحبِ خلاصہ، صاحبِ بحر، عالم گیری، طحطاوی مراقی الفلاح سب عدم جواز پر متفق ہیں۔(حوالۂ سابقہ:۲/ ۲۵۸) محمد امین پالن پوری

## ظہر کا وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال: (۱۷) حنفیہ کے نزدیک انتہائے وقت ظہر کہاں تک ہے؟ ایک مثل تک یا دو مثل تک، یعنی نماز ظہر کب سے قضا پڑھنی چاہیے اور نماز عصر کب پڑھنی چاہیے؟ (۶۱۸/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** قال في الدّرّ المختار: ووقت الظّهر مِن زوالهٖ إلخ إلى بلوغ الظّلّ مثليه وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمّة الثّلاثة. قال الإمام الطّحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو الماخوذ بهٖ. وفي البرهان: وهو الأظهر إلخ. وفي الشّامي: قوله: (إلى بلوغ الظّلّ مثليه) هٰذا ظاهر الرّواية عن الإمام، نهاية. وهو الصّحيح، بدائع ومحيط وينابيع. وهو المختار، غياثية. واختاره الإمام المحبوبي، وعوّل عليه النّسفي وصدر الشّريعة، تصحيح قاسم. واختاره أصحاب المتون، وارتضاه الشّارحون، فقول الطّحاوي: و بقولهما نأخذ لا يدلّ على أنّه المذهب إلخ. ثمّ قال: وقد قال في البحر: لايعدل عن قول الإمام إلى قولهما إلخ (۱) پس معلوم ہوا کہ راجح عندالحنفیہ قول امام اعظم ہے، اور وقت ظہر دو مثل تک رہتا ہے سوائے فئی الزوال کے، اور وقت عصر کا بعد مثلین کے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۳۳-۳۴)

**سوال:** (۱۸) ما قولكم في وقت الظّهر عند الحنفية؟ هل هو باق إلى المثلين أو خرج مع ظلّ واحد؟ إمامنا أبوحنيفةؒ هل رجع إلى قول صاحبين يعني إلى المثل، وإلى هٰذا القول مال وأفتىٰ مولانا الفاضل عبد الحي اللّكنويؒ في مجموع فتاويه، فإن رجع بأي قول يعمل؟ وما حكم قوم أحناف يصلون عند ختم المثل هل يجوز؟ فإن جاز فبلا كراهة أو معها؟ وما حكم اقتداء غير المقلد؟ هل يجوز ترجمة الخطبة بغير العربي؟ وبجوازه أفتىٰ بعض علماء مدراس، هل هو بلا كراهة أو معها؟ (۱۵۴۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** قال في الدّرّ المختار: ووقت الظّهر من زواله ...... إلى بلوغ الظّلّ مثليه وعنه مثله وهو قولهما إلخ. وفي ردّ المحتار: قوله: (إلى بلوغ الظّلّ مثليه) هٰذا ظاهر الرّواية عن الإمام، نهاية، وهو الصّحيح، بدائع ومحيط وينابيع، وهو المختار. غياثيّة واختاره الإمام المحبوبي، وعوّل عليه النّسفي وصدر الشّريعة، تصحيح قاسم واختارهٗ أصحاب المتون، وارتضاه الشّارحون، فقول الطّحاوي: وبقولهما نأخذ لايدلّ على أنّه المذهب، وما في الفيض: من أنّه يفتى بقولهما في العصر والعشاء مسلّم في العشاء فقط

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۵، كتاب الصّلاة، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة.

على مافيه ، وتمامه في البحر إلخ . وفيه أيضًا: وقد قال في البحر: لايعدل عن قول الإمام إلى قولهما أو قول أحدهما إلاّ لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه إلخ ، وقد قال قبيله: إنّ الأدلّة تكافئت ولم يظهر ضعف دليل الإمام، بل أدلّته قويّة أيضا إلخ (١) فالحاصل أنّ وقت الظّهر يبقى إلى المثلين والإمام أبوحنفيه ما رجع في هٰذا إلى قول الصّاحبين ، بل يروى عنه كقولهما، ولكن ظاهر الرّواية خلافه ، فما يودّى بعد المثل فهو أداء . ”والأحسن ما في السّراج عن شيخ الإسلام أنّ الاحتياط أن لا يؤخّر الظّهر إلى المثل ، وأن لايصلّى العصر حتّى يبلغ المثلين، ليكون مؤدّيا للصّلاتين في وقتهما بالإجماع إلخ“(١) (شامي) وفي اقتداء غير المقلّد قيل وقال وتفصيل وإجمال، فالأحوط تركه إلاّ بضرورة داعية. وترجمة الخطبة بغير العربي مكروهة على التّحقيق (٢) صرّح به في المسوىّ والمصفّى شرح المؤطا (٣) وجوازه بغير العربي مختلف فيه ، فالحذر كلّ الحذر من الاختلاف ، فإنّه خلاف الاحتياط. فقط (٢/٣٦-٣٧)

ترجمہ سوال: (۱۸) حنفیہ کے نزدیک ظہر کے وقت کے بارے میں آپ حضرات کیا فرماتے ہیں؟ کیا ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہتا ہے یا ایک مثل پر ختم ہوجاتا ہے؟ کیا ہمارے امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین کے قول یعنی ایک مثل والے قول کی طرف رجوع فرمایا ہے؟ اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب 'مجموع الفتاوی' میں اس قول کی طرف اپنا رجحان ظاہر فرمایا اور اسی پر فتوی دیا ہے، پس اگر امام صاحب علیہ الرحمہ نے رجوع کیا ہے تو کس قول پر عمل کیا جائے گا؟ اور احناف میں سے جو لوگ ایک مثل کے بعد نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کی نماز صحیح ہوگی؟ اگر صحیح ہوگی تو بلا کراہت یا مع الکراہت؟ اور غیر مقلد کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟ کیا عربی کے علاوہ کسی اور زبان

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) فإنّه لا شكّ في أنّ الخطبة بغير العربيّة خلاف السّنّة المتوارثة من النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم والصّحابة ، فيكون مكروهًا تحريمًا. (عمدة الرّعاية حاشية شرح الوقاية: ١/٢٠٠، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، تعريف الخطبة ، رقم الهامش: ٢)

(۳) وعربی بودن نیز بہ جہت عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند (مصفی ومسوی شرح موطأ مالک: ١/١٥٤، کتاب الصلاۃ، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر)

میں خطبہ کا ترجمہ جائز ہے؟ بعض علمائے مدراس نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، تو کیا یہ جواز بلا کراہت ہے یا مع الکراہت؟

**الجواب:** درمختار میں ہے: اورظہر کا وقت آفتاب کے ڈھلنے سے............ ہر شئے کے سایہ کے دو چند پہنچنے تک ہے، اور امام صاحب سے ایک مثل کی روایت ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے الخ۔

اور ردّ المحتار میں ہے: مصنف کا قول: (سایہ کے دو چند پہنچنے تک) یہ امام صاحبؒ سے ظاہر الروایہ ہے، جیسا کہ نہایۃ میں ہے، اور یہی صحیح ہے، جیسا کہ بدائع، محیط اور ینابیع میں ہے، اور یہی قول مختار ہے، جیسا کہ غیاثیہ میں ہے اور امام محبوبی نے اسی کو مختار کہا ہے اور نسفی وصدرالشریعہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے، جیسا کہ امام قاسم کی ''تصحیح القدوری'' میں ہے، اور اصحابِ متون نے اسی کو پسند کیا اور شارحین اسی پر راضی ہوئے، پس طحاوی کا قول: ''اور صاحبین کے قول کو ہم لیتے ہیں'' اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہی مذہب صحیح ہے۔ اور جو کچھ فیض میں ہے کہ ''عصر اور عشاء میں صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے گا'' صرف عشاء میں مسلّم ہے، اس دلیل کی بنیاد پر جو اس میں ہے، اور اس کی مفصل بحث البحر الرائق میں ہے۔

اور ردّ المحتار میں یہ بھی ہے کہ البحر الرائق میں کہا ہے کہ امام کے قول سے صاحبین کے قول کی طرف یا اُن دونوں میں سے کسی ایک کے قول کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، مگر ضرورت کی وجہ سے یعنی دلیل کے کمزور ہونے یا اس کے خلاف تعامل ہونے کی وجہ سے الخ، اور اس سے کچھ پہلے فرمایا ہے کہ دلائل برابر ہوگئے ہیں، اور امام صاحب کی دلیل کا ضعف ظاہر نہیں ہوا، بلکہ امام صاحب کے دلائل بھی مضبوط ہیں الخ۔ پس حاصل یہ ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک باقی رہے گا اور امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ اُن سے ایک قول مروی ہے جو صاحبین کے قول کے مطابق ہے؛ لیکن ظاہر الروایہ اس کے خلاف ہے، پس جو نماز ایک مثل کے بعد ادا کی جائے گی وہ ادا ہے، اور احسن واحوط قول وہ ہے جو شیخ الاسلام سے ''سراج وہاج'' میں مروی ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر کی نماز مثل تک مؤخر نہ کرے اور عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک مثلین تک سایہ نہ پہنچے تاکہ دونوں نمازیں اپنے وقتوں میں بالاجماع اداء ہوں الخ۔ (شامی)

اور غیر مقلد کی اقتداء میں قیل وقال اور تفصیل واجمال ہے، پس سوائے کسی اشد ضرورت کے ترک ہی احوط ہے، اور عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ کا ترجمہ تحقیقی قول کے مطابق مکروہ ہے، مصفی ومسوی شرح موطا میں اس کی صراحت ہے، اور غیر عربی میں اس کا جائز ہونا مختلف فیہ ہے، پس اختلاف سے مکمل پرہیز کرے، کیوں کہ وہ خلاف احتیاط ہے۔

## جمعہ کی نماز کا اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے

**سوال:** (۱۹) جمعہ کی نماز کا وقت کب سے ہوجاتا ہے؟ مدراس کے ٹائم کے حساب سے گے بجے نماز جمعہ کا وقت ہوجاتا ہے، اور زوال کا وقت آج کل کب سے کب تک ہے؟ کیا نماز جمعہ زوال سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں؟ اور ظہر اور جمعہ کا ایک ہی وقت ہے یا کچھ فرق ہے؟ (۱۷۵۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** ظہر کی نماز کا اور جمعہ کا ایک ہی وقت ہے، زوال شمس کے بعد وقت شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے جمعہ درست نہیں ہے، جیسا کہ ظہر بھی درست نہیں ہے[1] یہاں تقریبًا مدراس کے ٹائم سے ساڑھے بارہ بجے زوال ہوتا ہے، وہاں کے زوال کا وقت دیکھ لیں، غالبًا وہاں بھی اسی کے قریب قریب ہوگا، اس کے بعد جمعہ پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۰)

## جمعہ کا وقت کتنے بجے تک رہتا ہے؟

**سوال:** (۲۰) جمعہ کا وقت اڑھائی بجے تک رہتا ہے یا نہیں؟ پنجاب کے اکثر مسلمان معترض ہیں کہ اڑھائی بجے کا وقت صحیح نہیں۔ (۱۸۹۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** جمعہ کا وقت مثل ظہر کے ہے، زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے، اور ایک مثل یا دو مثل تک علی اختلاف القولین باقی رہتا ہے، لیکن جمعہ میں تعجیل یعنی جلدی پڑھنا مستحب اور بہتر ہے، مثل ریلوے ٹائم سے ساڑھے بارہ بجے زوال آفتاب ہوتا ہے، تو ایک بجے یا ڈیڑھ بجے تک

---

(۱) وجمعة كظهر أصلاً واستحبابًا في الزّمانين لأنّها خلفه. (الدّرّ المختار مع الشّامي : ۲/۲۴ كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها)

یا کچھ کم وبیش نماز جمعہ ادا کرلینی چاہیے، لیکن اڑھائی بجے تک بھی وقت رہتا ہے، البتہ قصداً اس قدر تاخیر پسندیدہ اور مشروع نہیں ہے(۱) شامی میں ہے: **لکن جزم في الأشباه أنّه لا یسنّ لها الإبراد إلخ**(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۰-۴۱)

## طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنا کیوں منع ہے؟

**سوال:** (۲۱) طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنا کیوں منع ہے؟ (۹۶۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ ان وقتوں میں کفار سورج کی پرستش کرتے ہیں، اس لیے ان وقتوں میں نماز نہ پڑھیں (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۳۴)

## غروب آفتاب کے وقت عصر کی نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۲) فرض عصر کے غروب آفتاب کے وقت اگر سورج نصف اندر اور نصف باہر ہو؛ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۳۶/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) وجمعة كظهر أصلاً واستحبابًا في الزّمانين لأنّها خلفه (الدّرّ المختار) قوله: (أصلاً) أي من جهة أصل وقت الجواز، وما وقع في آخرهٖ من الخلاف، قوله: (استحبابًا في الزّمانين) أي الشّتاء والصّيف، لكن جزم في الأشباه من فنّ الأحكام أنّه لا يسنّ لها الإبراد إلخ وقال الجمهور: ليس بمشروع، لأنّها تقام بجمع عظيم، فتأخيرها مفضٍ إلى الحرج، ولا كذلك الظّهر. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۲۴، كتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها)

(۲) ردّ المحتار: ۲/۲۴، كتاب الصّلاة.

(۳) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ........... ولا تحينوا بصلاتكم طلوع الشّمس ولا غروبها، فإنّها تطلع بين قرني الشّيطان. متّفق عليه.

وعن عمرو بن عبسة رضي الله عنه قال: قدم النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم المدينة، فقدمتُ المدينة، فدخلتُ عليه، فقلتُ: أخبرني عن الصّلاة، فقال: صلّ صلاة الصّبح، ثمّ أقصر عن الصّلاة حين تطلع الشّمس حتّى ترتفع، فإنّها تطلع حين تطلع بين قرني الشّيطان، وحينئذٍ يسجد لها الكفّار. (مشكاة المصابيح، ص:۹۴، كتاب الصّلاة، باب أوقات النّهي، الفصل الأوّل)

**الجواب:** نماز عصر اس دن کے ایسے وقت میں ادا ہو جاتی ہے، یعنی اگر ایسا وقت ہو جائے اور نماز عصر کی نہ پڑھی ہو تو پڑھ لینی چاہیے(۱) مگر قصداً ایسا وقت نہ کرنا چاہیے کہ یہ معصیت ہے۔(۳۴/۲)

## ظہر اور جمعہ کا مستحب وقت

**سوال:**(۲۳) ظہر و جمعہ کی اذان ہمیشہ سوا بارہ بجے اور جماعت ساڑھے بارہ بجے جائز ہے یا نہیں؟(۱۱۷۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** مختلف موسموں میں حکم مختلف ہوتا رہتا ہے، زوال سے پہلے ظہر اور جمعہ کا وقت نہیں ہوتا، اور گرمیوں میں ظہر میں تاخیر مستحب ہے، اور جمعہ میں ہمیشہ تعجیل مستحب ہے؛ لیکن اس کا خیال رکھا جائے کہ وقت ہو جاوے، ساڑھے بارہ بجے سے پہلے جمعہ کی اذان نہ کہی جائے اور ایک بجے جمعہ پڑھا جائے، اور ظہر میں موسم گرما میں تاخیر چاہیے(۲) اذان دو ڈیڑھ بجے اور نماز سوا دو یا

---

(۱) یعنی اسی دن کی عصر کی نماز غروب آفتاب کے وقت پڑھے گا تو نماز صحیح ہو جائے گی، اس کا اعادہ ضروری نہیں، مگر اولی اور بہتر یہ ہے کہ ایسے وقت میں اس دن کی عصر کی نماز نہ پڑھے، آفتاب غروب ہونے کے بعد قضاء پڑھے۔

ترمذی شریف میں ہے: **وقال بعضهم: لا يصلّي حتّى تطلع الشّمسُ أو تغرب .**

اور ترمذی کے حاشیہ میں ہے: **قوله : وقال بعضهم : لا يصلّي حتّى تطلع الشّمسُ أوتغرب، وبه قالت الحنفية لما رواه البخاري عن أبي عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلّى اللّه عليه وسلّم: إذا طلع حاجب الشّمس فأخّروا الصّلاة حتّى ترتفع ، وإذا غاب حاجب الشّمس فأخّروها حتّى تغيب. (جامع التّرمذي: ۴۳/۱، أبواب الصّلاة ، باب ما جاء في النّوم عن الصّلاة)**

**ويروى عن أبي بكرة: أنّه نامَ عن صلاة العصر فاستيقظ عند غروب الشّمس فلم يصلّ حتّى غربت الشّمس ، وقد ذهب قوم من أهل الكوفة إلى هذا. (جامع التّرمذي:۴۳/۱، أبواب الصّلاة ، باب ما جاء في الرّجل ينسى الصّلاة)** محمد امین

**(۲) والمستحبّ .........في الفجر بإسفار إلخ . وتأخير ظهر الصّيف بحيث يمشي في الظّلّ مطلقًا إلخ وجمعة كظهر أصلاً واستحبابًا في الزّمانين ، لأنّها خلفه (الدّرّ المختار) لكن جزم في الأشباه من فنّ الأحكام أنّه لا يُسَنُّ لهَا الإبرادُ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۲۳-۲۴، كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها)**

ڈھائی بجے پڑھنی چاہئیں اور جاڑوں میں ایک ڈیڑھ بجے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴/۲-۳۵)

**سوال:** (۲۴) نماز (۱) ظہر وعصر کی بہ موجب مذہب مختار حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کس وقت ادا کرنی چاہیے؟ اوّل وآخر وقت کتنے بجے شروع ہوتا ہے اور کتنے کتنے بجے ختم ہوتا ہے؟ آج کل ہمارے ملک کے لوگ ۴ بجے تک نماز ظہر کی ادا کرتے ہیں، اس کا ثبوت فقہ شریف میں ملتا ہے یا نہیں؟ اور جمعہ کا وقت کہاں تک ہے؟ (۱۵۴۷/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** وقت ظہر کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مثل تک رہتا ہے، اور وقت عصر دو مثل سے شروع ہوتا ہے، پس ظہر دو مثل سے پہلے پہلے پڑھنا چاہیے، اور عصر دو مثل کے بعد پڑھنی چاہیے، آج کل ۴ بجے تک وقت ظہر کا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق رہتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اتنی تاخیر نہ کریں، دو تین بجے کے درمیان پڑھ لیں، اور عصر ساڑھے چار بجے کے بعد پڑھیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۷/۲)

## غروب آفتاب ہی سے مغرب کا وقت شروع ہوجاتا ہے

**سوال:** (۲۵) مغرب کا وقت رمضان شریف وغیرہ میں بہ مجرد غروب آفتاب کے ہوجاتا ہے یا نصف آسمان تک اندھیرا ضروری ہے؟ (۱۳۱۴/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) سوال وجواب کو رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) **وقت الظّهر من زواله أي ميل ذُكاء عن كبد السّماء إلى بلوغ الظّلّ مثليه إلخ سوى فئ ...... الزّوال (إلى ان قال) ووقت العصر منه إلى قبيل الغروب . قال في ردّ المحتار: قوله : (منه) أي بلوغ الظّلّ مثليه على رواية المتن . و أيضًا قال: والأحسن ما في السّراج عن شيخ الإسلام أنّ الاحتياط أن لا يؤخّر الظّهر إلى المثل ، و أن لا يصلّى العصر حتّى يبلغ المثلين ليكون مؤدّيًا للصّلاتين في وقتهما بالإجماع. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۵-۱۶، كتاب الصّلاة ، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة)**

نوٹ: جمعہ کا وقت ظہر کی طرح زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اور جس وقت تک ظہر کا وقت ہے اسی وقت تک جمعہ کا وقت ہے۔ **وأيضًا قال في الدّرّ المختار : وجمعة كظهر أصلاً واستحبابًا في الزّمانين . وقال في ردّ المحتار: أي الشّتاء والصّيف. (الدّرّ المختار والشّامي : ۲/ ۲۴، كتاب الصّلاة مطلب في طلوع الشّمس من مغربها)** ظفیرؒ

**الجواب:** وقت نماز مغرب کا ہمیشہ مجرد غروب شمس سے ہوجاتا ہے، اور روزہ کے افطار کا وقت رمضان شریف وغیرہ میں بھی (بہ مجرد)(۱) غروب شمس کے ہوجاتا ہے، درمختار کتاب الصوم میں ہے: هو إمساك عن المفطرات إلخ في وقت مخصوص وهو اليوم (الدّرّ) أي اليوم الشّرعي من طلوع الفجر إلى الغروب . والمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشّمس بحيث تظهر الظّلمة في جهة الشّرق إلخ (۲) صفحہ: ۸۰ جلد ثانی شامی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵/۲)

**سوال:** (۲۶) آیا بہ مجرد ظلمت شرقی وقت مغرب می شود یا بہ زوال حمرت شرقی؟ و در بلاد مایاں بفاصلہ شش کروہ جبل از جانب مغرب بلند واقع است، پس دریں جا چگونہ وقت مغرب متحقق شود؟ (۱۷۹۰/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** وقت مغرب بہ غروب آفتاب شروع می شود، و بہ مجرد غروب ظلمت شرقی محسوس می شود، و برہمیں مدار افطار روزہ و نماز مغرب از شارع علیہ الصلاۃ والسلام ثابت شدہ است، ونقشہ طلوع وغروب کہ مجرب اکثر بلاد است باید داشت ہرگاہ موافق آں نقشہ غروب معلوم شود، و آثار آں مثل ظلمت شرقی محسوس شود نماز مغرب ادا باید کرد، و انتظار زوال حمرۃ نباید کرد (۳) فقط (۴۹/۲)

**ترجمہ سوال:** (۲۶) کیا آسمان کے مشرقی کنارہ میں محض اندھیرا چھا جانے سے مغرب کا وقت ہوتا ہے یا مشرق کی سرخی زائل ہونے سے؟ اور ہمارے شہروں میں چھ کوس کے فاصلہ پر مغرب کی جانب اونچے پہاڑ واقع ہیں؛ پس اس جگہ مغرب کا وقت کب ہوگا؟

**الجواب:** سورج غروب ہونے پر مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے اور محض مشرقی کنارہ کا اندھیرا ختم ہونے سے محسوس ہوجاتا ہے، اور شارع علیہ السلام سے اسی پر افطار، روزہ اور مغرب کی نماز کا مدار ثابت ہے، اور طلوع وغروب کا نقشہ جو کہ اکثر شہروں کا مجرب ہے رکھ لینا چاہیے، جب بھی اس نقشہ کے مطابق غروب معلوم ہوجائے اور اس کے قرائن مثلاً مشرقی کنارہ کا تاریک ہونا محسوس ہوجائے تو مغرب کی نماز ادا کرنی چاہیے اور سرخی زائل ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۹۶/۳، كتاب الصّوم .

(۳) وأوّل وقت المغرب إذا غربت الشّمس بالإجماع (غنية المستملي المعروف بالحلبي الكبير، ص:۲۰۰، الشّرط الخامس)

سوال: (۲۷) اوّل وقت مغرب کا غروب شمس سے شروع ہوتا ہے یا کب؟ اس بارے میں قول فیصل کیا ہے؟ (۹۵۷/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: اوّل وقت مغرب غروب شمس کے بعد شروع ہوجاتا ہے بہ اتفاق۔ کما نقل في السّوال من الدّلائل وهٰذا لاخفاءَ فيه ولا خلاف[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۵۳-۵۴)

## مغرب اور عشاء کے اوّل وقت کے درمیان کتنا فصل ہوتا ہے؟

سوال: (۲۸) مذہب حنفی میں غروب آفتاب یعنی مغرب کی نماز کے بعد اور اوّل وقت عشاء میں کس قدر فصل متفق علیہ احناف ہونا ضروری ہے؟ دوم یہ کہ ایام صیف وشتاء میں مابین مغرب وعشاء وقت کی ایک ہی مقدار معین ہے یا کچھ کمی وبیشی گھنٹہ اور منٹ میں ہوتی رہتی ہے؟ (۲۸۵۹/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: عشاء کا وقت غیبوبت شفق کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اور شفق کے بارے میں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک شفق احمر کی غیبوبت پر عشاء کا وقت ہوتا ہے، اور امام اعظمؒ کے نزدیک شفق ابیض کی غیبوبت پر عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے[2] اور ظاہر ہے کہ قول امام اعظمؒ پر عمل کرنا احوط ہے، کما في الشّامي: وقوله: أحوط[3]

اس کے بعد واضح ہو کہ شفق ابیض غروب آفتاب سے تقریبًا ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتا ہے، اور اس میں صیفًا وشتاءً چند منٹ کا تفاوت ہوتا ہے؛ چنانچہ جنتری طلوع وغروب آفتاب سے جس میں وقت عصر ووقت عشاء حسب مذہب امام اعظمؒ درج ہے واضح ہوتا ہے کہ یکم اگست ۱۹۲۱ء کو غروب آفتاب ۷/ بج کر ۱۷/ منٹ پر ہے۔ اور وقت عشاء موافق مذہب امام اعظمؒ ۸/ بج کر ۴۷/ منٹ پر ہے...... اس سے واضح ہوا کہ تفاوت مابین مغرب وعشاء ایک گھنٹہ تیس منٹ ہے، اور ۳۱/ اگست ۱۹۲۱ء کو غروب آفتاب ۶/ بج کر ۴۸/ منٹ پر ہے، اور وقت عشاء ۸/ بج کر ۱۳/ منٹ پر ہے، اس وقت تفاوت مابین مغرب وعشاء ایک گھنٹہ پچیس منٹ ہے۔ الغرض ہمیشہ مابین غروب آفتاب وغروب شفق تقریبًا

---

(۱) ووقت المغرب منه (أي الغروب) إلی غروب الشّفق. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۱۷، کتاب الصّلاة، مطلب في الصّلاة الوسطٰی)

(۲) ثمّ الشّفق هو البياض الّذي في الأفق بعد الحُمرة عند أبي حنيفة وعندهما هو الحمرة. (الهداية: ۱: ۸۲، کتاب الصّلاة، باب المواقيت) ظفیرؒ

(۳) ردّ المحتار: ۲/ ۱۸، کتاب الصّلاة، مطلب في الصّلاة الوسطی.

اسی قدر فاصلہ رہتا ہے، پس تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غروب آفتاب سے عشاء کا وقت ہوجاتا ہے[۱] اور صاحبینؒ کے مذہب کے موافق بارہ منٹ پہلے وقت عشاء کا ہوتا ہے، کیوں کہ تفاوت مابین شفق احمر وابیض بارہ منٹ کا ہے۔ کما في الشّامي: ذكر العلاّمة المرحوم الشّيخ خليل الكاملي إلخ أنّ التّفاوت بين الفجرين وكذا بين الشّفقين الأحمر والأبيض إنّما هو بثلاث درج إلخ [۲] اور ایک درجہ ۴/ منٹ کا ہے، پس تین درجے ۱۲/ منٹ کے مساوی ہوئے۔ فقط (۴۶/۲)

---

(۱) یہ فاصلہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا، ماہ بہ ماہ یا کچھ کچھ دن میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن یہ فاصلہ ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ (۱-۳۸) سے زیادہ نہیں ہوتا، اور ایک گھنٹہ اکیس منٹ (۱-۲۱) سے کم نہیں ہوتا۔ ماہِ جون میں یہ فاصلہ ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ (۱-۳۸) کا ہوتا ہے اور ستمبر میں سب سے کم یعنی ایک گھنٹہ اکیس منٹ (۱-۲۱) کا ہوتا ہے اس کے ساتھ یہ نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس کے مطابق عشاء کی نماز میں تغیر وتبدل کریں۔ (محمد کفایت اللہ دہلوی)

## نقشہ

| مہینے مع تاریخ | گھنٹہ | منٹ | مہینے مع تاریخ | گھنٹہ | منٹ |
|---|---|---|---|---|---|
| شفق کا فاصلہ | | | شفق کا فاصلہ | | |
| یکم جنوری | ۱ | ۲۷ | یکم فروری | ۱ | ۲۴ |
| یکم مارچ | ۱ | ۲۲ | یکم اپریل | ۱ | ۲۲ |
| یکم مئی | ۱ | ۲۷ | یکم جون | ۱ | ۳۴ |
| ۲۳ جون | ۱ | ۳۸ | ۲۵ جون | ۱ | ۳۷ |
| یکم جولائی | ۱ | ۳۴ | یکم اگست | ۱ | ۳۰ |
| یکم ستمبر | ۱ | ۲۵ | ۲۱ ستمبر | ۱ | ۲۱ |
| یکم اکتوبر | ۱ | ۲۲ | یکم نومبر | ۱ | ۲۳ |
| یکم دسمبر | ۱ | ۲۷ | ۳۱ دسمبر | ۱ | ۲۸ |

(فتاوی رحیمیہ کامل، ۳۷۴/۲، نماز کے اوقات کا بیان، سوال نمبر: ۳۱۷) محمد امین پالن پوری

(۲) ردّ المحتار: ۱۴/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في تعبّده عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة.

**سوال:** (۲۹) اذان مغرب وعشاء میں کس قدر فاصلہ درکار ہے؟ کیا جس جگہ بہ حساب دھوپ گھڑی قریب سوا سات بجے شام کی اذان مغرب ہوتی ہو وہاں اسی گھڑی سے ۸/ بجے اذان عشاء ہوکر فرض ادا کر سکتے ہیں؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ایک گھنٹہ ۲۵/ منٹ کا فاصلہ اذان مغرب و عشاء میں ہونا چاہیے اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۶۵۴/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** غروب کے بعد عشاء کا وقت عند الامام ابی حنیفہؒ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہو جاوے(۱) اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷/ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے، پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہیے، بلکہ احتیاطاً پونے دو گھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہیے، اور جنتری طلوع و غروب وصبح صادق وغیرہ سے مقدار وقت ہر زمانہ میں معلوم ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲/۲)

## عشاء کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

**سوال:** (۳۰) مغرب کا وقت کس وقت ہوتا ہے؟ اور عشاء کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عشاء کا وقت نو بجے ہوتا ہے [اور ایک صاحب کہتے ہیں کہ ساڑھے آٹھ بجے ہوجاتا ہے](۲) یہ سوال موسم گرما جون وجولائی سے متعلق ہے۔ (۳۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب دربارۂ وقت عشاء کے یہ ہے کہ سفیدی کے غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ اور سفیدی بعد سرخی کے ہوتی ہے، سفیدی [کا](۳) غائب ہونا آج کل قریب نو بجے کے ہے، پس جب کہ مغرب کا وقت ساڑھے سات بجے ہوتو عشاء کا وقت نو بجے کے قریب ہوگا، کیوں کہ آج کل فصل مابین وقت مغرب وعشاء قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے ہے، پس جو [صاحب](۳) کہتے ہیں کہ وقت عشاء کا نو بجے ہوتا ہے وہ صحیح ہے، ساڑھے آٹھ بجے

---

(۱) وأوّل وقت المغرب إذا غربت الشّمس ، وآخر وقتها ما لم يغب الشّفق إلخ ، ثمّ الشّفق هو البياض الّذي في الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفة و عندهما هو الحمرة .

(الهداية: ۱:۸۱-۸۲، كتاب الصّلاة، باب المواقيت)

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے اضافہ کی ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

آج کل عشاء کا موافق مذہب صحیح امام ابوحنیفہ کے نہیں ہوتا، البتہ صاحبین جو سرخی کو شفق فرماتے ہیں، ان کے مذہب کے موافق ساڑھے آٹھ بجے ہوتا ہے، مگر امام صاحب کے اصل مذہب کے موافق نہیں ہوتا، گو روایات امام صاحب سے یہ بھی ہے جو صاحبین کا قول ہے، مگر صحیح قول یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شفق سفیدی ہے جو بعد سرخی کے ہے، اس کے موافق وقت عشاء کا اس وقت ہوتا ہے کہ سفیدی غائب ہو جاوے، اور وہ قریب نو بجے کے یعنی نو بجے سے چار پانچ منٹ پہلے ہے، یہ صحیح کہ مغرب اور عشاء کے وقت کے درمیان کوئی دوسرا وقت نہیں ہے، مگر جب کہ مغرب کا وقت سفیدی کے غائب ہونے تک رہے گا، اور عشاء کا وقت بعد سفیدی کے ہوتا ہے تو پھر کچھ اشکال نہیں رہا(۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۴/۲)

## افطاری کی وجہ سے مغرب کی نماز میں کچھ تاخیر کرنا جائز ہے

سوال: (۳۱) بہ وقت افطار لوگوں کی لائی ہوئی افطاری کھا کر نماز مغرب ادا کرتے ہیں، ایک شخص اس پر معترض ہے کہ بعد نماز کے کھاؤ، مگر اذان ہوتے ہی صرف چھوہارے سے روزہ افطار

---

(۱) درّمختار میں ہے: ووقت المغرب منه (أي الغروب) إلى غروب الشّفق، وهوالحمرة عندهما وبه قالت الثّلاثة ............ ووقت العشاء والوتر منه إلى الصّبح.

اور ردّالمحتار میں ہے: قال في الاختيار: الشّفق البياض وهو مذهب الصّدّيق ومعاذ بن جبل وعائشة رضي الله عنهم.

آگے لکھتے ہیں: قال العلاّمة قاسم: فثبت أنّ قول الإمام هو الأصحّ.

(الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/ ۱۷-۱۸ كتاب الصّلاة، مطلب في الصّلاة الوسطٰى)

وأوّل وقت صلاة المغرب إذ غربت الشّمس بالإجماع أيضًا، وآخر وقتها ما لم يغب الشّفق أي الجزء الكائن قبيل غيبوبة الشّفق من الزّمان، وهو أي المراد بالشّفق هو البياض الّذي في الأفق الكائن بعد الحمرة الّتي تكون في الأفق عند أبي حنيفة، وقالا أي أبو يوسف ومحمّد وهو قول الأئمّة الثّلاثة رواية أسد بن عمرو عن أبي حنيفة أيضًا: المراد بالشّفق هو الحمرة نفسها، لا البياض الّذي بعدها إلخ، ولا وقت مهمل بينهما فبخروج وقت المغرب يدخل وقت العشاء اتّفاقًا. (غنية المستملي، ص:۲۰۰-۲۰۱، الشّرط الخامس)

کر کے فوراً نماز کو کھڑے ہو جاؤ۔ اور وہ شخص ناراض ہو کر جماعت مغرب علیحدہ (ادا) (۱) کرتا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۹/۲۲۱۷ھ)

**الجواب:** افطاری کی وجہ سے نماز مغرب میں کچھ (تاخیر) (۲) کرنا جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اطمینان سے روزہ افطار کر کے اور پانی پی کر اور کچھ کھا کر جو موجود ہو نماز پڑھنی چاہیے، پس جو شخص اس تاخیر معمولی کی وجہ سے ناراض ہوا اور علیحدہ نماز پڑھنے لگا اس نے خطا کی، اس کو چاہیے کہ جماعت میں شریک ہو، اور اس تاخیر کو جو بہ وجہ افطار کرنے روزہ کے ہے خلافِ شرع نہ سمجھے (۳) یہ عین حکم شریعت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵/۲)

## کسی کے انتظار میں نماز کو مؤخر کرنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۲) ایک شخص کے مکان کے متصل ایک مسجد ہے، محلہ میں اور بھی بہت سے مسلمان ہیں مگر وہ شخص کہتا ہے کہ امام مسجد کا نماز جماعت اس وقت تک نہ پڑھائے جب تک ہم نہ آویں، اکثر ہوا ہے کہ اس کے انتظار میں وقت مکروہ میں جماعت ہوئی ہے، اب امام اپنے وقت معینہ پر جماعت پڑھا دیا کرتا ہے، یعنی ہر نماز کی اذان کے آدھا گھنٹہ پون گھنٹہ بعد، اور نمازی قریب قریب بیس تیس آدمی حاضر ہو جاتے ہیں، اب وقت کی پابندی امام کو لازم ہے یا اس شخص کا انتظار؟ (۱۳۳۶/۱۴۷۹-۳۵ھ)

**الجواب:** وقت مستحب پر نماز پڑھنی چاہیے، شخص مذکور کا انتظار نہ کیا جائے؛ لیکن اگر اندیشہ فساد ہو تو فقہاء نے اس کے انتظار کی اجازت دے دی ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵/۲-۳۶)

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (تاخیر) کی جگہ ''دیر'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) وفي القنية: يكره تأخير المغرب عند محمّد في رواية عن أبي حنيفة ، ولا يكره في رواية الحسن عنه ما لم يغب الشّفق ، والأصحّ أنّه يكره إلّا من عذر كالسّفر والكون على الأكل ونحوهما إلخ ، والّذي اقتضته الأخبار كراهة التّأخير إلى ظهور النّجوم وما قبله مسكوت عنه فهو على الإباحة. (غنية المستملي، ص:۲۰۵، كتاب الصّلاة ،الشّرط الخامس ) ظفیرؒ

(۴) رئيسُ المَحلّةِ لا يُنْتَظَرُ ما لم يكن شِرّيْرًا والوقتُ مُتّسِعٌ . (الدّرّ المختار مع الشّامي : ۶۵/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، قبيل باب شروط الصّلاة)

## نماز کے مقررہ اوقات سے جماعت میں تاخیر کرنا

**سوال:** (۴۳) مسجد میں نماز کے اوقات مقرر ہیں، اور گھڑی بجنے پر فوراً جماعت کھڑی ہو جاتی ہے، تو اگر مثلاً کسی مقتدی نے وقت سے کچھ پہلے سنتوں کی نیت باندھی اور فوراً گھڑی بج گئی، تو وہ امام اس کا انتظار کرے یا نہ؟ اگر کرے تو ممکن ہے کہ دوسرا مقتدی بھی نیت باندھ لے، اس طرح تسلسل چلے گا، اس میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۵۸۴/۱۳۴۴ھ)

**الجواب:** یہ مسئلہ واضح ہے، اور سب کو معلوم ہے کہ نمازوں کے اوقات شرعاً موسع ہیں، ان میں تنگی نہیں ہے، جس وقت بھی وقت مستحب کے اندر نماز پڑھیں صحیح ہے، اور استحباب تاخیر و تعجیل بھی کتب فقہ میں مفصل مذکور ہے کہ فلاں وقت کی نماز میں تاخیر مستحب ہے اور فلاں وقت میں تعجیل، اس کے بعد اگر انتظاماً کوئی وقت بہ غرض سہولت نمازیان و انتظام جماعت مقرر کر لیا جاوے تو اس میں شرعاً کچھ حرج اور تنگی نہیں ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ جو وقت بغرض انتظام و سہولت نمازیان مقرر کیا جاوے اس کو ایسا حتمی اور لازمی نہ سمجھا جاوے کہ اس میں دو چار منٹ کی تقدیم و تاخیر کسی ضرورت سے بھی نہ کی جاوے، کیوں کہ یہ حکم شرعی نہیں ہے کہ فلاں منٹ اور گھنٹہ پر ضرور جماعت ہو، یہ امر اپنے مصالح اور نظام پر مبنی ہے، لہٰذا اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی صاحب سنتیں پڑھ رہے ہیں اور ان کی وجہ سے دو چار منٹ کی تاخیر کر دی جاوے تو اس میں کچھ محذور شرعی لازم نہیں آتا اور مقتدیوں کی رعایت شرعاً محمود و پسندیدہ ہے[۱] لیکن نہ ایسی رعایت جس میں زیادہ لوگوں کا حرج ہو، الغرض ایسے امور میں جو شرعاً ہر طرح موسّع ہیں؛ جیسی مصلحت اور مقتضائے انتظام ہو اس کے موافق عمل کیا جاوے، شرعاً ہر طرح گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۵۱-۵۲)

---

(۱) ينبغي أن يؤذن في أوّل الوقت، ويقيم في وسطه، حتّى يفرغ المتوضّى من وضوءه، والمصلّي من صلاته، والمعتصر من قضاء حاجته، كذا في التّتارخانيّة. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۷، كتاب الصّلاة، الباب الثّاني في الأذان، الفصل الثّاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما) ظفیرؒ

# ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے اس کا ثبوت

سوال: (۳۴) (مذہب) (۱) امام ابوحنیفہ است کہ (۲) وقت ظہر بجز فئ اصلی دو مثل است، ثبوت ایں باحادیث صحیحہ ارقام فرمایند۔ (۸۶۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: علامہ شامی گفتہ: أنّ الأدلّة تكافئت ولم يظهر ضعف دليل الإمام، بل أدلّته قوية أيضًا كما يعلم من مراجعة المطوّلات وشرح المنية إلخ (۳) أقول: وقد استدلّ شارح المنية لقول الإمام بحديثين صحيحين حيث قال: وله حديث أبي هريرة رضي اللّه عنه؛ عنه عليه السّلام: إذا اشتدّ الحرّ فأبردوا بالصّلاة، فإنّ شدّة الحرّ من فيح جهنّم رواه السّتّة، وعن أبي ذرّ رضي اللّه عنه قال: كنّا مع النّبي صلّى اللّه عليه وسلّم في سفر، فأراد المؤذّن أن يؤذّن، فقال له: أبرد، ثمّ أراد أن يوذّن، فقال له: أبرد (ثمّ أراد أن يوذّن فقال له أبرد) (۴) حتّى ساوى الظّلّ التّلولَ، فقال النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم: إنّ شدّة الحرّ من فيح جهنّم (رواه البخاري) (۵) ثمّ بين وجه الاستدلال بالحديثين فراجعه (۶) فقط (۲/۵۵-۵۶)

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاوی میں 'کہ' کے بعد 'نزدے' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'نزدے' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۲/۱۵، كتاب الصّلاة، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة و السّلام قبل البعثة.

(۴) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئ ہے۔۱۲

(۵) غنية المستملي، ص: ۱۹۹، الشرط الخامس.

حديث أبي هريرة أخرجه البغوي في مشكاة المصابيح، ص: ۶۰، كتاب الصّلاة، باب تعجيل الصّلاة، الفصل الأوّل. و حديث أبي ذر أخرجه البخاري في صحيحه: ۱/۸۷-۸۸، كتاب الأذان، رقم الحديث: ۶۲۰.

(۶) شارح منیہ لکھتے ہیں: وجه الاستدلال بالحديث الأوّل انّ شدّة الحرّ في ديارهم إذا كان ظلّ الشّيء مثله، و بالثّاني بأنّه صرّح بأنّ الظّلّ قد ساوى التّلول ولا قدر يدرك لفيء الزّوال ذلك الزّمان في ديارهم، فثبت أنّه عليه الصّلاة والسّلام صلّى الظّهر حين صار ظلّ الشّيء مثله (غنية المستملي، ص: ۱۹۹، الشّرط الخامس)

ترجمہ سوال: (۳۴) امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ ظہر کا وقت سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل ہے، احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت ارقام فرمائیں۔

الجواب: علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ ادلہ برابر ہوگئے اور امام صاحب کے دلیل کا ضعف ظاہر نہیں ہوا، بلکہ ان کے دلائل بھی مضبوط ہیں، جیسا کہ مطولات اور شرح منیہ کی مراجعت سے معلوم ہوتا ہے۔

میں (مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ) کہتا ہوں کہ شارح منیہ نے دو صحیح حدیثوں سے امام صاحب کے قول کو مدلل کیا ہے؛ چنانچہ انہوں نے کہا: اور امام صاحب کے لیے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب گرمی کی شدت ہو نماز کو ٹھنڈا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کے پھیلاؤ سے ہے، اس کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، پس مؤذن (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) نے اذان دینے کا ارادہ کیا، تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا، تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا، تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا؛ تو نبی ﷺ نے فرمایا: گرمی کی شدت دوزخ کے پھیلاؤ سے ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

پھر شارح منیہ نے دونوں حدیثوں سے استدلال کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے، پس اس کو دیکھیں۔

## شدید ضرورت کی وجہ سے ظہر کی نماز گیارہ بجے پڑھنا درست نہیں

سوال: (۳۵) ظہر کا ابتدائے وقت کیا ہے؟ اور اگر کوئی شخص بہ وجہ اشد ضرورت گیارہ بجے دن کے نماز پڑھ لے تو کیا نماز ہو جائے گی؟ (۱۹۸۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ظہر کا ابتدائے وقت زوال آفتاب کے بعد سے ہے، جو آج کل قریب ساڑھے بارہ بجے کے ریلوے ٹائم سے ہوتا ہے، زوال سے پہلے کسی طرح اور کسی وقت اور کسی ضرورت سے

درست نہیں، پس ۱۱ بجے کسی طرح نماز ظہر ادا نہیں ہوسکتی (۱) بعد از وقت تو نماز بہ طریق قضا صحیح ہوجاتی ہے، مگر قبل از وقت جواز کی کوئی صورت نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۴/۲-۷۵)

## ہمیشہ ایک مثل کے بعد ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے

سوال: (۳۶) دیدہ ودانستہ نماز ظہر دوسرے مثل میں ہمیشہ ادا کرنا کیسا ہے؟ (۱۳۴۲/۳۱۸ھ)

**الجواب:** في الشّامي: في الطّحطاوي عن الحموي عن الخزانة: الوقت المكروه في الظّهر أن يدخل في حدّ الاختلاف، وإذا أخّره حتّى صار ظلّ كلّ شيء مثله فقد دخل في حدّ الاختلاف (۳) پس معلوم ہوا کہ ظہر میں اس قدر تاخیر کرنا کہ حد اختلاف میں داخل ہوجائے، یعنی سایہ ایک مثل ہوجائے تو یہ مکروہ ہے۔ وفيه قبيله: والأحسن ما في السّراج عن شيخ الإسلام أنّ الاحتياط أن لا يوخّر الظّهر إلى المثل إلخ (۴) فقط (۴۹/۲-۵۰)

## شوافع کا حنفی امام کو ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھانے پر مجبور کرنا درست نہیں

سوال: (۳۷) یہاں ایک مسجد کے امام جو حنفی ہونے کے مدعی ہیں، نماز عصر دو گنے سایہ کے بعد ادا کرتے ہیں، چونکہ مقتدی اکثر شوافع ہیں وہ چاہتے ہیں کہ عصر کی نماز ایک مثل پر ہو، چنانچہ پیش امام سے درخواست کرتے ہوئے ان کی توجہ صاحبین کے قول کی طرف مبذول کرائی،

---

(۱) ووقت الظّهر من زواله أي ميل ذُكاء عن كبد السّماء إلى بلوغ الظّلّ مثليه. (الدّرّ مع الشّامي: ۱۵/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في تعبّده عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة) ظفیرؒ

(۲) وشرط في أدائها إلخ دخول لوقت واعتقاد دخوله (الدّرّ المختار) لوقت أي وقت المكتوبة ...... واعتقاد دخوله أوما يقوم مقام الاعتقاد من غلبة الظّنّ فلو شرع شاكا فيه لا تجزيه. (الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۱۲۴/۲-۱۲۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۳) ردّ المحتار: ۲۳/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها.

(۴) ردّ المحتار: ۱۵/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في تعبّده عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة.

مگر آپ نہیں مانتے، آیا مذہب امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ میں عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ اور عندالحنفیہ ایک مثل پر عصر کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ (۴۸۵/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل پر شروع ہوجاتا ہے، اور ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، اور درمختار میں کہا کہ یہی ماخوذ بہ ہے اور اسی پر عمل ہے اور مفتیٰ بہ ہے (۱) لیکن علامہ شامی نے ردالمحتار میں نقل فرمایا ہے کہ ظاہر الروایہ امام صاحب سے یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل پر شروع ہوتا ہے، اور بدائع وغیرہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔

**قوله: أي بلوغ الظّلّ مثليه إلخ . هٰذا ظاهر الرّواية عن الإمام نهاية ، وهو الصّحيح بدائع ومحيط وينا بيع ، وهو المختار غياثية، واختاره الإمام المحبوبي، وعوّل عليه النّسفيّ وصدر الشّريعة إلخ (۲)**

الغرض اس میں شک نہیں ہے کہ احوط امام صاحب کا مذہب ہے، اور ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھنے میں شبہ قبل از وقت نماز ہونے کا ہے، اور دو مثل پر باتفاق ائمہ نماز صحیح ہے، اور شوافع کے مذہب میں بھی اس میں کچھ کراہت نہیں ہے، لہٰذا شوافع کو امام حنفی کو مجبور نہ کرنا چاہیے کہ ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھے، کیوں کہ دو مثل تک تاخیر میں شوافع کے نزدیک بھی کراہت نہیں آتی، اور بہ اتفاق نماز صحیح ہوجاتی ہے، بہ خلاف ایک مثل پر پڑھنے کے کہ اس میں موافق ظاہر الروایہ کے عندالامام الاعظم نماز نہ ہوگی۔ **قال في الشّامي: والأحسن ما في السّراج عن شيخ الإسلام أنّ الاحتياط أن لا يؤخّر الظّهر إلى المثل ، وأن لا يصلّي العصر حتّى يبلغ المثلين ليكون مؤدّيًا للصّلاتين في وقتهما بالإجماع إلخ (۲)** (الشّامي: ۱/۴۴۰) فقط واللہ اعلم (۲/۵۲-۵۳)

---

(۱) ووقت الظّهر من زواله إلخ إلى بلوغ الظّلّ مثليه ، وعنه مثله وهوقولهما وزفر والأئمّة الثّلاثة ، قال الإمام الطّحاويّ: وبه نأخذ ، وفي غرر الأذكار وهو المأخوذ به ، وفي البرهان : وهو الأظهر لبيان جبرئيل وهو نصّ في الباب، وفي الفيض وعليه عمل النّاس اليوم وبه يفتىٰ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵، كتاب الصّلاة ، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة)

(۲) ردّ المحتار: ۲/۱۵، كتاب الصّلاة .

## عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھنا

**سوال:(۳۸)** کچھ لوگ یہاں پر نماز عصر ایک مثل پر پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اوّل وقت یہی ہے، دوسرے وہ لوگ ہیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے اور بیٹھے رہتے ہیں، اور دیر کر کے علیحدہ جماعت کرتے ہیں، اس صورت میں صحیح کیا بات ہے؟(۸۹۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** احتیاط اس میں ہے کہ نماز عصر دو مثل سے پہلے نہ پڑھیں، حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا یہی مذہب ہے، اور احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ شرح منیہ میں احادیث صحیحہ امام صاحب کے مذہب کی دلیل میں نقل فرمائی ہیں۔ شامی میں ہے: **فيه انّ الأدلّة تكافئت ولم يظهر ضعف دليل الإمام ، بل أدلّته قويّة أيضًا كما يعلم من مراجعة المطوّلات وشرح المنية إلخ** (۱) پس اچھا وہی لوگ کرتے ہیں جو ایک مثل پر عصر نہیں پڑھتے، بلکہ دو مثل کا انتظار کرتے ہیں؛ کیوں کہ عبادات میں احتیاط لازم ہے، ایک مثل پر پڑھنے میں شبہہ وقت سے پہلے پڑھنے کا ہے، اور دو مثل پر پڑھنے میں بے شبہہ نماز وقت میں ہوتی ہے، پس شبہہ میں پڑنا احتیاط کے خلاف ہے، خصوصًا امرِ عبادات میں؛ اور تاخیر عصر میں متعدد احادیث وارد ہیں، ایک مثل پر پڑھنے میں یہ فضیلت بھی ترک ہوتی ہے، لہٰذا جو لوگ ایک مثل پر جماعت کرتے ہیں ان کو فہمائش کرنی چاہیے کہ بعد دو مثل کے نماز پڑھا کریں تاکہ اس وقت سب شریک ہو جاویں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۵۶-۵۷)

## امام صاحب کے نزدیک عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

**سوال:(۳۹)** امام اعظمؒ کے نزدیک ایک مثل پر عصر کا وقت ہو جانے کی روایت معتبر اور مفتیٰ بہ ہے یا دو مثل کی؟ یا دونوں فتوی دینے اور عمل کرنے میں ایک درجہ کی معتبر اور صحیح ہیں؟(۴۲/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) **ردّ المحتار:۲/۱۵، كتاب الصّلاة ، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة .**

(۲) **قال المشائخ : ينبغي أن لا يصلّي العصر حتّى يبلغ المثلين ولا يؤخّر الظّهر إلى أن يبلغ المثل ليخرج من الخلاف فيهما إلخ . (غنية المستملي، ص:۱۹۹، الشّرط الخامس)**

**الجواب:** حنفیہ کا فتوی ہر دو قول پر ہے(۱) لیکن احوط دو مثل پر عصر کو پڑھنا ہے، اور اسی پر ہمارے مشائخ کا عمل ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳/۲)

## مغرب کی اذان اور تکبیر کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے؟

**سوال:** (۴۰) حسب معمول زید نے ایک روز مغرب کی اذان دی، اور بعد اذان جس قدر مسلک حنفیہ میں توقف جائز ہے یعنی اذان کے بعد کی دعاء پڑھ کر تکبیر کہی، اور امام صاحب اذان کے پہلے سے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز کے لیے تیار تھے، بعد تکبیر انہوں نے نماز پڑھائی، مگر امام صاحب کے خادم جو کہ امام صاحب کا کھانا پکاتے ہیں اور بعض اسی قسم کا کام کیا کرتے ہیں؛ بکر و نیز دوسرے مصلی جیسا کہ عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ اذان ہونے کے وقت آ کر وضو وغیرہ کرتے ہیں، بعد نماز بکر نے زید سے کہا کہ آپ لوگ ذرا سا بھی نہیں ٹھہرتے، فوراً ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تکرار بھی کرنے لگے، حالاں کہ زید نے جائز توقف کے بعد تکبیر کہی تھی، تو ان کے جواب میں زید اور ایک مصلی نے کہا چونکہ اس وقت بہت کم وقت رہتا ہے اس لیے نہیں ٹھہرنا چاہیے؛ لیکن وہ ایک عالم کے خادم ہیں؛ انہوں نے کسی کی نہ سنی اور حجت کرتے رہے، سوال یہ ہے کہ مغرب کی اذان وتکبیر کے درمیان میں کچھ تاخیر وفصل کرنا چاہیے یا تعجیل ووصل کرنا چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں (مغرب کی)(۲) اذان وتکبیر کے درمیان کوئی نماز کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۱۵۵۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) و وقت الظّهر من زواله ............ إلی بلوغ الظّلّ مثليه وعنه مثله وهو قولهما إلخ وبه يفتیٰ (الدّرّ المختار) وفي الشّامي: هٰذا ظاهر الرّواية عن الإمام، نهاية. وهو الصّحيح، بدائع ومحيط وينابيع، وهو المختار، غياثية. واختاره الإمام المحبوبي إلخ، وفي رواية عنه أيضًا أنّه بالمثل يخرج وقت الظّهر ولا يدخل وقت العصر إلّا بالمثلين ذكرها الزّيلعيّ وغيره إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۵/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة) ظفیرؔ

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

**الجواب:** أقول وبالله التّوفيق : قال في الدّرّ المختار: وكره نفل ........... وقبل صلاة مغرب لكراهة تأخيره إلاّ يسيرًا إلخ (۱) وفيه أيضًا: ويجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعيًا لوقت النّدب إلاّ في المغرب ، فيسكت قائمًا قدر ثلاث آيات قصار، ويكره الوصل إجماعًا إلخ (الدّرّ )وفي الشّامي: ويستحبّ التّحول للإقامة إلى غير موضع الأذان وهو متّفق عليه (۲) وأيضًا في الشّامي: قوله: (وقبل صلاة مغرب )عليه أكثر أهل العلم منهم أصحابنا ومالك وأحد الوجهين عن الشّافعي ، لما ثبت في الصّحيحين وغيرهما ممّا يفيد أنّه صلّى الله عليه وسلّم كان يواظب على صلاة المغرب بأصحابه عقب الغروب ، ولقول ابن عمر رضي الله عنهما ، مارايت أحدًا على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يصلّيهما رواه أبوداؤد ، وسكت عنه ، والمنذري في مختصره وإسناده حسن ، وروى محمّد عن أبي حنيفة عن حمّاد أنّه سأل إبراهيم النّخعيّ عن الصّلاة قبل المغرب ، قال: فنهى عنها ، وقال: إنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وأبا بكر وعمر لم يكونوا يصلّونها ، وقال القاضي أبوبكر بن العربي : اختلف الصّحابة في ذٰلك ، ولم يفعله أحد بعدهم ، فهٰذا يعارض ماروى من فعل الصّحابة ومن أمرهٖ صلّى الله عليه وسلّم بصلاتهما ، لأنّه إذا اتّفق النّاس على ترك العمل بالحديث المرفوع لا يجوز العمل به ، لأنّه دليل ضعفه على ما عرف في موضعهٖ ، ولو كان ذلك مشتهرًا بين الصّحابة ، لما خفى على ابن عمر ، أو يحمل ذلك على أنّه كان قبل الأمر بتعجيل المغرب ، وتمامه في شرح المنية وغيرهما إلخ (۳) ان روایات کتب فقہ سے معلوم ہوا (کہ مغرب کی اذان وتکبیر کے درمیان کوئی نماز نہ پڑھنی چاہیے، اور نیز معلوم ہوا) (۴) کہ جس قدر وقفہ اذان کے بعد

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۳-۳۵، كتاب الصّلاة، قبل مطلب في تكرار الجماعة والاقتداء بالمخالف .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق

(۳) ردّ المحتار: ۲/۳۵، كتاب الصّلاة، قبيل مطلب في تكرار الجماعة والاقتداء بالمخالف

(۴) قوسین کے درمیان جو عبارت ہے وہ مفتی ظفیر الدینؒ نے بڑھائی ہے۔۱۲

دعائے ماثورہ پڑھنے اور تحول من موضع الاذان الی موضع الاقامۃ میں ہوتا ہے وہ کافی ہے، اور وصل مکروہ کو رافع ہے اور ظاہر ہے کہ تین آیات قصار نصف منٹ سے بھی کم میں پڑھ سکتے ہیں، الغرض عبارات مذکورہ سے جملہ امور مستفسرہ کا جواب واضح ہوگیا۔ فقط (۲/ ۳۷-۳۹)

## عشاء کی اذان سے کتنی دیر بعد جماعت ہونی چاہیے؟

**سوال:** (۴۱) عشاء کی اذان سے کتنی دیر بعد جماعت ہونی چاہیے؟ (۱۵۲۸/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے، اور اذان کے بعد کچھ تحدید نہیں ہے کہ کتنی دیر کے بعد نماز پڑھیں، بلکہ جب نمازی جمع ہوجائیں جماعت کرلی جائے، یا جو وقت سہولت نمازیان کی غرض سے معین کردیا جائے، مثلاً آج کل آٹھ بجے یا ساڑھے آٹھ بجے یا نو بجے یا کچھ کم و بیش جماعت کرلی جائے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۵۰)

## مغرب وعشاء کی اذان کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

**سوال:** (۴۲) آج کل رمضان المبارک میں اکثر لوگ نماز عشاء میں بہت جلدی کرتے ہیں عام طور سے ساڑھے آٹھ بجے ریلوے گھڑی سے کہ شفق سرخ غائب نہیں ہوتی، اذان کہہ کر ۹ بجے سے قبل نماز پڑھ لیتے ہیں، دریافت طلب یہ امور ہیں:

کیا عشاء کی اذان قبل از وقت جائز ہے؟

مغرب وعشاء کی اذان کے دمیان کم از کم انتہائی مع احتیاط ضروری کتنا فاصلہ ہونا چاہیے مذہب حنفیہ میں؟

جس گھڑی میں مغرب کی اذان ساڑھے سات بجے ہوتی ہو عشاء کی اذان کس وقت ہونی چاہیے؟ (۱۶۰۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) و يجلس بينهما (أي بين الأذان والإقامة) بقدرما يحضر الملازمون مراعيًا لوقت النّدب إلاّ في المغرب فيسكت قائمًا قدر ثلاثة آيات قصار ويكره الوصل إجماعًا. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۲/۵۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق)

**الجواب:** ۱۹ و ۲۰ جون کو مثلاً غروب آفتاب ۷ بج کر ۲۷ منٹ پر ہے اور وقت عشاء موافق قول امام ابوحنیفہؒ ۹ بج کر ۴ منٹ پر ہے، پس تفاوت مابین غروب آفتاب و غروب شفق ابیض یعنی وقت عشاء امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ کا ہے، تاریخہائے مذکورہ پر ۹ بجے سے قبل اذان و نماز موافق قول امام ابوحنیفہؒ درست نہیں ہے، البتہ صاحبین کے قول کے موافق صحیح ہے، اور یہ ایک قول امام صاحب کا بھی لکھا ہے، مگر شامی میں کہا کہ احتیاط یہ ہے کہ امام صاحب کے قول پر عمل کیا جائے، اور شفق ابیض کے غروب سے پہلے عشاء کی نماز نہ پڑھی جائے (۱) اور عشاء کی اذان کسی کے نزدیک قبل از وقت صحیح نہیں ہے (۲) انتہائے وقت تاریخہائے مذکورہ میں تقریباً پونے نو بجے ریلوے ٹائم سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۳۹-۴۰)

**سوال:** (۴۳) عشاء کا وقت کتنی دیر کے بعد ہوتا ہے؟ اور فقہ کی کونسی کتاب میں اس کا تخمین وقت حنفیوں کے موافق لکھا ہوا ہے کہ مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ میں آتا ہے؟ بعض لوگ اتنی تاخیر کا انکار کرتے ہیں۔ (۳۹۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** کتب فقہ میں اسی قدر لکھتے ہیں کہ شفق ابیض کے غائب ہونے پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشاء کا وقت ہوتا ہے (۳) گھنٹہ اور گھڑی کا حساب کتب فقہ میں نہیں ہے، یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے کہ غروب آفتاب کے بعد کتنی دیر کے بعد سفیدی شفق کی غائب ہوتی ہے، تو اس کی مقدار اہل تجربہ کے لکھنے کے موافق اس ماہ دسمبر و جنوری و فروری میں قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے ہیں،

---

(۱) فثبت أنّ قول الإمام هو الأصحّ ومشى عليه في البحر . (ردّ المحتار: ۲/۱۷، كتاب الصّلاة مطلب في الصّلاة الوسطى)

(۲) فيعاد أذان وقع بعضه قبله كالإقامة ، خلافًا للثّاني في الفجر . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۴۶، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في المواضع الّتي يندب لها الأذان في غير الصّلاة)

(۳) وأوّل وقت العشاء إذا غاب الشّفق وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر .
ثمّ الشّفق هو البياض الّذي في الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفة . (الهداية:۱/۸۲، كتاب الصّلاة ، باب المواقيت) ظفيرؒ

گرمیوں میں بعض اوقات ڈیڑھ گھنٹہ سے دو چار منٹ زاید ہوجاتے ہیں اور بعض موسم میں کم ہوجاتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۶۳-۶۴)

سوال: (۴۴) کوہ نینی تال میں مغرب کا وقت مدراس ٹائم سے سات بج کر بیس منٹ پر ہوتا ہے، تو اب اس اعتبار سے عشاء کا وقت کئی بجے ہوگا، وتر وسحر کا انتہائی وقت کیا ہوگا؟ (۱۵۳۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر غروب آفتاب ۷ بج کر بیس منٹ پر ہے تو وقت عشاء ۸ بج کر ۵۴ منٹ پر ہے، اور طلوع آفتاب اگر پانچ بج کر ۲۲ یا ۲۳ منٹ پر ہے تو صبح صادق ۳ بج کر اڑتالیس، انچاس منٹ پر ہے، یہی انتہائی سحری کا وقت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۳۶)

## عشاء کا مستحب وقت

سوال: (۴۵) عشاء کی نماز کا بہتر وقت کون ہے؟ جس میں عوام کو تکلیف نہ ہو؟ (۹۲۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: عشاء کی نماز ایک ثلث شب ہونے پر مستحب ہے، اور اگر بہ ضرورت کچھ پہلے پڑھ لیں تو کچھ حرج نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۱)

## آسمان ابر آلود ہوتو نمازوں کے اوقات کس طرح متعین کیے جائیں؟

سوال: (۴۶) موسم برسات میں اکثر دیہاتوں میں ایسا واقعہ پیش آیا کرتا ہے کہ کئی کئی دن آفتاب نہیں نکلتا، اور نہ کوئی گھڑی گھنٹہ ہوتا ہے جس سے نماز کے وقتوں کی شناخت ہو، ایسی حالت میں گاؤں والوں کو ظہر وعصر کا وقت معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے، پس شرعًا جب ابر محیط ہو تو کس طرح یہ دونوں نمازیں پڑھی جائیں؟ اور مثلاً کوئی نماز ادا کی گئی اور بعد کو آفتاب نکل آیا جس سے معلوم ہوا کہ نماز جو تحری سے پڑھی گئی تھی بے وقت تھی، اس کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟ (۲۱۰۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسی حالت میں اندازہ اور تخمینہ کیا جائے، اور اسی کے موافق نماز پڑھی جائے،

---

(۱) ویستحبّ......تأخیر العشاء إلی ثلث اللّیل إلخ ، ویعجّل العشاء کیلا یمنع مطر أوثلج عن الجماعة ، هٰکذا في محیط السّرخسي ، هذا في الأزمنة کلّها. (الفتاوی الهندیة :۱/۵۲، کتاب الصّلاة، الباب الأوّل في المواقیت وما یتصل بها، الفصل الثّاني في بیان فضیلة الأوقات) ظفیرؒ

اگر خطاء ظاہر نہ ہوئی تو وہی نمازیں ہوگئیں اور اگر خطاء ظاہر ہوئی تو اعادہ کر لینا چاہیے(۱) فقط (۲/۴۱-۴۲)

## موسم برسات میں نماز میں اس قدر تاخیر نہ ہو کہ وقت مکروہ آجاوے

**سوال:** (۴۷) نماز پنج گانہ فرض کا وقت مستحب ایام بارش میں گھڑی کے حساب سے کتنے بجے ہو جاتا ہے؟ (۲۵۸۴/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اوقات نماز میں شرعًا وسعت بہت ہے، اس لیے گھنٹہ و گھڑی سے کوئی خاص وقت معین کرنا ضروری نہیں ہے، اور نہ شرعًا کوئی خاص وقت مقرر ہے کہ اس قدر گھنٹہ اور منٹ ہونے پر فلاں نماز پڑھی جاوے، شرعًا (صرف)(۲) یہ حکم ہے کہ اس قدر تاخیر نہ ہو کہ وقت مکروہ آجاوے، اور وقت مستحب کا خیال رکھا جاوے، مثلاً ظہر کی نماز ایک بجے سے تین بجے تک جس وقت اجتماع نمازیان ہو جاوے پڑھ سکتے ہیں، لیکن بہتر تاخیر ہے، مثلاً آج کل موسم برسات میں دو اڑھائی بجے یا کچھ بعد پڑھ لی جائے تو بہتر ہے، اور عصر کی نماز ۵ بجے سے ۶ بجے تک کے درمیان میں پڑھیں، اور صبح کی نماز سوا پانچ بجے یا ساڑھے پانچ بجے تک پڑھیں تو کچھ حرج نہیں ہے، کیونکہ طلوع آفتاب آج کل چھ بجے کے قریب ہے، ساڑھے پانچ بجے بھی آدھ گھنٹہ باقی رہتا ہے (اور سوا پانچ بجے پڑھنے میں تو خوب گنجائش ہے، طوال مفصل ترتیل کے ساتھ)(۳) پڑھ سکتے ہیں، اور ضرورت ہو

---

(۱) وإذا كان اليوم يوم غيم فالمستحبّ في الفجر والظّهر والمغرب تاخيرها يعني بالتّاخير عدم التّعجيل في أوّل الوقت ؛ لأنّ التاخير الشّديد الّذي يشكّ بسببه في بقاء الوقت و ذلك لأنّ التّعجيل في الفجر يودّي إلى تقليل الجماعة بسبب الظّلمة ، و ربما تقع قبل الوقت ، وكذا في الظّهر والمغرب لا يؤمن بالتّعجيل من وقوعهما قبل الزّوال والغروب ، قال في المحيط : المراد من تاخير المغرب قدر ما يحصل التّيقّن بالغروب إلخ .

(غنية المستملي، ص:۲۰۶، الشّرط الخامس)

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

تو اعادہ بھی کر سکتے ہیں[۱] الغرض جس قدر صبح کی نماز میں اسفار ہو بہتر ہے۔ **قال علیہ الصّلاۃ والسّلام : أسفروا بالفجر، فإنّه أعظم للأجر**[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۴)

## صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے

**سوال:** (۴۸)......(الف) ایک شخص صبح کی نماز صبح صادق سے طلوع آفتاب تک جو وقت ہے اس کا نصف گذرنے پر نماز پڑھتا ہے، اور نماز میں کم سے کم چالیس آیات یا اس سے زیادہ پڑھتا ہے ایک دوسرا شخص با وضو سنت پڑھ کر بیٹھا رہتا ہے، اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا، جب یہ سلام پھیرتا ہے وہ دوسری جماعت کرتا ہے، آیا ان دونوں میں کس کا عمل امام اعظمؒ کے موافق ہے؟

(ب) اگر کوئی شافعی مذہب اذان ہوتے ہی اوّل وقت جماعت (کو)[۳] کھڑا ہو جاوے، تو حنفی کو اس جماعت میں شرکت لازم ہے یا نہیں؟

(ج) جو شخص نفسانی خواہش سے آخر وقت دوسری جماعت کرے آیا وہ آیات ذیل کے تحت میں آتا ہے (یا نہ)؟[۴] ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ الآية﴾ (سورۂ نساء، آیت:۱۴) ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الآية﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۴۵) (۱۶۴۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** (الف - ج) امام اعظمؒ کے مذہب میں صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے، حدیث شریف میں بھی اس کی تاکید اور حکم فرمایا ہے، **أسفروا بالفجر فإنّه أعظم للأجر**[۵] اس کے موافق آفتاب طلوع ہونے سے آدھ گھنٹہ پیشتر صبح کی جماعت شروع کرنا بھی کافی ہے،

---

(۱) یہ اوقات دیوبند کے ہیں، یہاں سے دور دراز مقامات میں کافی فرق ہوتا ہے، اس کا لحاظ ہر حال میں ملحوظ رہنا ضروری ہے۔ ظفیرؒ

(۲) **عن رافع بن خديج رضي اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: أسفروا بالفجر الحديث.** (مشكاة المصابيح، ص:۶۱، كتاب الصّلاة، باب تعجيل الصّلاة، الفصل الثّالث)

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (کو) کی جگہ ''کے لیے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۵) **مشكاة المصابيح**، ص:۶۱، كتاب الصّلاة، باب تعجيل الصّلاة، الفصل الثّالث.

جلدی کرنا صبح کی نماز میں اوّل تو خلاف ہے امام اعظمؒ کے مذہب کے، جب اس کی وجہ سے باہم نمازیوں میں تفرقہ ہوتا ہے کہ دوسرے مسلمانان عدم شرکت جماعت اولیٰ و جماعت ثانیہ کرنے کی وجہ سے کراہت کے مرتکب ہوں، پس ایسا امر کیوں کیا جاوے جو خلاف مذہب بھی ہو اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو؟!

اور جس مسجد کے نمازی حنفی ہوں تو کیا ضروری ہے کہ وہاں شافعی مذہب یا غیر مقلد کو امام بنایا جاوے جو خلاف مذہب حنفیہ عمل کرتا ہو۔ جماعت ثانی عندالحنفیہ بالضرور مکروہ ہے، لیکن اگر اہل محلہ نمازی اس مسجد کے حنفی ہیں تو ان کے خلاف شافعی یا غیر مقلد کو جلدی نہ کرنی چاہیے اور یہ آیات جو سائل نے سوال نمبر: (ج) میں درج کی ہیں کفار معاندین اسلام کے بارے میں ہیں، مسلمانوں کو ان آیات کا مصداق بتانا اور سمجھنا خود گمراہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۲/۲-۶۳)

**سوال:** (۴۹) ایک شخص نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی، ایک مولوی نے کہا کہ نماز چاندنے میں پڑھنا اچھا ہے، اور دلیل میں یہ آیت بیان کی: ﴿فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ اس آیت سے کیا مراد ہے؟ (۸۹۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** حدیث شریف میں آیا ہے: **أسفروا بالفجر فإنّه أعظم للأجر (الحديث)**(۱) یعنی صبح کی نماز روشنی کر کے پڑھو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے کہ صبح کی نماز چاندنے میں پڑھنا افضل ہے، اور آیت: ﴿فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ (سورۂ طور، آیت: ۴۹) میں بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ صبح کی سنتیں مراد ہیں، اور ضحاک کہتے ہیں کہ صبح کے فرض مراد ہیں، **معالم التّنزيل** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۵/۲)

**سوال:** (۵۰) صبح کی نماز کے بعد کتنا وقت رہنا چاہیے؟ (۶۹۸/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۶۱، كتاب الصّلاة ، باب تعجيل الصّلاة ، الفصل الثّالث .

(۲) ﴿ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴾ يعني الرّكعتين قبل صلاة الفجر ، و ذلك حين تدبر النّجوم أي تغيب بضوء الصّبح ، هذا قول أكثر المفسّرين ، وقال الضّحّاك : هو فريضة صلاة الصّبح (معالم التّنزيل ، ۸۵۴، تفسير سورة طور، الآية : ۴۹)

**الجواب:** امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے(۱) یعنی تاخیر کرنی چاہیے، اس قدر کہ نماز فرض ادا کرنے کے بعد اتنا وقت طلوع آفتاب تک باقی رہے کہ اگر امام وغیرہ کا بے وضو ہونا ظاہر ہو یا کسی وجہ سے نماز کی اعادہ کی ضرورت ہو تو آفتاب کے طلوع سے پہلے پہلے پھر نماز کا اعادہ ہو سکے، پس پندرہ بیس منٹ باقی رہنا طلوع آفتاب میں بعد نماز کے کافی ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۳-۴۴)

**سوال:** (۵۱) اگر صبح ۴ بجے ہو تو جماعت صبح کا وقت اصلی کون سا ہوگا؟ (۲۱/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** اگر صبح صادق ۴ بجے مثلاً ہوتی ہو تو نماز فجر پانچ سوا پانچ بجے تک بلکہ اس کے بھی بعد تک پڑھ سکتے ہیں، غرض یہ کہ طلوع آفتاب سے دس پندرہ منٹ پہلے فارغ ہو جانا چاہیے(۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۷-۴۸)

## موسم سرما میں صبح کی جماعت کب ہونی چاہیے؟

**سوال:** (۵۲) سردی کے موسم میں جب کہ طلوع آفتاب سات بج کر پندرہ منٹ پر ہوتا ہے جماعت فجر کتنے بجے ہونی چاہیے؟ گھڑی گھنٹے کے حساب سے تحریر فرمایئے۔ (۳۵۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** جماعت فجر طلوع آفتاب سے آدھ گھنٹہ پہلے ہو جاوے تو یہ اچھا ہے اور اسفار خوب ہو جاتا ہے، مثلاً آج کل کہ طلوعِ آفتاب قریب سوا سات بجے کے ہوتا ہے، اگر پونے سات بجے جماعت فجر کر لی جاوے تو عمدہ ہے باقی وقت فجر کا صبح صادق ہونے سے آفتاب کے نکلنے سے پہلے پہلے ہے، جب تک گنجائش نماز اور جماعت کی رہے تاخیر کرنا درست ہے، اور اس درمیان میں جس

(۱) والمستحبّ للرّجل الابتداء في الفجر بإسفار، والختم به هو المختار بحيث يرتّل أربعين آية، ثمّ يعيده بطهارة لو فسد. (الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۳، كتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها) ظفيرؒ

(۲) وقت صلاة الفجر إلخ من أوّل طلوع الفجر الثّاني إلخ إلى قبيل طلوع ذُكاء إلخ. (الدّرّ المختار: ۲/۱۲-۱۴، كتاب الصّلاة، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة) ظفيرؒ

وقت نماز پڑھ لے اچھا ہے، مگر [بہتر] (۱) امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں اسفار یعنی خوب روشنی ہوجاوے [جب نماز جماعت پڑھے] (۲) کوئی تحدید خاص گھنٹہ منٹ سے کرنا ضروری نہیں (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۶/۲)

## موسموں کے اختلاف سے اوقات نماز مختلف ہوتے رہتے ہیں

**سوال:** (۵۳)......(الف) اگر سورج ابر میں پوشیدہ ہو جس سے مثلین کا پتہ نہ چل سکے اور گھڑیوں کا اختلاف ظاہر ہے، تو عصر کی نماز کس اندازہ پر پڑھنی چاہیے؟

(ب) مغرب اور عصر کے درمیان مفتی بہ متفقہ کس قدر فاصلہ ہے؟

(ج) اگر عصر کی نماز مغرب سے پورے دو گھنٹہ پہلے پڑھی گئی تو وہ نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ (۳۱۲۵/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** (الف-ج) موسموں کے اختلاف سے اوقات بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں، اب جب کہ دن بہت بڑا ہے تو مغرب سے دو گھنٹہ قبل بھی عصر کا وقت ہے یعنی دو مثل سایہ ہوجاتا ہے، کیونکہ اس ماہ جولائی میں پانچ بج کر ۲۳ منٹ پر دو مثل سایہ ہوتا ہے اور غروب ۷/ بج کر ۲۸ منٹ پر یا ۲۹ منٹ پر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل فاصلہ ما بین المثلین و ما بین المغرب دو گھنٹہ سے کچھ زیادہ ہے۔ اسی طرح مئی اور جون میں بھی قریب قریب دو گھنٹہ کا فاصلہ رہا ہے، اور گھڑیوں میں جو اختلاف ہوتا ہے وہ ظاہر ہے کہ دو چار منٹ کا ہوتا ہے، پس ابر میں احتیاط کرنی چاہیے، اور مثلاً

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان جو عبارت ہے وہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے بڑھائی ہے۔۱۲

(۳) في الدّرّ المختار: والمستحبّ للرّجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم بهٖ هو المختار (الدّرّ المختار) وقال في ردّ المحتار: أي في وقت ظهور النّور وانكشاف الظّلمة: سمّي بهٖ لأنّه يسفر أي يكشف عن الأشياء ...... والحاصل ان حدّ الإسفار أن يمكنه إعادة الطّهارة ولو من حدث أكبر ........... و إعادة الصّلاة على الحالة الأولٰى قبل طلوع الشّمس.

(الدّرّ المختار والشّامي: ۲۳/۲، كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها) ظفيرؒ

نقشہ میں ۵ بج کر ۲۳ منٹ پر مثلین کا وقت ہے، یعنی وقت عصر ہوتا ہے، تو اس میں احتیاط کی جائے کہ ساڑھے پانچ بجے یا اس کے بعد پونے چھ بجے (اور چھ بجے)(۱) تک نماز عصر پڑھ لی جائے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۵۰-۵۱)

## عشاء سے پہلے سونا اچھا نہیں

**سوال:** (۵۴) نماز مغرب کی پڑھ کر سورہا، اور عشاء کے وقت جگا، تو نماز عشاء میں تو کچھ خلل نہ ہوگا؟ (۵۰۱/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** نماز عشا میں کچھ نقصان نہ ہوگا، لیکن عشاء سے پہلے سونا اچھا نہیں ہے (۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۲)

## نصف شب کے بعد عشاء کی نماز پڑھنی مکروہ ہے

**سوال:** (۵۵) عشاء کی نماز ایک شخص صبح کو دو یا تین بجے نیند کر کے ادا کرتا ہے یہ شرعاً کیسا ہے؟ (۷۷/ ۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو مکروہ سمجھتے تھے (۳) اور کتب فقہ میں تصریح ہے، کہ نصف شب کے بعد عشاء کی نماز پڑھنی مکروہ ہے،

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئ ہے۔۱۲

(۲) قال في البرهان: ويكره النّوم قبلها والحديث بعدها لنهى النّبي صلّى اللّه عليه وسلّم عنهما إلخ ، وقال الطّحاويّ : إنّما كره النّوم قبلها لمن خشي عليه فوت وقتها أو فوت الجماعة فيها . وأمّا من وكلّ نفسه إلى من يوقظه فيباح له النّوم. (ردّ المحتار: ۲/۲۵، كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها) ظفیرؒ

(۳) عن سيّار بن سلامة قال: دخلت أنا وأبي على أبي برزة الأسلمي، فقال له أبي: كيف كان رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم يصلّي المكتوبة؟ فقال: ...... كان يكره النّوم قبلها والحديث بعدها الحديث. (مشكاة المصابيح ، ص: ۶۰، كتاب الصّلاة، باب تعجيل الصّلاة الفصل الأوّل)

پس یہ طریق اس شخص کا اچھا نہیں ہے، بلکہ اس کی عادت کرلینا مکروہ وممنوع ہے، اورسونے سے {اٹھ کر نماز کے لیے غسل کی ضرورت نہیں ہے صرف وضو کافی ہے(۱) اور} (۲) بہتر یہ ہے کہ نماز عشاء سونے سے پہلے ادا کرلیوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۱/۲)

## جہاں ۱۸ گھنٹے کا دن ہوتا ہے وہاں نمازیں کس طرح پڑھی جائیں؟

**سوال:** (۵۶) جس جگہ تین بجے دن نکلے اور نو بجے دن چھپے یعنی لندن میں ایسا وقت ہے تو اس حساب سے ۱۸/ گھنٹہ کا دن اور ۶/ گھنٹہ کی رات ہوتی ہے تو نماز مغرب بعد غروب ہی پڑھے یا کہ بارہ گھنٹہ کے حساب سے پڑھی جاوے اور اسی طرح عشاء کی نماز کس طرح پر؟ اور کس وقت پڑھی جاوے؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** نماز مغرب بعد غروب کے پڑھے، اسی طرح سب نمازیں وہاں کے حساب سے پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ (۴۴/۲)

## رمضان المبارک میں فجر کی نماز غلس میں پڑھنا

**سوال:** (۵۷) رمضان شریف میں فجر کی نماز سحری کے بعد ذرا سویرے پڑھی جاوے تو درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۹۸۹ھ)

**الجواب:** کچھ حرج نہیں ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵/۲)

---

(۱) سوال میں اس کا ذکر نہیں ہے، شاید ناقل نے سوال کو مختصر کرکے نقل کیا ہے۔۱۲ محمد امین

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) وقت صلاة الفجر إلخ من أوّل طلوع الفجر الثّاني إلخ إلی قبیل طلوع ذُکاء . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲/۲-۱۴، کتاب الصّلاة)

عن قتادة عن أنس رضي اللّٰہ عنهما أنّ نبيّ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم و زید بن ثابت تسحّرا ، فلمّا فرغا من سحورهما ، قام نبي اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم إلی الصّلاة ، فصلّی ، قلنا لأنس: کم کان بین فراغهما من سحورهما ودخولهما في الصّلاة ؟ قال : قدر ما یقرء الرّجل خمسین آیة ، رواہ البخاري. (مشکاة المصابیح، ص:۶۰، کتاب الصّلاة ، باب تعجیل الصّلاة ، الفصل الأوّل) ظفیرؔ

## بہت لمبی سورت مغرب کی نماز میں پڑھنا خلاف سنت ہے

سوال:(۵۸)امام بہ وقت مغرب نماز میں لمبی سورت کہ جس سے وقت تنگ ہوجاوے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟(۱۷۳۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: غروب سے شفق ابیض کے غائب ہونے تک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقت مغرب کا رہتا ہے، جس کی مقدار تقریبًا سوا گھنٹہ یا کچھ منٹ زیادہ ہے(۱) اور صاحبینؒ کے نزدیک شفق احمر کے غائب ہونے تک وقت مغرب کا رہتا ہے(۲) جو پہلی مقدار سے کم ہے اور مغرب میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے آخر قرآن شریف تک سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے، پس بہت لمبی سورت مغرب میں پڑھنا اچھا نہیں ہے، اور خلاف سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۴۷)

## حنفی وشافعی دونوں مقتدی ہوں تو اوقات میں کس کی رعایت کی جائے؟

سوال:(۵۹)في بلدة كثير الأحناف ودونهم الشّوافع، وإمام أهل المذهبين حنفي ففي هٰذه الصّورة هل يعين وقت الظّهر وانتهائه ؟ وشروع وقت العصر على مذهب الحنفي أو على مذهب الشّافعي وكيف الفتوٰى؟ (۹۷۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب:وفي المسئلة المذكورة ينبغي أن يراعى الإمام في أوقات الصّلاة مذهب الإمام الأعظم رحمه الله ، فإنّ الاحتياط في صلاة الظّهر والعصر في مذهبه رحمه الله كما في ردّ المحتار:”والأحسن ما في السّراج عن شيخ الإسلام:أنّ الاحتياط أن لا يؤخّر الظّهر إلى المثل وأن لايصلّي العصر حتّى يبلغ المثلين ليكون مؤدّيًا للصّلاتين في وقتهما بالإجماع إلخ“ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۵۴)

---

(۱) ثمّ الشّفق هو البياض الّذي في الأفق بعد الحُمرة عند أبي حنيفة وعندهما هو الحمرة . (الهداية:۱/۸۲، كتاب الصّلاة ، باب المواقيت) ظفيرؒ

(۲) ووقت المغرب منه إلى غروب الشّفق وهو الحمرة عندهما.
(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۷، كتاب الصّلاة ، مطلب في الصّلاة الوسطى)

(۳) ردّ المحتار:۲/۱۵، كتاب الصّلاة ، مطلب في تعبدّه عليه الصّلاة والسّلام قبل البعثة .

**ترجمہ سوال:** (۵۹) ایسے شہر میں جہاں اکثر لوگ حنفی ہیں اور کچھ لوگ شافعی ہیں، اور دونوں مذہب والوں کا امام حنفی ہے؛ تو کیا ایسی صورت میں ظہر کا اوّل و آخری وقت اور عصر کا اوّل وقت مذہب حنفی کے اعتبار سے طے کیا جائے گا یا مذہب شافعی کے اعتبار سے؟ اور فتویٰ کس پر دیا جائے گا؟

**الجواب:** مذکورہ مسئلہ میں امام کو چاہیے کہ نماز کے اوقات میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے مذہب کا لحاظ رکھے، کیوں کہ ظہر اور عصر کی نماز میں امام صاحب کے مذہب میں ہی احتیاط ہے؛ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: ''اور زیادہ عمدہ وہ بات ہے جو 'السراج الوہاج' میں شیخ الاسلام سے منقول ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل تک مؤخر نہ کرے، اور عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک مثلین تک سایہ نہ پہنچے تاکہ دونوں نمازوں کو اپنے وقتوں پر بالاجماع ادا کرنے والا ہو''۔

## وقت ظہر کی تحقیق

**سوال:** (۶۰) جناب کا جواب ملفوف آیا، مگر جواب کافی نہ ہونے سے خلجان قائم رہا، بندہ نے دریافت کیا تھا کہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرویہ موطأ امام (مالک) (۱) علیہ الرحمہ **صلّ الظّهر إذا كان ظلّك مثلك** (۲) بصراحۃ النص مثبت الی المثلین وقت ظہر ہے یا نہیں؟

آپ نے 'ایضاح الادلہ' کے حوالہ پر موقوف کردیا، لہٰذا ایضاح الادلہ میں دیکھا تو حدیث مذکور کی دلالت مفہوم نص یعنی دلالۃ النص بقاء وقت ظہر بعد مثل پر بتائی گئی ہے؛ چنانچہ عبارت بہ جنسہ یہ ہے:

ص:۱۳۳، **صلّ الظّهر إذا كان ظلّك مثلك** ...... جس سے بہ شرط انصاف یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ بعد مثل بھی وقت ظہر باقی رہتا ہے انتہی (۳)۔

ص:۱۳۴، مگر تحدید وقتِ ظہر مثلین تلک حدیث مذکور سے نہیں نکلتی (۴)۔

---

(۱) سوال وجواب میں قوسین والے الفاظ کی رجسٹر فتاوی اور اصل مراجع سے تصحیح کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **المؤطّأ للإمام مالك**، ص:۳، وقوت الصّلاة.

(۳) ایضاح الادلہ مع حاشیہ جدیدہ، ص:۲۷۷، بحث: ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اوّل وقت، مطبوعہ: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند۔

(۴) ایضاح الادلہ مع حاشیہ جدیدہ، ص:۲۷۹، بحث: ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اوّل وقت۔

ص:۱۳۸، صلاۃ ظہر اس کا وقت یقینی گو ایک مثل تک ہے لیکن اگر کسی ضرورت یا غفلت کی وجہ سے کسی کو صلاۃ مذکور کا وقت یقینی میں ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو اب یہی چاہیے کہ مابین المثلین (ہی میں) اس کو ادا کرلے، کیوں کہ یہ وقت گو وقت محتمل ہے، تاہم اور اوقات سے تو عمدہ ہے(۱)۔

ص: ۱۴۶، یہ مطلب نہیں کہ وقت مذکور بالیقین وقت ظہر میں داخل ہے، اور جیسا بقائے وقت ظہر مثل تلک یقینی ہے بعینہٖ ایسا ہی مثلین تلک وقت ظہر باقی رہتا ہے، بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تلک ہے(۱)۔

ص:۱۴۷، ہم نہیں کہتے کہ یہ مذہب ٹھیک نہیں ہم تو خود اس قول کی صحت کے مقر ہیں(۱)۔

ص: ۱۴۷، روایت حضرت ابو ہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما وغیرہ احادیث متعددہ سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کہ وقت ظہر میں زیادتی کی گئی(۲)۔

اور نیز مولانا مدظلہ درسِ تقریر ترمذی(۳) منقولہ مولوی اصغر حسین میں فرماتے ہیں: ان احادیث سے صراحۃً نہیں نکلتا، بہ خلاف حدیث جبرئیل کے کہ وہ مصرح ہے، لہٰذا عمدہ یہ ہے کہ وقت ایک ہی مثل تک ہے۔

اور نیز مولانا تھانوی علیہ الرحمہ الاقتصاد، ص:۱۷ میں فرماتے ہیں: اس (حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ) سے ثابت ہوا کہ ایک مثل کے بعد وقت باقی رہتا ہے(۴)۔

اور حضرت (مولانا) گنگوہی قدس سرہ 'مکاتیب رشیدیہ' ص:۲۲ میں بہ نام مولوی صدیق احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: (وقت) مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے، (روایات) حدیث سے ثبوت مثل کا ہوتا ہے، دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں(۵)۔

(۱) ایضاح الادلہ مع حاشیہ جدیدہ، ص:۲۹۶، بحث: ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اوّل وقت۔

(۲) ایضاح الادلہ مع حاشیہ جدیدہ، ص:۲۹۷، بحث: ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اوّل وقت۔

(۳) یہ تقریر ابھی نہیں چھپی۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۴) الاقتصاد في بحث التّقليد والاجتهاد، ص:۴۶، مسئلہ مثلین، مطبوعہ: مطبع آزاد پریس، دہلی۔

(۵) مکاتیب رشیدیہ، ص:۲۲-۲۳، مکتوب نمبر:۱۹، مطبوعہ: عزیز المطابع، میرٹھ۔

اور 'فتاویٰ رشیدیہ' جلد سوم، ص: ۹۴ میں: الجواب: اس عبارت بستان محدثین اور تفسیر مظہری سے قطعیۃً اور نفی صراحۃً مثلین (معلوم) ہوتی ہے، لہٰذا مذہب مثلین مرجوح ہے، اور ایک مثل قوی، اور معمول بہ اکثر فقہاء ہے (۱)۔

اور نیز نواب قطب الدین خاں صاحب مرحوم 'تنویر الحق' میں تحت حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا وقت ظہر کا دو مثل تک دلالۃً انتہی (۲)۔

اور مولوی ارشاد حسین صاحب (مرحوم) رام پوری 'انتصار الحق' میں فرماتے (ہیں): اور اس کلام حضرت ثناء اللہ پانی پتی کے: **وأمّا اٰخر وقت الظّهر فلم يوجد في حديث صحيح ولا ضعيفٍ أنّه يبقى بعد (مصير) ظلّ كلّ شيء مثله، ولذا خالف أبا حنيفة في هذه المسئلة صاحباه وافقا الجمهور انتهٰى** اگر یہ معنی ہیں کہ صراحۃً یہ لفظ کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ بعد ایک مثل کے وقت ظہر باقی رہتا ہے؛ تو مسلم ہے، اور ہم کو مضر نہیں، اس لیے کہ صراحۃً مذکور ہونا واسطے ثبوت کے نہ ضروری ہے اور نہ ہمارا مدعا ہے (۳)۔

اور مولانا عبد الحی صاحب مرحوم **التّعليق الممجّد على الموطأ للإمام محمدؒ** میں فرماتے ہیں: **والإنصاف في هذه المقام أنّ أحاديث المثل صريحة (صحيحة) وأخبار المثلين ليست صريحة انتهٰى (۴).**

حاصل یہ ہے کہ حضراتِ (اکابرین) کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ ونیز کوئی حدیث دربارۂ مثلین وقت ظہر میں **بصراحة النّص** نہیں ہے، اگرچہ طرق ثلاثہ: اشارۃ النص - دلالۃ النص - اقتضاء النص سے حضرات فقہاء علیہم الرحمہ نے استشہاد واستنباط فرمایا ہے۔

(۱) فتاویٰ رشیدیہ، جلد سوم، ص: ۹۴، مطبوعہ: افضل المطابع۔

(۲) تنویر الحق، ص: ۳۹، مسئلہ تیسرا: بیچ وقت مستحب ظہر کے، مطبوعہ: مطبع محمدی، محمد مرزا خان۔

(۳) انتصار الحق، ص: ۳۳۴، مسئلہ تیسرا بیچ بیان وقت مستحب ظہر کے، مطبوعہ: مطبع عزیز المطابع، مصطفیٰ آباد عرف رام پور ۱۲

(۴) **التّعليق الممجّد على الموطّأ للإمام محمّد، ص: ۴۴، باب وقوت الصّلاة، قبل باب ابتداء الوضوء، رقم الهامش: ۲.**

اور یہی توجیہ کلام حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ منقولہ مکاتیب رشیدیہ: ص: ۲۲ کہ دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں (۱) اور منقولہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم: ص: ۹۴ (قطعیۃً) اور نفی صراحۃً مثلین ہوتی ہے (۱) لہٰذا قول زید کا کہ حدیث مذکورہ دربارۂ توقیت ظهر إلى المثلين بصراحة النّصّ ہے۔ آپ کے نزدیک و نیز حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدظلہٗ العالی کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟

(۱۱۳۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم ص: ۶۴ سوالات عشرہ کے جوابات: ۹ میں یہ تحقیق فرمائی ہے:

مسئلہ: ۹، بخاری نے روایت کیا ہے: **عن أبي ذرّ رضي الله عنه قال: كنّا مع (النّبيّ) صلّى الله عليه وسلّم في سفر، فأراد المؤذّن أن يؤذّن، فقال له: أبرد، ثمّ أراد أن يؤذّن فقال له: ابرد، ثمّ أراد أن يؤذّن، فقال له: أبرد حتّى ساوى الظّلّ التّلول** (۲) سنو کہ ٹیلوں کا سایہ جب مساوی ٹیلوں کے ہوتا ہے کہ (سایہ) ایک مثل سے بہت زیادہ ہوجاوے جس کا دل چاہے مشاہدہ کرلیوے، تو اگر بعد ایک مثل کے وقت باقی تھا تو آپ نے اس وقت میں نماز پڑھی ــــــ یعنی ظہر کا وقت باقی تھا تب آپ نے بعد ایک مثل کے (ظہر کی) نماز پڑھی ــــــ بعد اس روایت صحیح کے طعن کرنا جہالت ہے (۳) حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ کی اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے تو پھر دیگر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ وقت عصر کے داخل ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے، اور درمیان میں کوئی حد فاصل نہیں ہے، لہٰذا دو مثل تک ظہر کا وقت باقی رہنا محقق (ہوا)، اور بعد اس کے کہ حدیث بخاری سے ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد (تک) رہنا معلوم ہوا، یہ سوال کرنا کہ یہ ثبوت صراحۃً ہے یا دلالۃً یا اشارۃً؛ لاطائل ہے، کیوں کہ مفید وجوب سب ہیں، دلالۃً اور اشارۃً جو امر کسی نص سے ثابت ہوتا ہے، وہ بھی ویسا ہی ہے، جیسا صراحۃً ثابت ہو۔ دیکھئے ضرب و شتم والدین جو آیت: ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ (سورۂ اسراء، آیت: ۲۳)

---

(۱) دونوں حوالوں کی تخریج گزر چکی ہے۔۱۲

(۲) صحيح البخاري: ۸۷-۸۸، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إلخ.

(۳) فتاوی رشیدیہ، جلد سوم، ص: ۶۴، مطبوعہ: مطبع افضل المطابع، مرادآباد۔

سے دلالۃً ثابت ہے حرمت (میں) ویسے ہی ہے جیسے اف کہنا یا اس سے بھی زیادہ پس یہ تحقیق کرنا کہ یہ ثبوت صراحۃً ہے یا دلالۃً الخ لاطائل ہوا، باقی سب اقوال وعبارات وروایات اس مسئلہ کے متعلق آپ کے پیش نظر ہی ہیں، بار بار اس کو چھیڑنے کی کیا حاجت ہے، اس قدر سمجھ لیجیے کہ یہ مسئلہ ثابت ہے، اور طعن اس پر جہالت ہے۔ كما قال المحقق الكنكوهي قدّس سرّه العزيز. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۵۷-۶۰)

## جس جگہ عشاء کا وقت نہ ہو وہاں عشاء کی نماز پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۶۱) فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی مصنفہ مولانا اصغر حسین صاحب میں یہ لکھا ہے کہ بلغار ایک شہر ہے، جہاں مغرب کی نماز کے (بعد)(۱) شفق غروب ہونے کے ساتھ (ہی) صبح صادق نمودار ہوجاتی ہے، عشاء کا وقت (ہی) نہیں آتا (۲) یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ کہ ان لوگوں پر نماز عشاء فرض نہیں ہوتی؟ جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں، ایک صاحب اس مسئلہ کا شد ومد سے انکار کرتے ہیں، اور اہل بلغار پر نماز عشاء فرض ہوتی ہے یا نہ؟ (۱۳۰۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** یہ مسئلہ جو فتاوی محمدی میں درج ہے صحیح ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے، درمختار وشامی جو معتبر کتابیں فقہ کی ہیں؛ ان میں یہ مسئلہ لکھا ہے (۳) معلوم نہیں وہ شخص کیوں انکار کرتا ہے، اگر یہ وجہ ہے کہ بلغار میں ایسا نہیں ہے تو واضح ہو کہ بلغار اور اس کے متعلقات بہت وسیع جگہ ہے، اس میں

---

(۱) سوال میں قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی اور اصل مراجع سے اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲

(۲) فتاوی محمدی مع شرح دیوبندی، ص: ۱۵، مطبوعہ: دارالاشاعت دیوبند ۱۲

(۳) وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشّفق في أربعينية الشّتاء مكلّف بهما فيقدر لهما ولا ينوي القضاء لفقدوقت الأداء ، به أفتى البرهان الكبير ، واختاره الكمال ، وتبعه ابن الشّحنة في ألغازه فصحّحه ، فزعم المصنّف أنّه المذهب ، و قيل: لايكلّف بهما لعدم سببهما ، وبه جزم في الكنز والدّرر والملتقى ، وبه أفتى البقالي ووافقه الحلوانيّ والمرغيناني إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۱۸-۱۹، كتاب الصّلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار) ظفیرؒ

بعض ایسا (بھی) (۱) حصہ ہے جہاں یہ حالت ہوتی ہے، فقہاء نے بھی تجربہ اور مشاہدہ سے لکھا ہے، انکار کرنا اس کا جہالت ہے، باقی یہ کہ جس جگہ عشاء کا وقت نہ ہو وہاں عشاء کی نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ سو بعض فقہاء کا تو یہی مذہب ہے کہ وہاں عشاء کی نماز فرض نہیں، کیوں کہ وہاں وقت عشاء کا نہیں (آتا) (۲) جیسا کہ فتاوی محمدی میں مولوی سید اصغر حسین صاحب نے لکھا ہے (۳) مگر محققین فقہاء جیسے ابن الہمام وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ عشاء کا وقت وہاں نہیں آتا لیکن عشاء کی نماز وہاں بھی فرض ہے، اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر پانچ وقت کی نماز فرض فرمائی ہے، ان کو ہر جگہ اور ہر وقت پڑھنا چاہیے، جیسا کہ حدیث دجال میں وارد ہے کہ ایک دن سال بھر کا ہوگا، صحابہ نے عرض کیا کہ نمازوں کی نسبت کیا حکم ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اس دن میں سال بھر کی نمازیں پانچوں وقت کی اندازہ کر کے پڑھو، یعنی ہر ایک چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں ادا کرو (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۶۰-۶۱)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (بھی) کی جگہ ''یہی'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (آتا) کی جگہ ''ہوتا'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) فتاوی محمدی مع شرح دیوبندی، ص: ۱۵، مطبوعہ: دارالاشاعت دیوبند۔۱۲

(۴) ومن لا يوجدُ عندهم وقتُ العشاء كما قيل يَطلعُ الفجرُ قبل غيبوبة الشّفق عندهم، أفتى البقالي بعدم الوجوب عليهم لعدم السّبب ، وهومختار صاحب الكنز كما يسقط غَسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين ، وأنكره الحلواني ثمّ وافقه ، وأفتى الإمام البرهاني الكبير بوجوبها........... وانتفاء الدّليل على شيء لا يستلزم انتفاء ه لجواز دليل آخر و قد وجد ، وهو ما تواطأت أخبار الإسراء من فرض اللّٰه تعالىٰ الصّلاة خمسًا بعد ما أمروا أولًا بخمسين، ثمّ استقر الأمر على الخمسين شرعًا عامًا لأهل الآفاق، لا تفصيل فيه بين أهل قُطر وقُطر، وما روي: ذَكر الدجالَ رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: قلنا:ما لبثه في الأرض؟ قال : أربعون يومًا ، يوم كسنة ، ويوم كشهر، ويوم كجمعة ، وسائر أيّامه كأيّامكم ، فقيل : يا رسول اللّٰه ! فذلك اليوم الّذي كسنة أيكفينا صلاة يوم ؟ قال: لا، اُقدروا له ، رواه مسلم ...... فاستفدنا أنّ الواجب في نفس الأمر خمس على العموم .

(فتح القدير :۱/ ۲۲۵-۲۲۶، كتاب الصّلاة ، باب المواقيت)

## کیا ہر موسم میں رات کا ساتواں حصہ شروع ہونے پر صبح صادق ہوجاتی ہے؟

**سوال:** (۶۲) یہ بات صحیح ہے یا نہیں کہ ہر موسم میں رات کا ساتواں حصہ شروع ہونے پر صبح صادق ہوجاتی ہے۔ (۱۶۴۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** ہر موسم میں رات کا ساتواں حصہ مقدار ما بین صبح صادق وطلوع آفتاب سمجھنا صحیح نہیں ہے، جاڑوں کی راتوں میں جب کہ رات قریب چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے، صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ایک گھنٹہ بائیس منٹ کی مقدار ہوتی ہے، اگر ساتواں حصہ شب کا ہمیشہ ہوتو مقدار مذکور دو گھنٹہ ہونی چاہیے، حالانکہ تجربۂ اہل تجربہ ومشاہدہ عامہ وقواعد حسابیہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں، اسی طرح امام اعظمؒ کا یہ مذہب سمجھنا کہ جو مقدار صبح سے طلوع تک ہے اس کے نصف گذرنے پر جماعت صبح کی کھڑی ہونی چاہیے؛ غلط ہے، یہ ہرگز امام اعظمؒ کا مذہب نہیں ہے، اور محققین حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، درمختار میں ہے: **والمستحبّ للرّجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به هو المختار، بحيث يرتل أربعين آية ثمّ يعيده بطهارة لو فسد، وقيل: يؤخّر جدّا، لأنّ الفساد موهوم، قوله: (وقيل: يؤخّر جدًّا) قال في البحر: وهو ظاهر إطلاق الكتاب أي الكنز، لكن لا يؤخّرها بحيث يقع الشّكّ في طلوع الشّمس إلخ** (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۶۲-۶۳)

## حضرت گنگوہیؒ فجر اور عصر کی نماز کب پڑھتے تھے؟

**سوال:** (۶۳) حضرت مولاناؒ کے اوقات نماز یعنی قبل طلوع آفتاب صبح کس وقت اور عصر کس قدر قبل غروب پڑھتے تھے؟ گھنٹہ اور منٹ کے حساب سے تحریر فرمائیے، اگر نماز صبح بانتظار جماعت نصف گھنٹہ قبل طلوع پڑھی جائے تو افضل ہے یا تنہا اوّل وقت پڑھ کر پھر شریک جماعت ہو؟ 'مشارق الانوار' میں حدیث ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ دیر میں

---

(۱) **الدّرّ المختار والشّامي: ۲/۲۳، كتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها.**

نماز پڑھا کریں گے اس وقت تم لوگ اپنی نماز ادا کر کے جماعت میں شریک ہو جانا، یہ وہی زمانہ ہے یا نہیں؟ اور حدیث قابل عمل ہے یا نہیں؟ (۵۹۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** اوقات نماز کے لیے گھنٹہ اور منٹ کی تحدید نہیں ہے، عصر اور صبح کی نماز میں حنفیہ کے نزدیک تاخیر اولیٰ ہے، عصر میں اس قدر تاخیر ہو کہ حد کراہت میں نہ داخل ہو یعنی وقت مکروہ نہ آ جائے، مثلاً غروب سے ایک گھنٹہ یا پون گھنٹہ (پہلے) (۱) عصر پڑھی جائے تو بہتر ہے (۲) اور صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے، اور حدیث شریف میں بھی ایسا حکم آیا ہے، پس صبح کی نماز کو آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ پہلے طلوع آفتاب سے پڑھے تو یہ اچھا ہے، اور ثواب کا وقت ہے، خصوصاً انتظار جماعت کی وجہ سے اس قدر تاخیر ہو کہ آدھ گھنٹہ طلوع آفتاب میں باقی رہے تو یہ بہت اچھا ہے (۳) اس میں کچھ حرج نہیں ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور حدیث جو 'مشارق الانوار' سے تم نے لکھی ہے (۴) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسفار صبح وتاخیر عصر الی الوقت المستحب ممنوع ہے

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (پہلے) کی جگہ ''قبل'' ہے، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وتَأخِيرُ عَصْرٍ صَيفًا وشِتاءً تَوْسِعةً لِلنّوافِلِ مَا لَمْ يَتَغَيّرْ ذُكَاءُ بِأنْ لَا تَحَارَ الْعَينُ فِيهَا في الأَصَحِّ . (الدّرّ مع الشّامي : ۲۴/۲، كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها )

(۳) والمستحبّ للرّجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به هو المختار بحيث يرتّل أربعين آية ثمّ يعيده بطهارة لو فسد (الدّرّ المختار) قوله: (في الفجر) أي صلاة الفرض، قوله : (بإسفار) أي في وقت ظهور النّور وانكشاف الظّلمة إلخ لقوله عليه الصّلاة والسّلام: أسفروا بالفجر فإنّه أعظم للأجر ، رواه التّرمذي وحسّنه . (الدّرّ المختار والشّامي: ۲۳/۲، كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها)

(۴) عن أبي ذرّ رضي اللّٰه عنه قال: قال النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : يا أبا ذرّ! أمراء يكونون بعدي يُمِيتُونَ الصّلاةَ ، فصلّ الصّلاة لوقتها ، فإن صُلِّيَتْ لوقتها كانت لك نافلة وإلاّ كنت قد أحرزت صلاتك . (جامع التّرمذي : ۴۳/۱، أبواب الصّلاة ، باب ما جاء في تعجيل الصّلاة إذا أخّرها الإمام)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میرے بعد کچھ امراء ہوں گے جو نمازوں کو مار دیں گے یعنی نمازیں قضاء کر کے یا مکروہ وقت میں پڑھائیں گے، ==

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت لوگ نماز میں اتنی تاخیر کریں کہ وقت مکروہ آجائے اس وقت یہ حکم ہے کہ علیحدہ پڑھو(۱) آدھ گھنٹہ پہلے نماز پڑھنے میں یہ حکم نہیں ہے، یہ تو عین عمل بالحدیث ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۶۴-۶۵)

## گرمیوں میں ظہر کی نماز کب پڑھنی چاہیے؟

**سوال:** (۶۴) آج کل گرمیوں میں ظہر کا وقت کئی بجے ہوتا ہے؟ ہماری مسجد میں سوا دو بجے ظہر کی نماز ہوتی ہے، جیٹھ ساڑھ میں ظہر کی جماعت کئی بجے ہونی چاہیے؟ (۱۲۴۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** جاڑوں اور گرمیوں میں ہر ایک موسم میں ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہو کر دو مثل تک رہتا ہے، اور زوال آفتاب قریب ساڑھے بارہ بجے کے ہوتا ہے، پس ظہر کا وقت ساڑھے بارہ (بجے)(۲) سے تین بجے کے بعد تک رہتا ہے، جیٹھ اور ساڑھ میں اور بھی دیر تک رہے گا، الحاصل ظہر کا وقت تو ایک بجے سے بھی کچھ پہلے سے ہی ہو جاتا ہے، مگر گرمیوں میں حکم دیر میں پڑھنے کا ہے

== پس آپ وقت کے اندر نماز پڑھ لیں، پھر اگر وہ نماز وقت میں پڑھی گئی یعنی امام بر وقت آ گیا اور صحیح وقت میں نماز پڑھائی (تو اس کے ساتھ بھی پڑھیں) یہ آپ کی نفل نماز ہوگی، ورنہ یعنی اگر امام نے نماز قضاء کر کے پڑھائی تو آپ اپنی نماز سمیٹ چکے، یعنی آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوا، آپ اپنی نماز وقت کے اندر پڑھ چکے۔ ۱۲ احمد امین

(۱) اس کی وضاحت یہ ہے کہ مملکت اسلامیہ میں سرکاری عہدوں پر فائز لوگ مثلاً: قاضی، گورنر وغیرہ جامع مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے، اور یہ امام فل پاور سیاہ وسفید کے مالک ہوتے تھے، جب ان کا جی چاہتا نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں آتے، لوگ ان کا انتظار کرنے پر مجبور تھے، اور ان سے جلدی کرنے کے لیے یا وقت پر آنے کے لیے کہنا یا ان کی اجازت کے بغیر جماعت کر لینا اپنی شامت کو دعوت دینا تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر یہ جابر ائمہ نماز پڑھانے میں غیر معمولی تاخیر کریں، اور نماز کے قضاء ہونے یا مکروہ وقت میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ انفرادی طور پر فرض پڑھ لیں، پھر جب امام آجائے تو اس کی اقتداء میں بھی نماز پڑھیں، یہ ان کی نفل نماز ہوگی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

یعنی تاخیر کرنا ظہر کا مستحب ہے دو بجے سے تین بجے تک، آج کل ظہر کا اچھا وقت ہے، اڑھائی بجے یا پونے تین بجے یا تین بجے تک ریلوے ٹائم سے ظہر پڑھیں تو یہ اچھا وقت ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور سوا دو بجے اور اڑھائی بجے بھی اچھا وقت ہے، الغرض دو بجے سے تین بجے تک سب اچھا وقت ہے، جس وقت چاہے نماز پڑھیں، جھگڑا کرنے کی کچھ بات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۵/۲-۶۶)

## جزیرہ لاپ لینڈ میں نماز وروزہ کیسے ادا کیا جائے؟

**سوال:** (۶۵) جزیرہ لاپ لینڈ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے رات رہتی ہے وہاں نماز پنج وقتہ کس طرح پڑھے؟ اور رمضان شریف میں روزے کس طرح رکھے؟ وہاں روزے رکھنے میں رمضان شریف کے مہینے کی شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو رمضان شریف کا مہینہ کس طرح سے معلوم کیا جائے؟ (۱۰۷۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** نمازوں کے اوقات کا اندازہ کر کے نماز ادا کی جائے مثلاً چوبیس گھنٹہ کے رات ہوتے ہیں، اس میں پانچ نمازیں بہ فصل معہود پوری کر لیوے، اور روزے میں اقرب بلاد کا لحاظ کر لیوے، اور اسی سے روزے کا مہینہ بھی معلوم ہو جائے گا[۱]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۷/۲-۶۸)

---
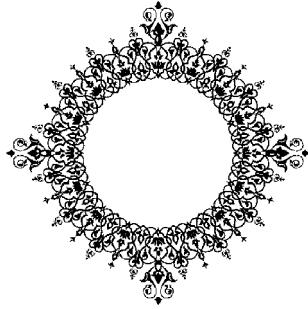
(۱) وفاقد وقتهما كبلغار إلخ مكلّف بهما فيقدر لهما إلخ (الدّرّ المختار: ۱۸/۲) قال الرّملي في شرح المنهاج و يجري ذلك فيما لو مكثت الشّمس عند قوم مدّة أهـ قال في إمداد الفتّاح قلت: وكذلك يقدر لجميع الآجال كالصّوم والزّكاة والحجّ والعدّة إلخ، وينظر ابتداء اليوم فيقدر كلّ فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كلّ يوم من الزّيادة والنّقص كذا في كتب الأئمّة الشّافعيّة، ونحن نقول بمثله إذ أصل التّقدير مقول به إجماعًا في الصّلوات اهـ (ردّ المحتار: ۲۲/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار) ظفیرؒ

# مکروہ اوقات کا بیان

## جمعہ کے دن استواء کے وقت نفل نماز پڑھنا درست نہیں

**سوال:**(٦٦) إنّ الصّلاة النّافلة نصف النّهار يوم الجمعة هل تباح أو تكره؟
(۶/۷۷۳-۳۴/۱۳۳۴ھ)

**الجواب:**أقول وبالله التّوفيق : إنّ الاحتياط في عدم التّنفّل في ساعة الزّوال يوم الجمعة كما عليه الشّروح والمتون ، ومذهب الإمام راجح من حيث الدّليل ، فينبغي عليه التّعويل (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۶۸)

---

(۱) لا تجوز الصّلاة عند طلوع الشّمس ولا عند قيامها في الظّهيرة ، ولا عند غروبها لحديث عقبة بن عامر رضي الله عنه قال : ثلاثة أوقات نهانا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن نصلّي وأن نقبر فيها موتانا : عند طلوع الشّمس حتّى ترتفع ، و عند زوالها حتّى تزول ، وحين تضيف للغروب حتّى تغرب إلخ. (الهداية:۱/۸۴-۸۵،كتاب الصّلاة، باب المواقيت)

وكره تحريمًا إلخ ، صلاة مطلقًا ولو قضاء أو واجبة أو نفلاً إلخ ، مع شروق إلخ ، واستواء إلّا يوم الجمعة على قول الثّاني المصحّح المعتمد كذا في الأشباه(الدّرّ المختار)

وفي الشّامي:قوله: (إلّا يوم الجمعة )لما رواه الشّافعيّ في مسنده نهى عن الصّلاة نصف النّهار حتّى تزول الشّمس إلّا يوم الجمعة ، قال الحافظ ابن حجر : في إسناده انقطاع إلخ ، قوله: (المصحّح المعتمد ) اعترض بأنّ المتون والشّروح على خلافه إلخ ، لكن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام وأجابوا عن الحديث المذكور بأحاديث النّهي عن الصّلاة وقت الاستواء فإنّها محرّمة إلخ .(الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۸-۲۹، كتاب الصّلاة، مطلب : يشترط العلم بدخول الوقت)

ترجمہ سوال: (٦٦) جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے یا مباح؟

الجواب: اقول وباللہ التوفیق: جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نہ پڑھنے میں احتیاط ہے، جیسا کہ اسی پر شروح اور متون ہیں، اور دلیل کی رو سے امام صاحبؒ کا مذہب راجح ہے؛ لہٰذا اسی پر اعتماد کرنا مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (٦٧) جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نفل نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: موافق مذہب امام ابوحنیفہ صحیح نہیں ہے، اور امام ابو یوسف صحیح کہتے ہیں، لیکن احوط قول امام اعظمؒ کا ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۷۱)

## جمعہ کی سنتیں استواء کے وقت پڑھنا درست نہیں

سوال: (٦٨) (قبل جمعہ کی سنت) (۲) نصف النہار میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نہیں پڑھ سکتے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۷۱-۷۲)

## استواءِ شمس کے وقت تلاوتِ قرآن شریف درست ہے

سوال: (٦٩) عین زوال کے وقت یا دوپہر کے وقت تلاوت قرآن شریف اور نوافل کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۱/۲۴۹۲ھ)

الجواب: عین زوال کے وقت یا یوں کہئے کہ استواء اور دوپہر کے وقت تلاوت قرآن شریف درست ہے، اور نوافل امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں ناجائز ہیں، اور امام ابو یوسفؒ جائز فرماتے ہیں، درمختار میں ہے: **وكره تحريمًا ............ صلاة مطلقًا و لو قضاءً أو واجبةً أو نفلاً إلخ مع شروق إلخ واستواء إلّايوم الجمعة على قول الثّاني المصحّح المعتمد إلخ ، وفي الشّامي:**

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

لکن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام إلخ (۱) اور احتیاط قول امام اعظمؒ میں ہے اور اوسع قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۷۳)

## استواءِ شمس کے وقت نماز درست نہیں

**سوال:** (۷۰) چاشت وغیرہ کی نوافل ۱۲ بجے پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ اور جنتری اسلامیہ میں زوال یا قضائے نماز کا وقت بارہ بج کر ۲۴ منٹ پر لکھا ہے۔ (۱۳۳۸/۷۷ھ)

**الجواب:** زوال کے وقت نوافل وغیرہ کچھ نہ پڑھنی چاہیے، اور نہ ایسے وقت نوافل (وغیرہ) (۲) پڑھنی چاہیے کہ زوال کا وقت درمیان نماز میں ہوجائے، پس جس گھڑی کے موافق زوال کا وقت ۱۲ بج کر ۲۴ منٹ پر ہے، اس کے مطابق اگر ۱۲ بجے نماز نفل یا قضاء نماز اس طرح پڑھے کہ زوال سے پہلے پہلے اس کو ختم کردے تو یہ جائز ہے، مگر جب قریب زوال کا وقت آجائے اس وقت کوئی نماز شروع نہ کرے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ درمیان نماز میں زوال کا وقت ہوجاوے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۶۹)

## صبح صادق کے بعد کوئی نفل نماز سوائے سنتِ فجر یا قضاء نماز کے درست نہیں

**سوال:** (۷۱) مجھے معلوم ہے کہ فجر کے وقت نماز مقررہ کے علاوہ صرف قضاء نماز جس میں

---

(۱) الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۸-۲۹، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت.

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا ہے۔ ۱۲

(۳) وكره تحريمًا وكلّ ما لا يجوز مكروه صلاة مطلقًا ولو قضاء أو واجبة أو نفلاً أو على جنازة وسجدة تلاوة وسهو لاشكر ، قنية ، مع شروق إلخ واستواء . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۸-۲۹، كتاب الصّلاة، مطلب : يشترط العلم بدخول الوقت)

لما روى مسلم وغيره من حديث عقبة بن عامر ثلث ساعات كان رسول الله صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم ينهانا أن نصلّي فيهنّ أو نقبر فيهنّ موتانا حين تطلع الشّمس بازغة حتّى ترتفع ، وحين يقوم قائم الظّهيرة حتّى تميل الشّمس ، وحين تضيف للغروب حتّى تغرب .

(غنية المستملي، ص:۲۰۷، الشّرط الخامس ، الأوقات الّتي تكره فيها بالصّلوات)

فرض و واجب یعنی وتر داخل ہے پڑھی جاسکتی ہے، اس کا مزید اطمینان چاہتا ہوں کیونکہ بعض جہلاء نفل بھی پڑھ لیتے ہیں، اور فرض کے بعد سنت بھی جو بوجہ جماعت کے نہیں پڑھ سکے ہیں پڑھ لیا کرتے ہیں۔ (۱۳۳۹/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** صبح صادق کے بعد کوئی نفل سوائے سنت فجر کے یا قضاء کے درست نہیں ہے، اور بعد نماز فجر کے سنت صبح بھی جائز نہیں، اور نہ اور کوئی نفل سوائے قضاء کے پڑھنا اس وقت درست ہے، درمختار میں ہے: **وكره نفل إلخ، ولو سنّة الفجر بعد صلاة فجر وصلاة عصر إلخ، لا يكره قضاء فائتة ولو وترًا إلخ** (۱) اور اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے۔ **قال في الشّامي: والكراهة هٰهنا تحريمية أيضًا كما صرّح به في الحلية، ولذا عبّر في الخانية والخلاصة بعدم الجواز والمراد عدم الحلّ لا عدم الصّحّة كما لا يخفىٰ** (۲) فقط واللہ اعلم (۲/۷۰)

## صبح صادق کے بعد تحیۃ المسجد کی نفلیں پڑھنا درست نہیں

**سوال:** (۷۲) صبح صادق کے بعد نوافل یا تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ (۶۳۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** طلوع صبح صادق کے بعد کوئی نفل نماز سوائے دو سنت صبح کے جائز نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک اس وقت میں تحیۃ المسجد کی نفلیں بھی جائز نہیں ہیں (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۶۹)

**سوال:** (۷۳) فجر کی سنتوں سے پہلے دو نفل پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ (۲۹۶/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** صبح صادق ہونے کے بعد فرضوں سے پہلے سوائے دو سنت فجر کے اور نوافل پڑھنا

---

(۱) الدّرّ مع الشّامي: ۲/۳۳-۳۴، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت.

(۲) الشّامي: ۲/۳۳، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت.

(۳) وكذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب لعينه بعد طلوع فجرسوى سنّته لشغل الوقت به تقديرًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۴، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت)

درست نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۱/۲)

## سورج نکلنے کے کتنی دیر بعد نماز پڑھنا جائز ہے؟

سوال: (۷۴) آفتاب نکلنے پر فوراً نماز پڑھنا درست ہے یا نہ؟ اشراق کا وقت تو نیزہ برابر آفتاب اونچا ہونے پر ہوتا ہے۔ (۱۳۳۸/۳۳۶ھ)

الجواب: آفتاب کے نکلتے ہی فوراً نماز درست نہیں ہے، بلکہ بہ قدر ایک یا دو نیزہ کے آفتاب بلند ہو جانا چاہیے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۳/۲)

## عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز سوائے قضاء نماز کے جائز نہیں

سوال: (۷۵) عصر کے بعد بھی مثل وقت فجر کے نوافل کو مانع ہے، اس کے لیے بھی وہی استفسارات ہیں جو فجر کے ساتھ کیے گئے ہیں اگر اس کا حکم اس کے مطابق نہیں ہے؛ تو اطلاع چاہتا ہوں۔ (۱۳۳۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: عصر کی نماز کے بعد بھی کوئی نماز سوائے قضاء نماز کے جائز نہیں ہے[۳] فقط (۷۰/۲)

---

(۱) وكذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لافرض وواجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنّته لشغل الوقت به تقديرًا. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۳۴/۲، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت)

لما روى مسلم عن حفصة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم إذا طلع الفجر لا يصلّى إلاّ ركعتين خفيفتين. (غنية المستملي: ص:۲۰۹، الشّرط الخامس، الأوقات الّتي تكره فيها بالصّلوات)

(۲) وكره تحريمًا إلخ مع شروق إلخ واستواء (الدّرّ المختار) قوله: (مع شروق) ...... ما لم ترتفع الشّمس قدر رمح. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۸/۲-۲۹، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت)

(۳) وأمّا الوقتان الآخران من الخمسة، فإنّه يكره فيهما التّطوّع فقط، ولا يكره فيهما الفرض إلخ، وهما أي الوقتان المذكوران ما بعد طلوع الفجر إلى أن ترتفع الشّمس، ==

## ظہر کے بعد نوافل درست ہیں

**سوال:** (۷۶) جیسا کہ بعد العصر [و] بعد الفجر کسی قسم کے نوافل پڑھنا ممنوع ہے، کیا اسی طرح بعد الظہر بھی کوئی نفل نہیں پڑھ سکتا [ہے؟] (۱) اور اگر پڑھ سکتا ہے تو کیا کسی فقہ کی کتاب سے یہ ثابت ہے یا نہیں؟ کیا بعد الظہر کا وقت بھی مثل بعد العصر و بعد الفجر کی طرح ہے؟ (۱۷۸۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** بعد الظہر کا وقت مثل بعد العصر و بعد الفجر کے نہیں ہے [ظہر کے بعد نوافل درست ہیں] (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (۲/۷۰-۷۱)

## غنودگی کو ناقض وضو سمجھ کر فجر کی سنت کو دوبارہ پڑھنا

**سوال:** (۷۷) تہجد پڑھ کر کچھ تسبیحیں پڑھ کر اُکڑوں بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ غنودگی طاری ہوگئی، تھوڑی سی دیر میں دیکھا تو سنت پڑھنے کا وقت تھا، اس یقین پر کہ وضو نہیں ٹوٹا سنت پڑھ کر مسجد گیا، وہاں پر شبہ پیدا ہوا کہ مبادیٰ اکڑو بیٹھنے اور غنودگی سے وضو ٹوٹ گیا ہو، تازہ وضو کر کے پھر سنت دو رکعت از سر نو پڑھی، اور پھر جماعت فرض میں شریک ہوا، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۱۴/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** سنت جو پہلے پڑھی تھی وہ ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہ تھی (۳)۔

---

== فإنّه يكره في هذا الوقت النّوافل كلّها إلاّ سنّة الفجر إلخ ، وما بعد صلاة العصر إلى غروب الشّمس لحديث ابن عبّاس رضي الله تعالىٰ عنهما إلخ . (غنية المستملي ، ص:۲۰۸-۲۰۹، الشّرط الخامس ، الأوقات الّتي تكره فيها بالصّلوات) ظفیرؒ

(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) [ظہر کے بعد نوافل درست ہیں] کی جگہ مطبوعہ فتاوی میں ''عصر و فجر کے بعد نوافل درست نہیں ہیں'' تھا، رجسٹر نقول فتاوی سے اس کی تصحیح کی گئی ہے۔۱۲۔

(۳) وفي الخانية: النّعاس لا ينقض الوضوء وهو قليل نوم لا يشتبه عليه أكثر ما يقال عنده (ردّالمحتار:۱/۲۴۵، كتاب الطّهارة،باب نواقض الوضوء، قبيل مطلب نوم الأنبياء غير ناقض) جب وضو باقی تھا تو جو نماز اس سے پڑھی درست ہوئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم ظفیرؒ

اور جائز بھی نہ تھی (۱) لیکن بہ وجہ لاعلمی کے جو کچھ ہوا اس میں (کچھ عذاب اور مواخذہ نہیں ہے)(۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۲/۲)

## فجر اور ظہر کی سنتوں کی قضاء میں فرق کی وجہ

**سوال:**(۷۸) صبح کی دو رکعت سنت اور ظہر کی قبل از فرض سنت مؤکدہ ہیں، پھر کیا سبب ہے کہ صبح کی سنت کی قضاء بعد طلوع شمس پڑھے بہتر ہے، اور اگر نہ پڑھے تو کچھ مواخذہ نہیں، اور ظہر کی سنن قبلیہ اگر قضا ہو جاویں تو بعد ادائے فرض ضرور ادا کرے، وجہ فرق کیا ہے؟ (۱۱۲۸/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہر کا وقت باقی ہے، اور صبح کا وقت بعد طلوع شمس باقی نہیں رہتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۲/۲)

## آدھی رات کے بعد نماز عشاء پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

**سوال:**(۷۹) نماز عشاء بعد نصف شب کے مکروہ تحریمی ہے یا نہیں؟ اور اگر بعد نصف شب کے پڑھی جائے تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ مولانا عبدالحی صاحب مجموعہ فتاویٰ:۱/۱۳۳، میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے، نماز عشاء کے بعد نصف شب کے اور واجب الاعادہ ہے، اور اگر اعادہ نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا(۳) اور مولانا اشرف علی صاحب بہشتی زیور میں لکھتے ہیں کہ نماز کا وقت

---

(۱) اس لیے کہ اس وقت میں سوائے سنت فجر کے کسی نفل کی اجازت نہیں ہے۔ **وكذا الحكم من كراهة نفل إلخ بعد طلوع فجر سوی سنته . (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۳۴/۲، كتاب الصّلاة ، مطلب : يشترط العلم بدخول الوقت)** ظفیرؒ

(۲) قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) نماز عشاء بعد نصف شب گذاردن مکروہ تحریمی ست، ............ لہٰذا مصلی را لازم کہ بعد گذشتن آں وقت یعنی بعد طلوع صبح صادق اعادۂ آں سازد تا جبر نقصان گردد، و اگر اعادۂ آں عشاء کہ بعد نصف شب گذاشتہ (؟) است نخواہد ساخت گنہ گار خواہد شد الخ (مجموعۂ فتاوی:۱/ ۴۱، استفتاء نمبر:۲۹، مطبوعہ: مطبع شوکت اسلام)

صبح صادق تک ہے، اور بعد نصف رات کے مکروہ ہے، اور ثواب کم ہوجاتا ہے[۱] ان دونوں تحریروں میں (سے)[۲] کونسی تحریر صحیح ہے؟ اگر کبھی نماز عشاء بعد نصف رات کے پڑھی جائے تو اس کا اعادہ کیا جائے یا نہیں؟ اور اگر واجب الاعادہ نہیں ہے تو مولوی عبدالحی صاحب کے فتوی کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا (۱۷۵۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** بعد نصف شب کے عشاء کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، بعض نے مکروہ تحریمی فرمایا ہے، اور بعض نے مکروہ تنزیہی، فإن أخّرها إلى ما زاد على النّصف كره لتقليل الجماعة. (الدرّ المختار) قوله: (كره) أي تحريمًا، كما يأتي تقييده في المتن أو تنزيهًا وهو الأظهر كما نذكره عن الحلية (شامي)[۳] ثمّ قال تحت قول الماتن: (تحريمًا) كذا في البحر عن القنية، لكن في الحلية: أنّ كلام الطّحاوي يشير إلى أن الكراهة في تأخير العشاء تنزيهية وهو الأظهر[۳] (شامي)

پس جو فقہاء مکروہ تحریمی فرماتے ہیں ان کے نزدیک واجب الاعادہ ہے، اور جو مکروہ تنزیہی فرماتے ہیں ان کے نزدیک واجب الاعادہ نہیں، کیوں کہ مکروہ تنزیہی کا مآل خلاف اولیٰ کی طرف ہے، اور علامہ شامی کے قول اور حلیہ کی روایات سے معلوم ہوا کہ مکروہ تنزیہی ہونا اظہر ہے، اور وجہ اظہر ہونے کی یہ ہے کہ علت اس کراہت کی تقلیل جماعت ہے، نہ یہ کہ وقت میں کوئی خرابی ہے، پس معلوم ہوا کہ مولانا عبدالحی صاحب نے اگر واجب الاعادہ لکھا ہے تو مکروہ تحریمی کی روایت کو لے کر احتیاطاً واجب الاعادہ لکھا، اور مولانا اشرف علی صاحب کا مطلب اگر مکروہ سے مکروہ تنزیہی ہے

---

(۱) (بعد غروب پچھّم کی طرف آسمان کے کنارے پر جو سرخی ہے) جب وہ سرخی جاتی رہے تو عشاء کا وقت شروع ہوگیا، اور صبح ہونے تک باقی رہتا ہے، لیکن آدھی رات کے بعد عشاء کا وقت مکروہ ہوجاتا ہے، اور ثواب کم ملتا ہے، اس لیے اتنی دیر کرکے نماز نہ پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ تہائی رات جانے سے پہلے ہی پہلے پڑھ لیوے۔ (اختری بہشتی زیور، دوسرا حصہ، ص:۱۱، نماز کے وقتوں کا بیان، مسئلہ نمبر (۳)

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) الدرّ والشّامي: ۲/۲۵-۲۶، كتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها .

تو انہوں نے دوسرے قول کو جو اظہر ہے اختیار فرمایا، اور یہی اقرب الی الصواب ہے کہ کراہت تنزیہی ہے اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۳-۷۴-۷۴)

## جمع بین الصلاتین کی مفصل و مدلل بحث

سوال: (۸۰) زید اہل حدیث اپنے کو بتلاتا ہے، اور بکر حنفی ہے، دونوں کا اتفاق سے سفر میں ساتھ ہوگیا، زید اہلِ حدیث نے ظہر کے وقت ظہر کی نماز سے ملا کر عصر کی نماز بھی پڑھ لی، بکر حنفی المذہب نے اس پر اعتراض کیا کہ ابھی وقت عصر کا نہیں ہوا، زید نے جواب دیا (کہ) نماز ظہر اور عصر ملا کر پڑھنا حدیثوں میں اکثر آیا ہے، اور حضور سرور عالم ﷺ نے اکثر سفر میں و مکان پر ظہر و عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں ملا کر پڑھا ہے؛ اس غرض سے کہ میری امت پر آسانی ہو۔ اور حدیث پیش کرتا ہے اس کے جواز میں جو ملاحظہ کے لیے ارسال خدمت ہے: مسلم شریف کی حدیث بتلاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر اس ایک حدیث سے تسلی نہ ہو تو اور حدیثیں بھی پیش کرسکتا ہوں، ورنہ آپ عدم جواز میں میرے خلاف کوئی حدیث کتبِ معتبرہ سے پیش کیجئے کہ حضور ﷺ نے ملا کر نہیں پڑھی، اور منع کیا ملا کر پڑھنے کو۔ زید کہتا ہے کہ ملا کر نماز پڑھنے (کا) خود حضور کا قول موجود ہے، وہ قول امام صاحب کا ہے کہ ملا کر نہ پڑھو، جب حدیث موجود ہے پھر کیوں امام صاحب کے قول پر عمل کیا جائے؟ جب خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ میرے قول کو چھوڑ دو جب تم کو حدیث میرے قول کے خلاف مل جائے، ایسی حالت میں بکر حنفی المذہب کو کیا کرنا چاہیے؟ اور عدم جواز میں جو حدیثیں ہوں چند حدیثیں بہ حوالہ کتب معتبرہ مفصل تحریر فرمائیے۔

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ کہا: نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی اکٹھی مدینہ میں سوائے خوف اور سوائے سفر کے، کہا: ابوالزبیر نے پس پوچھا میں نے سعید سے کس واسطے کیا اس کو حضرت نے؟ پس کہا سعید نے پوچھا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جیسا کہ پوچھا تو نے مجھ سے، پس کہا ابن عباسؓ نے: ارادہ کیا حضرت نے یہ کہ نہ حرج ہو کسی کا

میری امت میں سے، روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے [۱] (۲۱۹۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** نحمده ونصلّي علىٰ رسوله الكريم. دونمازوں کوایک وقت میں اس طرح جمع کرنا کہ ظہر کی نماز مثلاً عصر کے وقت میں پڑھیں یا عصر کی ظہر کے وقت میں نہ سفر میں جائز ہے نہ حضر میں۔ رسول اللہ ﷺ سے سفر وحضر میں اس طرح جمع کرنا ثابت نہیں ہوا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں ہر وقت کے حاضر باش تھے آپ کی مسواک اور تکیہ وغیرہ انہیں کے پاس رہتا، وضو کے لیے پانی بھی اکثر وہی مہیا کرتے، اسی وجہ سے ان کا لقب صاحبِ السواک والوسادۃ والطہو رہو گیا تھا؛ فرماتے ہیں: قال: ما رأيت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم جمع بين الصّلاتين إلّا بجمع رواه البخاري ومسلم [۲] ترجمہ: میں نے رسول ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اپنے وقت کے سواء میں پڑھی ہو مگر دو نمازیں مغرب وعشاء کی مزدلفہ میں، روایت کیا اس کو مسلم وبخاری نے۔

اور نسائی، ص:۷۱،۴ کی روایت میں ہے: عن عبد اللّٰه رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يصلّى الصّلاة لوقتها إلّا بجمع وعرفات [۳] ترجمہ: حضرت

---

(۱) عن سعيد بن جبير عن ابن عبّاس رضي الله عنهما قال: صلّى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم الظّهرَ والعصرَ جميعًا بالمدينة في غير خوفٍ ولا سفرٍ، قال أبو الزّبير: فسألتُ سعيدًا لِم فعل ذلك؟ فقال: سألتُ ابنَ عبّاس كما سألتني، فقال: أرادَ أن لا يُحْرِجَ أحدًا من أمته. (الصّحيح لمسلم، ۱/۲۴۶، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الجمع بين الصّلاتين في السّفر)

(۲) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي الله عنه قال: ما رأيتُ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم صلّى صلاةً إلّا لميقاتها، إلّا صلاتين: صلاة المغرب والعشاء بجمع، وصلّى الفجر يومئذ قبل ميقاتها، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۲۳۰، كتاب المناسك، باب الدّفع من عرفة والمزدلفة، الفصل الأوّل)

(۳) سنن النّسائی:۲/۳۶، كتاب الحجّ، باب الجمع بين الظّهر والعصر بعرفة.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو ہمیشہ اپنے وقت میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ اور عرفات میں، اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جن کی روایت در بارۂ جواز جمع بین الصلاتین پیش کی گئی ہے؛ روایت ہے: من جمع بین الصّلاتین من غیر عذر فقد أتی بابًا من أبواب الکبائر ، رواہ التّرمذي (۱) ترجمہ: جس شخص نے جمع کیا دو نمازوں کو بدون عذر کے اس نے کبیرہ گناہ کیا، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ البتہ اس کی اسناد میں ضعف ہے، جس کو ترمذی نے بیان فرمایا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ عمل جمہور امت کا باوجود اس ضعف کے اسی حدیث پر ہے؛ یعنی جمع بین الصلاتین کو بدون عذر جائز نہیں رکھتے (۲) جس سے اس ضعف کا انجبار ہوسکتا ہے، علاوہ بریں خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ تلخیص تخریج زیلعی ص: ۱۳۱، میں فرماتے ہیں: وأخرجه البیهقيّ عن عمر مرفوعًا (۳) ترجمہ: اور اس روایت کو بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے، اتنا فرما کر سکوت کرتے ہیں، کوئی قدح اس کی اسناد وغیرہ میں نہیں کرتے، تو ظاہر ہے کہ اگر اس کی اسناد میں کوئی نقص ہوتا تو ضرور تحریر فرماتے، جیسا کہ ترمذی کی اسناد کو نقل کر کے اس کی تضعیف کی ہے، اور نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بہ اسناد صحیح روایت ہے: عن طاؤس عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما قال: لا یفوت صلاة حتّی یجيء وقت الأخری. رواه الطّحاوي و إسناده صحیح (۴) ترجمہ: روایت ہے طاؤس سے، وہ روایت کرتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا انہوں نے کہ کوئی نماز فوت نہیں ہوتی جب تک کہ دوسری نماز کا وقت نہ آجائے، روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

---

(۱) عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: من جمع الحدیث . ( جامع التّرمذي :۱/ ۴۸، أبواب الصّلاة ، باب ما جاء في الجمع بین الصّلاتین )

(۲) قال أبو عیسیٰ : وحنش هذا هو أبو علي الرّحبي ، وهو حنش بن قیس ، وهو ضعیف عند أهل الحدیث ، ضعّفه أحمد وغیره ، والعمل علی هذا عند أهل العلم أن لا یجمع بین الصّلاتین إلّا في السّفر أو بعرفة . (جامع التّرمذي :۱/ ۴۸، أبواب الصّلاة )

(۳) الدّرایة في تخریج أحادیث الهدایة: ۱/ ۱۶۷، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر .

(۴) شرح معاني الآثار: ۱/ ۱۲۲، کتاب الصّلاة ، باب الجمع بین الصّلاتین کیف هو؟

پس معلوم ہوگیا کہ جب دوسری نماز کا وقت آجاتا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی پہلی نماز فوت ہوجاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اگر جمع بین الصلاتین جائز رکھی جائے تو پھر فوت کے کوئی معنی نہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن عبد اللّٰہ بن موھب قال: سئل أبوھریرۃ رضي اللّٰہ عنہ ما التّفریط في الصّلاۃ؟ قال: أن توخّر حتّٰی یجيء وقت الأخریٰ، رواہ الطّحاوي (۱) ترجمہ: روایت ہے حضرت عبداللہ بن موہب سے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ تفریط في الصّلاۃ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ نماز کو مؤخر کیا جائے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ طحاوی، ص: ۹۸۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنا تفریط وتقصیر ہے، اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے: أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم (قال:) أمَا إنّہ لیس في النّوم تفریطٌ، إنّما التّفریطُ علٰی مَن لم یُصَلّ الصّلاۃ حتّٰی یجيء وقت (الصلاۃ) الأخریٰ رواہ مسلم وغیرہ (۲) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نیند سے جو نماز اتفاقًا رہ جائے اس میں تقصیر نہیں، ہاں تفریط اور قصور اس شخص پر ہے جس نے جاگتے ہوئے اس وقت تک نماز نہ پڑھی جب تک کہ دوسری نماز کا وقت آئے روایت کیا اس کو مسلم وغیرہ نے۔ اور امام طحاوی فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ قول اس وقت فرمایا تھا جب کہ آپ سفر میں تھے، اور مخاطب اس حکم کے بھی مسافر تھے، جس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اس حکم میں صرف حضر داخل نہیں؛ بلکہ سفر کا بھی یہی حکم ہے؛ اس لیے سفر میں بھی کسی نماز کو اپنے وقت سے نکال کر دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا تفریط وتقصیر ٹھہری، پھر کیا کوئی بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اس کی نسبت کرتے ہوئے نہ شرمائیں گے کہ آپ نے ایک نماز کو اپنے وقت سے نکال کر دوسری نماز کے وقت میں پڑھا اور تفریط وتقصیر کے مرتکب ہوئے۔

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) عن أبي قتادۃ رضي اللّٰہ عنہ قال: خطبنا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: فقال: إنکم ...... ثمّ قال: أما أنّہ الحدیث. (الصّحیح لمسلم: ۱/ ۲۳۹، کتاب المساجد، باب قضاء الصّلاۃ الفائتۃ إلخ)

**تعالٰی شان النّبوّة عنه** (۱)

اس کے علاوہ قرآن وحدیث کی بہ کثرت شہادتیں اس پر موجود ہیں کہ شارع علیہ السلام نے ہر نماز کے لیے علیحدہ وقت مقرر کیا ہے جس سے اس کو مؤخر کرنا ہرگز جائز نہیں۔ **قال اللّٰہ تبارك وتعالٰی :** ﴿**اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا**﴾ (سورۂ نساء، آیت:۱۰۳) ترجمہ: تحقیق نماز مؤمنین پر فرض موقت مقرر کیا گیا ہے، پھر اگر ایک نماز کو اس کے وقت سے نکال کر دوسرے وقت میں پڑھنا درست ہے تو وقت مقرر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور دیکھئے ارشاد ہوتا ہے: ﴿**حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ والصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى**﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۲۳۸) ترجمہ: محافظت کرو تم سب نمازوں پر اور بیچ کی نماز پر۔ اس آیت کی تفسیر میں جہاں مفسرین نے بہت کچھ بیان کیا ہے وہیں محافظت کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: الوقت الأوّل من الصّلاة رضوان اللّٰه ، و الوقت الآخر عفو اللّٰه ، رواه التّرمذي** (۲) ترجمہ: تحقیق فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وقت اوّل نماز کا رضاء اللہ کی ہے اور آخر وقت اللہ کی معافی کا ہے، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ یعنی جو شخص اوّل وقت مستحب میں نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے، اور جو آخر میں پڑھتا ہے، نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اتنی تاخیر کو معاف فرما کر اس سے مواخذہ نہیں کرتا، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالکل وقت ہی سے نکال دے تو پھر قانون شرع میں معافی نہیں، اللہ اس سے مواخذہ کرے گا، یہ امر آخر ہے کہ خداوند عالم اپنی رحمت سے اور گناہوں کی طرح اس کو بھی معاف فرمادے، مگر جرم اس پر قائم ہو چکا۔

---

**(۱) فأخبر صلّى اللّٰه عليه وسلّم أن تأخير الصّلاة إلى وقت الّتي بعدها تفريط ، وقد كان قوله ذلك وهو مسافر ، فدل ذلك أنّه أراد به المسافر والمقيم ، فلمّا كان مؤخرّ الصّلاة إلى وقت الّتي بعدها مفرطًا فاستحال أن يكون رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم جمع بين الصّلاتين بما كان به مفرطًا ولكنّه جمع بينهما بخلاف ذلك ، فصلّى كلّ صلاة منهما في وقتها .**

**(شرح معاني الآثار :۱/۱۲۲، كتاب الصّلاة ، باب الجمع بين الصّلاتين كيف هو؟)**

**(۲) مشكاة المصابيح، ص:۶۱، كتاب الصّلاة ، باب تعجيل الصّلاة ، الفصل الثّاني .**

یہ چند آیاتِ قرآن اور روایات حدیث ہیں جن سے بحمد اللہ نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ دونمازوں کو اس طرح جمع کرنا کہ ایک دوسرے کے وقت میں پڑھیں۔ نہ حضر میں جائز ہے نہ سفر میں، اس وقت انہیں چند پر اکتفا کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ ایک منصف کے لیے یہ بھی کفایت سے زیادہ ہیں، اور اگر اس کے بعد بھی اور ضرورت ہوئی تو شاید کچھ اور بھی گذارش کیا جائے، کیا اتنی روایات صحاح وحسان کے بعد بھی کوئی منصف حضرت یہ کہنے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں کہ عدم جواز جمع بین الصلاتین پر حدیث سے کوئی دلیل نہیں، صرف امام صاحب کا قول ہے، باقی رہی وہ مسلم کی روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور جس کو سائل نے نقل کیا ہے۔ سواوّل تو وہ حدیث بہ اجماع امت متروک العمل ہے، چنانچہ امام ترمذی اپنی علل صغریٰ، ص: ۲۵۷، میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو امت میں سے کسی نے نہیں لیا؛ جس کی علت کو بھی ترمذی نے کتاب میں بیان کردیا ہے (۱)

اور وہ روایات جو خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جواز جمع کے خلاف پر ذکر کی گئی ہیں اس کی شاہد ہیں کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی جمع بین الصلاتین کو بہ معنی مذکور جائز نہیں رکھتے، اور کیسے جائز رکھ سکتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ اس کو تفریط و تقصیر فرماتے ہیں؟! اس لیے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ میں دونمازوں کو جمع کرنے سے یہ مراد نہیں کہ ایک نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھے؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ بہ غرض سہولت ایک نماز مؤخر کر کے اس کے آخر میں اور دوسری کو مقدم کر کے اس کے اوّل وقت میں ادا کیا جائے؛ تا کہ صورۃً دونوں نمازیں جمع ہو کر سہولت بھی پیدا ہوجائے اور کسی نماز کو اپنے وقت سے نکال کر بہ حکم حدیث مرتکب تفریط و تقصیر بھی نہ ہونا پڑے، اس صورت سے دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض بھی باقی نہ رہے گا، اور یہ ہمارا من گھڑت قیاس یا اجتہاد نہیں؛ بلکہ مسلم ہی میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے بعض طرق میں اس کی

(۱) قال : جميع ما في هذا الكتاب من الحديث هو معمول به ، وبه أخذ بعض أهل العلم ما خلا حديثين : حديث ابن عبّاس رضي الله عنهما أن النّبي صلّى الله عليه وسلّم جمع بين الظّهر والعصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر ولا مطر ...... وقد بيّنا علّة الحديثين جميعًا في الكتاب. ( كتاب العلل مع جامع التّرمذي:۲/۲۳۳ )

تصریح موجود ہے جو روایت مذکورہ سے چند ہی سطر کے بعد ہے: وهي هٰذه : عن جابر بن زيد عن ابن عبّاس رضي الله عنهما قال: صلّيت مع النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ثمانيًا جميعًا وسبعًا جميعًا ، قلت : يا أبا الشّعشاء! أظنّه أخّر الظّهر وعجّل العصر وأخّر المغرب وعجّل العشاء ، قال: وأنا أظنّ ذلك ، رواه مسلم (۱) ترجمہ: حضرت جابر بن زید سے روایت ہے؛ وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا انہوں نے کہ نماز پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ رکعتیں ـــ ظہر وعصر کی ـــ ایک ساتھ اور سات رکعتیں ـــ مغرب وعشاء کی ـــ ایک ساتھ۔ میں نے عرض کیا: اے ابوالشعشاء! ـــ کنیت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی (۲) ـــ میرا خیال ہے کہ آپ نے ان نمازوں کو ایک کے وقت میں جمع نہیں کیا؛ بلکہ ظہر کو موخر اور عصر کو مقدم کیا ہوگا، اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کیا ہوگا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس روایت نے صاف بیان کر دیا کہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں جمع بین الصلاتین سے اس کے سوا کچھ مراد نہیں کہ ایک نماز کو اس کے آخر وقت میں اور دوسری کو اسی کے اوّل وقت میں اس طرح ادا کیا گیا کہ جو صورۃً جمع ہوگئی، اسی وجہ سے حافظ الدنیا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو باوجود شافعی المذہب ہونے اور جمع بین الصلاتین کو جائز رکھنے کے اس روایت میں تسلیم کر لینا پڑا کہ اس میں جمع سے مراد وہی ہے جو حنفیہ کہتے ہیں، یعنی جمع صورۃً جس کی صورت اوپر مذکور ہوئی (۳) اس طرح اور جتنی روایات میں

---

(۱) الصّحيح لمسلم : ۱/۲۴۶، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب جواز الجمع بين الصّلاتين في السّفر .

(۲) یہ حضرت ابن عباس کی کنیت نہیں ہے، بلکہ أبو الشّعثاء جابر بن زید کی کنیت ہے، تقريب التّهذيب میں ہے: جابر بن زيد ، أبو الشّعثاء الأزدي ثمّ الجوفي بفتح الجيم وسكون الواو بعدها فاء ، البصري ، مشهور بكنيته. (تقريب التّهذيب، ص:۱۳۶، حرف الجيم ، الرّقم: ۸۶۵)

(۳) وأجاب أبو حامد عن هذا الجمع بأنّه جمع صوريّ وهو أن يؤخّر الأولى إلى آخر وقتها وتقدّم الثّانية عقبها في أوّل وقتها ، وهٰذا قد جاء صريحًا في الصّحيحين عن عمرو بن دينار قال: قلت: يا أبا الشعثاء! وأظنّه أخّر الظّهر وعجّل العصر وأخّر المغرب وعجّل العشاء، قال: وأنا أظنّ ذلك. (الدّراية في تخريج أحاديث الهداية: ۱/۱۶۷ ، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر)

جمع کرنا ثابت ہوتا ہے سب میں یہی جمع صوری مراد ہے؛ تا کہ احادیث مذکورۃ الصدر کو جن سے عدم جواز جمع معلوم ہوتا ہے خلاف نہ پڑیں اور ان کو چھوڑنا نہ پڑے، اسی لیے قاضی شوکانی جو اہل ظاہر میں سے ہیں ظاہر حدیث پر چلتے ہیں کسی امام کے مقلد نہیں (۱) اور جن کی کتابوں کی تقلید اکثر عدم تقلید کے مدعی بھی کیا کرتے ہیں، اور اُن کی تحریر وتقریر کا مغز انہیں کی کتابیں ہوتی ہیں۔ پہلے نیل الاوطار میں جمع بین الصلاتین کو جائز فرماتے ہیں (۲) لیکن جب تتبع روایات اور غور وتامل کی نوبت آئی تو اس سے رجوع کرتے ہیں۔

چنانچہ اس کے بعد انہوں نے ایک رسالہ **تشنیف السّمع في إبطال أدلّة الجمع** (۳) تصنیف کیا ہے، جس میں جمع بین الصلاتین کی ادلہ کو باطل کر کے عدم جواز کی حقیقت ثابت کی ہے، اس وقت اتنی ہی گذارش پر اکتفا کیا جاتا ہے، امید کہ بہ نظر انصاف وتامل ملاحظہ فرما کر اپنے خیال سے رجوع فرمائیں گے اور اگر اس سے بھی تشفی نہ ہوئی تو ان شاء اللہ اس کے بعد مزید براں عرض خدمت کیا جائے گا، بہ شرطیکہ مقصود اس سے تحقیقِ حق سمجھی جائے، نہ کہ مجادلہ۔ **واللّٰه يهدي من يشاء إلٰى سواء السّبيل**. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۷۵-۸۱)

## کیا ظہر وعصر ایک وقت میں پڑھنا درست ہے؟

**سوال:** (۸۱) اگر کوئی شخص ظہر اور عصر ایک ساتھ ایک وقت میں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے یا نہ؟ جب کہ اس کو اس بات کا خیال ہے کہ شروع عصر کے وقت سے اخیر وقت تک کاروبار دنیا سے

---

(۱) الأعلام میں ہے: الشّوكاني (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ = ۱۷٦۰-۱۸۳٤ م) محمّد بن علي بن محمّد بن عبد اللّٰه الشّوكاني: فقيه مجتهد من كبار علماء اليمن من أهل صنعاء ............ وكان يرى تحريم التّقليد، له ۱۱٤ مؤلّفًا، منها: نيل الأوطار من أسرار منتقى الأخبار.
(الأعلام: ٦/۲۹۸، المطبوعة: دارالعلم، بيروت)

(۲) نيل الأوطار من أسرار منتقى الأخبار: ۳/۸۸-۸۹، كتاب صلاة المريض، أبواب الجمع بين الصلاتين، المطبوعة:

(۳) یہ رسالہ ہمیں نہیں ملا۔

فرصت نہ ملے گی، اگر جمع کرنا ظہر وعصر کا جائز ہے تو کب؟ (۶۰۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** ظہر اور عصر ایک ساتھ ظہر میں پڑھنا درست نہیں ہے، اگر ایسا کیا تو صرف ظہر کی نماز ہوئی۔ عصر کی نماز اس کے ذمہ رہی۔ حنفیہ کے نزدیک حج میں عرفات کے سوا کہ وہاں ظہر اور عصر جمع کی جاتی ہے، اور ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے، اور کہیں اور کسی وقت سفر وحضر میں جمع کرنا ظہر وعصر کا ظہر کے وقت میں درست نہیں ہے، اسی طرح مغرب وعشاء حنفیہ کے نزدیک سوائے مزدلفہ کے اور کہیں جمع نہیں ہوسکتی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۸۱-۸۲)
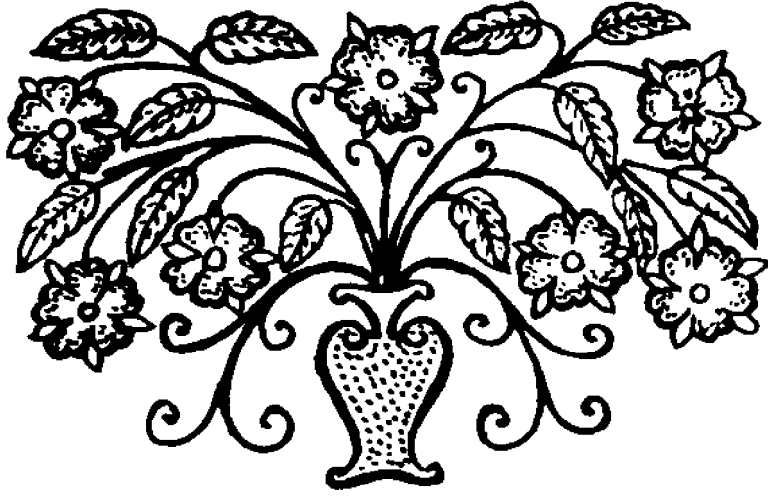
(۱) ولا جمع بين فرضين في وقت بعذر سفر ومطر خلافًا للشّافعيّ وما رواه محمول على الجمع فعلاً، لا وقتًا، فإن جمع فسد لو قدم الفرض على وقته وحرم لوعكس أي أخره عنه وإن صحّ بطريق القضاء إلاّ لحاجّ بعرفة ومزدلفة.

(الدّرّ المختار على ردّ المحتار: ۱/۳۵۴، كتاب الصّلاة)

# اذان واقامت کا بیان

## مسجد میں اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۸۲) مسجد کے فرش پر کھڑے ہوکر اذان دینا کیسا ہے؟ (۷۰/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اذان پنج گانہ مسجد کے فرش پر جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اونچی جگہ کھڑے ہوکر مسجد سے باہر کہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۳/۲)

**وضاحت:** احسن الفتاوی میں ہے: آج کل عام طور پر لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مسجد میں اذان دی جائے یا کسی دوسری نیچی جگہ پر؛ رفع صوت بہرحال ہوجاتا ہے، اس لیے لاؤڈ اسپیکر پر مسجد کے اندر اذان دینے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں معلوم ہوتی، نیز قاضی خان کی عبارت مذکورہ میں **علی المِئذنة أو خارج المسجد** علی سبیل التردید سے معلوم ہوا کہ اذان علی المئذنہ کی صورت میں خارج مسجد کی ضرورت نہیں، بلکہ عام تعامل یہی ہے کہ مئذنہ فوق المسجد ہوتا ہے خارج مسجد نہیں ہوتا الخ۔ (احسن الفتاوی: ۲/۲۹۴-۲۹۵، **كتاب الصّلاة، باب الأذان و الإقامة**)

محمد امین پالن پوری

---

(۱) وينبغي أن يؤذّن على المِئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذِّن في المسجد كذا في فتاوىٰ قاضي خان ، والسّنّة أن يؤذّن في موضعٍ عالٍ يكونُ أسمعَ لجيرانه و يَرفعُ صَوْتَه ، و لا يُجْهِدُ نفسَه. (الفتاوى الهنديه: ۱/۵۵، كتاب الصّلاة ، الباب الثّاني في الأذان ، الفصل الثّاني في كلمات الأذان والإقامة و كيفتهما) ظفیرؒ

## اذان مسجد کے اندر ہو یا باہر؟

سوال:(۸۳)اذان مسجد کے فرش سے باہر ہونی چاہیے یا فرش مسجد پر؟ اکثر اشخاص یہ کہتے ہیں کہ مسجد سے باہر اذان نہ دینا چاہیے، فرش پر اذان کہنا چاہیے، مسجد سے باہر اذان کہنا منع ہے، اور اس کے ثبوت میں خطبہ سے قبل جو اذان پڑھی جاتی ہے پیش کرتا ہے، یہ اذان مسجد میں کیوں ہوتی ہے؟ اس میں اور پنجگانہ اذان میں کیا فرق ہے؟ اور وہ مسجد کے اندر پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اور اگر مسجد سے باہر کوئی اونچی جگہ بنادی جاوے اس پر اذان کہی جاوے تو کیا حکم ہے؟(۲۹۸۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: سوائے خطبہ کے اذان کے باقی پنج گانہ نمازوں کے لیے اذان کسی بلند جگہ پر کہنا افضل ہے، اور مسجد سے خارج بہتر ہے، اگر چہ مسجد میں بھی جائز ہے، چنانچہ خطبۂ جمعہ کی اذان مسجد میں پیش ممبر ہونا اس کی دلیل کافی ہے، اور بلند جگہ پر ہونا اذان کا اس لیے مشروع ہے کہ آواز دور تک پہنچ جاوے، اور آنحضرت ﷺ کے زمانۂ مبارک میں اذان پنج گانہ خارج عن المسجد ہوتی تھی، اور وجہ یہی تھی کہ بلند جگہ پر کہنے کی وجہ سے بعض مکانات متصل مسجد کی چھت پر اذان ہوتی تھی، پس اس زمانہ خیرالازمنہ کے اس فعل سے خارج عن المسجد اذان پنج گانہ کا ہونا افضل معلوم ہوا، لیکن ممانعت مسجد میں اذان کہنے سے بھی نہیں ہے، اور کوئی وجہ بھی ممانعت کی نہیں ہے کہ مسجد ذکر اللہ کے لیے بنائی گئی ہے اور اذان بھی ذکر اللہ ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ الآية﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۱۱۴)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۰۰-۱۰۱)

## کوئی اذان مسجد میں مکروہ نہیں

سوال:(۸۴) اذان پنج گانہ وجمعہ کی اذان [اور خطبہ کی اذان](۲) مسجد میں جائز ہے،

---

(۱) عالمگیری میں ہے: ولا يؤذِّن في المسجد (۱/۵۵) اس کا منشاء یہ ہے کہ اولیٰ کے خلاف ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز نہیں۔ ظفیرؔ

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔

یا مکروہ؟ (۹۰۱/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** کوئی اذان مسجد میں مکروہ نہیں ہے، خصوصًا اذان خطبۂ جمعہ مسجد میں خطیب کے سامنے مسنون ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۸۴-۸۵)

## صبح کی اذان کس وقت کہی جاوے؟

**سوال:** (۸۵) بعض لوگ بہ وقت ۴ بجے صبح کی اذان کہہ دیتے ہیں، صبح کی اذان کس وقت کہنی چاہیے؟ (۲۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** صبح کی اذان کا وقت صبح صادق ہونے کے بعد ہوتا ہے، آج کل صبح صادق ۵ بجے ہوتی ہے، اس سے پہلے اذان نہ کہنی چاہیے، وقت سے پہلے اذان نہیں ہوتی، اگر وقت سے پہلے اذان کہی گئی تو لوٹائی جائے۔ درمختار میں ہے: فیعاد أذان وقع بعضه قبله إلخ [2] (شامی: ۱/۴۰۰) اور نیز درمختار میں ہے: وإنّما یستحقّ ثواب الموذّنین إذا کان عالمًا بالسّنّه والأوقات [3] (ص:۴۰۶) یعنی اذان کا ثواب اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ اذان طریق سنت کے موافق کہنا جانتا ہو اور وقت کو پہچانتا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۲۳-۱۲۴)

## اذان یا تکبیر غلط کہے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۸۶) کوئی شخص اذان یا تکبیر غلط کہے تو دوبارہ لوٹائی جائے یا نہیں؟

(۸۴۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) ویؤذّن ثانیًا بین یدیه أي الخطیب. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۳/۳۶، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حکم المرقی بین یدی الخطیب) ظفیرؒ

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۶، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع الّتي یندب لها الأذان في غیر الصّلاة.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۵، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق

**الجواب:** لوٹائی جاوے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۰/۲)

## مؤذن کی اجازت کے بغیر اذان کہنا

**سوال:** (۸۷) مؤذن وامام کی بغیر اجازت اذان کہنا اور امام ہونا کیسا ہے؟

(۱۳۲۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** مؤذن وامام مقرر کی بلا اجازت اذان کہنا اور امام ہونا مکروہ ہے، اس سے احتراز چاہیے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۲/۲-۱۲۳)

---

(۱) غلط اذان سے جب اذان مسنون ادا نہ ہوئی تو اس کا اعادہ ہوگا، جس طرح غیر عاقل بچہ کی اذان لوٹائی جائے گی۔ وصبيّ غير العاقل إذا أذّنوا يجب أن يعاد لعدم حصول المقصود إلخ ولو قدّم في أذان أو إقامة شيئًا علٰى محلّه يعود إلى التّرتيب ولا يستأنف . (غنية المستملي، ص:۳۲۶ فصل في صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) عن أبي مسعود رضي الله عنه قال :قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : ...... لا يؤمّن الرّجلُ الرّجلَ في سلطانه ، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلّا بإذنه ، رواه مسلم . (مشكاة المصابيح ، ص:۱۰۰، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، الفصل الأوّل)

وصحّ عن ابن عمر أنّ إمام المسجد مقدّم على غير السّلطان (إلٰى قوله) ولا على إمام الحيّ و ربّ البيت إلّا بالإذن ، قاله الطّيبيّ . (مرقاة المفاتيح: ۱۷۵/۳، باب الإمامة)

أقامَ غيرُ من أذّن بغيبته أي المؤذِن لا يكره مطلقًا و إن بحضوره كُره إن لحقه وحشةٌ كما كُره مشيهُ في إقامته (الدّرّ المختار ) قوله : (كُره إن لحقه وحشة ) أي بأن لم يرضَ به وهذا اختيار خواهر زاده ، ومشى عليه في الدّرر والخانيّة ، لكن في الخلاصة إن لم يرض به يُكره ، و جواب الرّواية أنّه لابأس به مطلقًا اهـ .

قلت: وبه صرّح الإمامُ الطّحاويّ في مجمع الآثار معزيًا إلى أئمّتنا الثّلاثة ، وقال في البحر: ويدلّ عليه إطلاق قول المجمع ، ولا نكرهها من غيره فما في شرحه لابن مَلَكٍ من أنّه لو حضر ولم يرضَ يكره اتّفاقًا فيه نظرٌ اهـ وكذا يدلّ عليه إطلاق الكافي معلِّلاً بأن كلَّ واحد ذكرٌ، فلابأس بأن يأتي بكلّ واحد رجل آخر، ولكن الأفضل أن يكون المؤذّن هو المقيم اهـ أي لحديث: "من أذّن فهويقيم" وتمامه في حاشية نوح (الدّرّ المختار وردّ المحتار : ۵۹/۲ كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) ظفیرؒ

## کیا مؤذن ہی کو تکبیر پڑھنا چاہیے؟

**سوال:** (۸۸) کیا مؤذن ہی کو تکبیر پڑھنا چاہیے، دوسرے کے لیے ممنوع ہے؟ اگر مؤذن ملازم مسجد ہو، اور اگر کوئی ملازم نہ ہو کبھی کوئی اذان کہتا ہو کبھی کوئی؟ (۹۸۱/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** خواہ مؤذن تنخواہ دار اور معیَّن ہو اور دائمی اذان کہتا ہو، یا ایسا نہ ہو، گاہ گاہ اذان کہتا ہو، بہر حال علاوہ مؤذن کے دوسرے شخص کو تکبیر کہنا درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ جس نے اذان کہی وہی تکبیر کہے، یا دوسرے کو اجازت دے دے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۷/۲)

## ایک مسجد میں اذان کہہ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۸۹) عمرو ایک مسجد میں مؤذن ہے، اور وہ وہاں سے اذان کہہ کر چلا جاتا ہے، نماز کہیں اور پڑھتا ہے، یہ فعل کیسا ہے؟ (۲۳۴/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** یہ فعل اچھا نہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۳/۲)

## ایک مسجد میں اذان دے کر دوسری مسجد میں امامت کرانا کیسا ہے؟

**سوال:** (۹۰) بکر ایک مسجد میں مؤذن اور دوسری مسجد میں امام ہے، ایک مسجد میں اذان کہہ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ اور اس مؤذن کے اذان کہنے میں تو کچھ نقص نہیں ہے؟ (۲۳۴/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اذان میں کچھ نقصان نہیں ہے، اور دوسری مسجد کا امام ہے تو وہاں امامت کرانا

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) ولكن الأفضل أن يكون المؤذّن هو المقيم أهـ أي لحديث من أذّن فهو يقيم .
(ردّالمحتار: ۲/ ۵۹، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) ظفیرؒ

درست ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۸۴)

## ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۹۱) ایک آدمی کو ایک وقت میں دو مسجدوں میں اذان (کہنا) (۲) درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو نماز کونسی مسجد میں پڑھے؟ (۲۸۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** اگر ضرورت ہو درست ہے اور جہاں چاہے نماز پڑھے۔ فقط (۲/۸۷-۸۸)

**وضاحت:** اگر ضرورت ہو تو ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان کہنا درست ہے، بلاضرورت ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے۔ ویکره أن يؤذّن في مسجدين لأنّه يكون في أحدهما داعيًا إلى ما لا يفعل. (غنية المستملي: ۱/۳۲۶، فصل في صفة الصّلاة)

يكره له أن يؤذّن في مسجدين (الدّرّ المختار) لأنّه إذا صلّى في المسجد الأوّل يكون متنفّلاً بالأذان في المسجد الثّاني إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۶۵، كتاب الصّلاة، باب الأذان، قبيل مطلب هل باشر النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم الأذان بنفسه) محمد امین

**سوال:** (۹۲) ایک مؤذن دو مسجدوں میں اذان کہتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۲۶/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** یہ اچھا نہیں، مکروہ ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۹۹)

## نابالغ لڑکے کی اذان کب درست ہے؟

**سوال:** (۹۳) لڑکا کس قدر عمر ہونے سے اذان دے سکتا ہے؟ جو لڑکا آٹھ برس کا ہو اور

---

(۱) وكره خروجه من مسجد أذّن فيه أو في غيره حتّى يصلّي لقوله عليه السّلام: ''لا يخرج من المسجد بعد النّداء إلّا منافق أو رجل يخرج لحاجة يريد الرّجوع''. إلّا إذا كان مقيم جماعة أخرى كإمام و مؤذن لمسجد آخر لأنّه تكميل معنًى. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۵۷، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة)

(۲) مطبوعہ فتاوی میں (کہنا) کی جگہ ''دینا'' ہے، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) حوالہ؛ سابقہ جواب کی وضاحت میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

نماز پڑھتا ہو، اور پاکی ناپاکی کا خیال (خوب)(۱) رکھتا ہو، ایسا نابالغ لڑکا اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۰۴۰/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** لڑکا اگر مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو اس کی اذان بلا کراہت (۲) بالاتفاق صحیح ہے، اور غیر مراہق عاقل ہو تب بھی ظاہر الروایہ میں کراہت نہیں ہے، اور بعض روایات میں مکروہ ہے، درمختار میں ہے: ویجوز بلا کراهة أذان صبيّ مراهق . وفي الشّامي: (قوله: صبيّ مراهق) المراد به العاقل وإن لم يراهق ، كما هو ظاهر البحر وغيره ، وقيل: يكره ، لكنّه خلاف ظاهر الرّواية إلخ (۳) (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۵/۲)

**سوال:** (۹۴) لڑکا نابالغ کو اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۷۶/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** لڑکا نابالغ اگر مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو اس کی اذان بلا کراہت صحیح ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۴/۲)

**سوال:** (۹۵) بارہ برس کا لڑکا اگر اذان پڑھے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟ (۸۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۷/۲)

## نابالغ مراہق کی اذان درست ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے

**سوال:** (۹۶) نابالغ لڑکے کی اذان درصورت یا عدم صورت شخص بالغ جائز ہوگی یا نہیں؟ ہر دو صورت میں حکم سے معزز فرمایئے؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا ہے۔۱۲

(۲) ’بلا کراہت‘ سے کراہت تحریمی کی نفی کرنا ہے، کراہت تنزیہی کی نفی مقصود نہیں، شامی میں ہے: (بلا كراهة) أي تحريميّة لأنّ التّنزيهيّة ثابتة لما في البحر عن الخلاصة أنّ غيرهم أولى منهم اهـ .

(الشّامي: ۵۴/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في أذان الجوق) ۱۲ محمد امین

(۳) الدّرّ المختار والشّامي: ۵۴/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في أذان الجوق .

(۴) حوالہ؛ سابقہ جواب میں اور ’بلا کراہت‘ کا مطلب سابقہ حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**الجواب:** نابالغ لڑکے کی اذان مکروہ تنزیہی ہے، دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے، ادا ہو جاتی ہے، مگر کراہت تنزیہی کے ساتھ اور تفصیل اس میں یہ ہے کہ نابالغ مراہق کی اذان مکروہ تنزیہی ہے (۱) اور جو نابالغ بہت چھوٹا اور غیر عاقل بے سمجھ ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔ کذا في الشّامي (۲) (۲/۱۱۶-۱۱۷)

## کلمات اذان صحیح ادا نہ کرنے والے کو مؤذن نہ رکھنا چاہیے

**سوال:** (۹۷) جاہل آدمی کو اذان دینا جس کی زبان سے الفاظ مثل پڑھے ہوئے کے نہ نکلتے ہوں، جائز ہے یا نہ؟ (۲۰۴۶/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** جو شخص اذان صحیح نہ کہہ سکے وہ اذان نہ کہے، اذان ایسے شخص سے کہلوانی چاہیے جو کلمات اذان کو صحیح کہے، خواہ پڑھا ہوا ہو یا نہ ہو (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۰۰)

---

(۱) ویجوز بلا کراهة أذان صبيّ مراهق (الدّرّ المختار) المراد به العاقل وإن لم یراهق کما هوظاهر البحر وغیره. وقوله: (بلا کراهة) أي تحریمیّة لأنّ التّنزیهیّة ثابتة لما في البحر عن الخلاصة أنّ غیرهم أولٰی منهم اهـ.. (الدّرّ المختار والشّامي: ۲/۵۴، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق) ظفیرؔ

(۲) ویکره أذان جنب إلخ وسکران ولوبمباح کمعتوه وصبيّ لایعقل (الدّرّالمختار) و ظاهره أنّ الکراهة تحریمیّة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۵-۵۶، کتاب الصّلاة، باب الأذان مطلب في المؤذن إذا کان غیر محتسب في أذانه) ظفیرؔ

(۳) وإنّما یستحقّ ثواب المؤذّنین إذا کان عالمًا بالسّنّة والأوقات ولو غیر محتسب. (الدرّ المختار) أي سنّة الأذان وأوقاته المطلوبة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۵، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق)

یکره أذان الجاهل والفاسق لقوله علیه الصّلاة والسّلام: "لیؤذّن لکم خیارکم" رواه أبوداؤد إلخ، ویدخل في الخیار أن لایلحن في الأذان؛ لأنّه لایحلّ لافي الأذان ولافي القراءة وتحسین الصّوت مطلوب ولا تلازم بینهما إلخ وظهر من هذا أنّ التّلحین إخراج الحرف عمّا یجوز له في الأداء إلخ. (غنیة المستملي: ص: ۳۲۴-۳۲۵، فصل في صفة الصّلاة) ظفیرؔ

## زانی کی تکبیر کا حکم

**سوال:** (۹۸) جو شخص زانی ہواور اپنے بیٹے کی زوجہ پر بدنیتی سے ہاتھ ڈالے اس کی تکبیر پڑھنے سے نماز میں کچھ نقصان آتا ہے یا نہیں؟ (۱۱/۷/ ۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** اس شخص کے تکبیر پڑھنے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں ہوتا(۱) فقط واللہ اعلم (۱۱۲/۴)

## جو شخص پاکی وناپاکی کی تمیز نہ کرتا ہواور تلفظ غلط ہواس کو مؤذن رکھنا

**سوال:** (۹۹) جس مؤذن کو پاکی وغیرہ کی تمیز نہ ہواوراس کے الفاظ اذان بھی بالکل غلط ہوں، تو ایسے شخص کو مؤذن مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۸/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** ایسے شخص کو مؤذن مقرر کرنا درست نہیں، اس کی اذان کا لوٹانا درست ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۳/۲)

## خنثیٰ کی اذان واقامت کا حکم

**سوال:** (۱۰۰) ایک شخص زنخا ہے؛ نہ مرد ہے نہ عورت ہے، اور وہ اذان وتکبیر دیتا ہے، کیا اس کی اذان وتکبیر از روئے شرع درست ہے؟ (۱۴۲۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** اگر وہ خنثیٰ مشکل نہیں ہے، اور مرد کی علامت اس کے اندر موجود ہے، تو اذان وتکبیر کہنا اور مردوں کی صف میں کھڑا ہونا اس کا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۳/۲)

---

(۱) فاسق کا اذان واقامت کہنا مکروہ ہے، لیکن اگر فاسق نے اذان واقامت کہہ دی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویکره اذان القاسق ولا يعاد . (الفتاوى الهندية: ۵۴/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الثّاني في الأذان ، الفصل الأوّل في صفته وأحوال المؤذّن) محمد امین

(۲) ويستحبّ أن يكون المؤذّن عالمًا بالسّنّة تقيًّا فيكره أذان الجاهل والفاسق إلخ .
(غنية المستملي، ص:۳۲۴) ظفیرؒ

**وضاحت:** خُنثیٰ اور زَنخا اس شخص کو کہتے ہیں جس میں مَردانی اور زَنانی دونوں علامتیں ہوں، یا دونوں نہ ہوں ——— اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں مرد کی علامت غالب ہو؛ مثلاً ڈاڑھی نکلنا، مردوں کی طرح احتلام ہونا، عورت سے صحبت کرنا، وغیرہ تو وہ مرد ہے، اور اس کی اذان واقامت بلا کراہت درست ہے، کیونکہ یہ تمام احکام میں مرد ہے ——— اور اگر اس میں عورت کی علامت غالب ہے؛ مثلاً پستان کا اُبھرنا، دودھ اُترنا، حیض آنا، حاملہ ہونا وغیرہ تو وہ عورت ہے، اور اس کی اذان واقامت مکروہ ہے، اگر ایسے زَنخے نے اذان واقامت کہی تو اذان لوٹائی جائے، اور اقامت نہیں لوٹائی جائے گی کیونکہ ایسا خنثی تمام احکام میں عورت ہے ——— اور اگر اس میں مرد یا عورت کی کوئی بھی علامت نہ پائی جاتی ہو، یا متضاد علامتیں پائی جاتی ہوں؛ مثلاً پستان اُبھرنا اور ڈاڑھی نکلنا، یا حیض آنا اور مردوں کی طرح احتلام ہونا تو ایسے زنخے کی بھی اذان واقامت مکروہ ہے، اس کی اذان لوٹائی جائے، اور اقامت نہیں لوٹائی جائے گی؛ کیونکہ یہ خنثیٰ اس مسئلے میں عورت کے حکم میں ہے۔ شامی میں ہے: **ويعاد أذان جنب ندبًا، وقيل: وجوبًا، لا إقامته لمشرعية تكراره في الجمعة دون تكرارها، وكذا أذان امرأة ومجنون ومعتوه وسكران وصبيّ لا يعقل، لا إقامتهم لما مرّ. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۶، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه)** محمد امین پالن پوری

## بے وضو اذان کہنے کا حکم

**سوال:** (۱۰۱) اگر کبھی اذان بلا وضو پڑھ دی جاوے تو درست ہے یا محلّہ والوں پر اس کا کچھ وبال ہے؟ (۱۷۸۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** بے وضو اذان کہنا درست ہے کچھ مواخذہ اور وبال اس میں کسی پر نہیں ہے؛ البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ باوضو اذان کہے[1] (۲/۹۱-۹۲)

**سوال:** (۱۰۲) امام مسجد بلا وضو اذان کہے، یا اذان کہہ کر حقہ پینے یا پیشاب پائخانہ کو چلا جاوے،

---

(۱) **وينبغي أن يؤذن ويقيم على طهر، فإن أذّن على غير وضوء جاز؛ لأنّه ذكر وليس بصلاة، فكان الوضوء فيه استحبابًا كما في القراءة. (الهداية: ۱/۹۰، كتاب الصّلاة، باب الأذان)** محمد امین

یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۹۴۷ھ)

**الجواب:** کتب فقہ میں یہ ہے کہ اذان بے وضو مکروہ نہیں ہے، یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ کما في الدرّ المختار: ویکره أذان جنب وإقامته، وإقامة محدث لا أذانه علی المذهب إلخ[۱] لیکن شامی میں منقول ہے کہ اذان باوضو کہنا (مستحب) ہے[۲] شامی میں ہے: ثمّ اعلم أنّه ذكر في الحاوي القدسي: من سنن المؤذّن: كونه رجلاً عاقلاً صالحًا عالمًا بالسّنن والأوقات مواظبًا عليه محتسبًا متطهّرًا مستقبلاً إلخ[۳] اس سے معلوم ہوا کہ باوضواذان کہنا سنت اور مستحب ہے، پس عادت کر لینا ہمیشہ بے وضو اذان کہنے کی برا ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے، باقی اگر اذان باوضو کہہ کر پھر ضرورت پیشاب پائخانہ کی ہو تو رفع حاجت کرنا ضروری ہے، اور حقہ پینا اصل سے اچھا نہیں ہے، اس سے بھی احتراز اولیٰ ہے۔ (اگر حقہ پئے تو مسجد میں آنے سے پہلے منہ اچھی طرح صاف کر لے، تا کہ اس کی بدبو سے کسی کو اذیت نہ ہو۔ ظفیرؔ)۔ فقط

(۱۰۲/۲-۱۰۳)

**سوال:** (۱۰۳) اذان بلا وضو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۲۴ھ)

**الجواب:** جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ باوضو اذان کہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۱/۲)

## جمعہ کی اذان استواء کے وقت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

**سوال:** (۱۰۴) جمعہ کی اذان نصف النہار میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** اذان قبل الوقت درست نہیں ہے، اس لیے فقہاء اعادہ کا حکم فرماتے ہیں[۴] اور

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۵-۵۶، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه.

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (مستحب) کی جگہ ''مسنون'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۷، کتاب الصّلاة، باب الأذان.

(۴) وهو سنّة ...... مؤكّدة ...... للفرائض الخمس في وقتها إلخ فيعاد أذان وقع بعضه قبله. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۵-۴۶، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع الّتي يندب لها الأذان في غير الصّلاة) ظفیرؔ

وقت جمعہ کا مثل ظہر کے بعد زوال کے شروع ہوتا ہے، لہٰذا اذان جمعہ بعد زوال کے ہونی چاہیے، قبل زوال درست نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۶/۲)

## جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جو اذان کہی جاتی ہے اس کو خطیب کے سامنے مسجد میں کہنا مسنون ہے

**سوال:** (۱۰۵) سنن ابی داؤد کی وہ حدیث جس سے روز جمعہ اذان دوم دروازۂ مسجد پر کہنا ثابت کیا جارہا ہے، وہ صحیح ہے یا ضعیف؟ یا کیا درجہ رکھتی ہے؟ (۱۳۳۴-۳۳/۲۱۱ھ)

**الجواب:** اذان دوم جمعہ ممبر کے پاس خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے، درمختار میں ہے: و يؤذّن ثانيًا بين يديه أي الخطيب إلخ إذا جلس على المنبر ............ قوله: (ويؤذّن ثانيًا بين يديه إلخ ) أي على سبيل السّنيّة (۲) پس حنفیہ کے لیے یہ حجت کافی ہے، اور حدیث ابوداؤد کے متعلق بحث اور تفصیل مطولات میں ہے، مقلدین کو اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے، کتب فقہ کے موافق مسائل پر عمل کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۴/۲)

**سوال:** (۱۰۶) اذان ثانی جو خطبہ کے وقت خطیب کے روبہ رو ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءؓ کے عہد میں یہی طریقہ تھا یا کیا؟ (۱۳۴۱/۲۹۴۶ھ)

**الجواب:** اسی طرح سے کہی جاتی تھی۔ و يؤذّن ثانيهما بين يديه أي على سبيل السّنيّة (۳) (شامي) پس لفظ علی سبیل السنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریق سنت کے موافق ہے اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

---

(۱) وجمعة كظهر أصلاً واستحبابًا في الزّمانين لأنّها خلفه . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۴/۱، كتاب الصّلاة ، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها) ظفیرؔ

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۶/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، قبل مطلب في حكم المرقى بين يدى الخطيب .

(۳) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۵۲/۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق

## خطبہ کی اذان مسجد میں ہونی چاہیے

**سوال:** (۱۰۷) اگر بیرون مسجد اذان جمعہ دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۲۱/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** مسجد کے اندر اور مسجد سے باہر اذان دینا برابر زمانۂ رسول اللہ ﷺ سے اب تک جاری ہے، خطبہ کی اذان مسجد میں ہوتی ہے [۱] اور باقی نمازوں کی اذان مسجد سے باہر، اور مسجد کے اندر جائز ہے، اور منارہ پر اذان کا ہونا فقہاء نے مشروع لکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ منارہ خارج از مسجد ہوتا ہے، اس کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۹۸)

## جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا اور دعائے ماثورہ پڑھنا مکروہ ہے

**سوال:** (۱۰۸) اجابت اذان ثانی جمعہ و بعد او دعا: اللّٰهمّ ربّ هذه الدّعوة التّامّة إلخ خواندن جائز است یا نہ؟ (۱۸۷۰/ ۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** صحیح ایں است کہ اجابت اذان ثانی جمعہ مکروہ است، وہم چنیں دعائے ماثور: اللّٰهمّ ربّ هذهِ الدّعوة إلخ [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۹۹-۱۰۰)

**ترجمہ سوال:** (۱۰۸) جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا اور اس کے بعد دعا: اللّٰهمّ ربّ هذهِ الدّعوة التّامّة إلخ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) وإذا جلس الإمام على المنبر أذّن المؤذّنون بين يديه الأذان الثّاني للتّوارث . (غنية المستملي: ص: ۴۸۳، فصل في صلاة الجمعة ، البحث الثّاني) ظفیرؒ

(۲) وينبغي أن يؤذّن على المِئذنة أو خارج المسجد. (الفتاوى الهنديه: ۱/ ۵۵، كتاب الصّلاة الباب الثّاني في الأذان ، الفصل الثّاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفتهما) ظفیرؒ

(۳) وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بين يدي الخطيب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۶۴، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد.

وإجابة الأذان حينئذٍ مكروهة. (ردّ المحتار: ۳/ ۳۴، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى بين يدى الخطيب) ظفیرؒ

**الجواب:** صحیح یہ ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا مکروہ ہے، اوراسی طرح دعائے ماثورہ اللّٰھمّ ربّ ھذہ الدّعوۃ إلخ بھی۔

## جب جمعہ کی پہلی اذان ایک نے اور دوسری اذان دوسرے نے کہی تو تکبیر کون کہے؟

**سوال:** (۱۰۹) جمعہ کے روز اذان اوّل ایک شخص نے کہی، اوراذان جمعہ منبر کے سامنے کی دوسرے نے، تو تکبیر کہنا کس کا حق ہے؟ (۸۴۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** دونوں میں سے جو چاہے تکبیر کہہ دے﴿ اورکوئی تیسرا شخص تکبیر کہہ دے﴾[۱] تب بھی کچھ حرج نہیں ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۰/۲)

## اذان ثانی سے پہلے استووا رحمکم اللّٰہ کہنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۱۱۰) وقت خطبہ کے اذان سے پہلے استووا رحمکم اللّٰہ کہنا کیسا ہے؟

(۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** وقت خطبہ کے جو اذان خطیب کے سامنے ہو اس کے شروع میں اس لفظ کے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں، البتہ اگر امام بوقت تکبیر تحریمہ ایسا کہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط (۱۲۹/۲)

## اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں

**سوال:** (۱۱۱) بعد اذان رفع یدین کر کے مناجات کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ (۱۱۵۹/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں ہے، اگر چہ عموماً دعا میں

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔

(۲) وفي الفتاوی الظّھیریّۃ : والأفضل أن یکون المقیم ھو المؤذّن ولو أقام غیرہ جاز .
(البحر الرّائق: ۴۴۷/۱، کتاب الصّلاۃ ، باب الأذان)

رفع یدین کا مستحب ہونا اس کے استحباب کو بھی مقتضی ہے، مگر معمول نہیں ہے (۱) فقط (۱۱۰/۲)

**سوال:** (۱۱۲) اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھے، مسنون کیا ہے؟ (۱۰۵۴/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** ہر طرح درست ہے، عمل بلا رفع یدین ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۵/۲)

## خطبہ کی اذان کا جواب دینا ثابت نہیں

**سوال:** (۱۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۹۷/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) امداد الفتاوی کے حاشیہ میں ہے:

امام العصر علامہ انور شاہ صاحبؒ کی رائے بھی یہ ہے کہ اذان کی دعا میں عدم رفع مسنون ہے: **المسنون في هذا الدّعاء ألا ترفع الأيدي ، لأنّه لم يثبت عن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم رفعها إلخ .**

**(فيض الباري على صحيح البخاري: ۲/ ۱۶۷، كتاب الأذان ، باب الدّعاء عند النّداء)**

اور آپ نے بھی **نيل الفرقدين (في مسئلة رفع اليدين** ، ص: ۱۳۳، مطبوعہ: جید برقی پریس، دہلی) میں حضرت تھانویؒ کی تحقیق کے قریب قریب تحقیق بیان فرمائی ہے؛ جسے فیض الباری (۲/ ۱۶۷) میں نقل کیا گیا ہے۔ **ما ملخّصه : أنّ أكثر دعاء النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان على شاكلة الذّكر، لايزال لسانه رطبًا به ، و يبسطه على الحالات المتواردة على الإنسان ...... ومثل هذا في دوام الذّكر على الأطوار والتّارات لا ينبغي له أن يقصر أمره على الرّفع إلخ .**

احقر عرض کرتا ہے کہ اذان کے بعد کا وقت احادیث میں "محل اجابت دعا" میں شمار کیا گیا ہے، اور اپنی حاجات کے لیے دعا کرنے کا امر بھی وارد ہوا ہے۔ **عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه أنّ رجلًا قال : يا رسول اللّٰه ! إنّ المؤذّنينَ يَفْضُلُوْننا ، فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلّم: قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ، فإذا انتهيتَ فسَلْ تُعْطَهْ (سنن أبي داؤد** ، ص: ۱/ ۷۸، **كتاب الصّلاة ، باب ما يقول إذا سمع المؤذّن)** لہٰذا اگر کوئی شخص اذان کے بعد صرف دعائے ماثورہ پڑھنا چاہتا ہو تو عدم رفع افضل ہے؛ جیسا کہ حضرت مجیبؒ (تھانوی) اور علامہ کشمیریؒ کی رائے ہے، لیکن اگر کسی کو دعائے ماثورہ کے علاوہ اپنی حاجات کے لیے بھی دعا کرنا ہے تو اس کے لیے رفع ید افضل ہے، اسی قاعدے سے جو حضرت مجیبؒ نے ذکر فرمایا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم سعید احمد پالن پوری (امداد الفتاوی، ۱/ ۱۶۴-۱۶۵، **كتاب الصّلاة، باب الأذان والإقامة** ، سوال نمبر: ۱۶۲، حاشیہ نمبر: ۱) محمد امین پالن پوری

**الجواب:** درست نہیں۔ کما في الدرّ المختار: وینبغي أن لا یجیب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بین یدي الخطیب (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۴/۲)

**سوال:** (۱۱۴) جمعہ کے روز منبر کے رو بہ رو جو اذان کہی جاتی ہے اس کے جواب دینے کو درمختار نے مکروہ لکھا ہے، مگر اس کے حاشیہ ردالمحتار یعنی شامی اور طحطاوی وغیرہ فقہائے محققین نے ترجیح دی ہے یا کہ اس کے خلاف جواب دینے کو استحباب ثابت کیا ہے اور ترجیح وتائید جواب دینے کو دی ہے۔ (۱۷۴۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** أقول: لکن في الشّامي، باب الجمعة: والظّاھر أنّ مثل ذلك یقال أیضًا في تلقین الْمُرَقِّي الأذانَ للمؤذّن، والظّاھر أنّ الکراھة علی المؤذّن دون الْمُرَقِّي لأنّ سنّة الأذان الّذي بین یدی الخطیب تَحصل بأذان الْمُرَقِّي فیکون المؤذّن مجیبًا لأذان الْمُرَقِّي، وإجابة الأذان حینئذ مکروھة إلخ (۲) (ص:۵۵۱، شامی: جلد اوّل) وفیه أیضًا: و ذکر الزّیلعيُّ أنّ الأحوطَ الانصاتُ (۳) فقط (حاصل یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا مکروہ ہے۔ ظفیرؒ) (۹۱/۲)

**سوال:** (۱۱۵) جو اذان کہ جمعہ کے روز منبر کے پاس ہوتی ہے، اس کا جواب مقتدیوں کو بناء برمذہب صحیح ومفتی بہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا کلام (۴)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶۴/۲، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في کراھة تکرار الجماعة في المسجد.

(۲) ردّ المحتار: ۳۴/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حکم المرقی بین یدی الخطیب.

(۳) ردّ المحتار: ۳۲/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۴) تنویر الأبصار مع الشّامي: ۳/۳۱-۳۲، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

ھٰذا لفظ حدیث ذکرہ في الھدایة مرفوعًا لکن في الفتح أن رفعه غریب، والمعروف کونه من کلام الزّھريّ، وأخرجه ابن أبي شیبة في مصنّفه عن علي وابن عبّاس و ابن عمر رضي اللّٰه تعالٰی عنھم کانوا یکرھون الصّلاة والکلام بعد خروج الإمام، والحاصل أنّ قول الصّحابي حجّة یجب تقلیدہ عندنا إذا لم ینفه شيء آخر من السنة. (الشّامي: ۳۱/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة)

اورعلامہ شامی کے حکم بالکراہہ کا کیا مطلب ہے؟ جوانہوں نے مجیب اذان منبری پر بناء بر مذہب امام ابوحنیفہؒ کے لگایا ہے، نیز کلام سے مراد دینی ہے یا دنیوی؟ اوراگر جواب دینا جائز نہیں تو پھر حدیث معاویہؓ کا کیا مطلب ہے؟ جس کو بخاریؒ نے کتاب الجمعة ، باب یجیب الإمام بلسانه میں روایت کیا ہے؛ جس میں اذان منبری کے جواب کی تصریح موجود ہے(۱) علاوہ ازیں احادیث کثیرہ اجابت اذان کے بارے میں وارد ہیں؛ جواپنے عموم کے اعتبار سے اجابت اذان منبری کو بھی شامل ہیں پھر حکم کراہت کیسا؟ ونیز کوئی ایسا صحیح وصریح مخصص بھی موجود نہیں ہے جس سے احادیث عموم کی تخصیص کرلی جائے، اوراذان منبری کے جواب کو مستثنیٰ کردیا جائے، اوپر حنفیہ وجوب اجابت کے بھی قائل ہیں، نیز إذا خرج إلخ امام زہریؒ کا قول ہے، لہٰذا احادیث متصلۃ الاسناد کا مخصص ومعارض نہیں ہوسکتا تاکہ ان کا عموم باطل کرسکے جواحادیث کا منطوق صریح ہے، ادھر صحابہؓ سے کنّا نتحدّث وغیرہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ خروج امام کے بعداور قبل شروع خطبہ تحدُّث پایا جاتا تھا۔(۱۳۳/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اذان جمعہ بین یدی الخطیب کا جواب دینا بہ مذہب راجح واحوط واصح درست نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وینبغي أن لا یجیب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بین یدي الخطیب إلخ (۲)(باب الأذان) وفي باب الجمعة من ردّ المحتار: وإجابة الأذان حینئذ مکروهة إلخ (۳)اورکلام کو عام رکھنا احوط ہے کما ہو منقول عن علی وابن عباس وابن عمر اور مقتضائے

---

(۱) عن أبي أمامة قال: سمعت معاویة بن أبي سفیان رضي الله عنه وهو جالس على المنبر أذّن المؤذّن فقال: الله أکبر الله أکبر، فقال معاویة: الله أکبر الله أکبر، فقال: أشهد أن لا إلٰه إلّا الله، فقال معاویة وأنا، قال: أشهد أن محمّدًا رسول الله، قال معاویة وأنا، فلمّا أن قضى التّاذین، قال: یا أیّها النّاس! إنّي سمعتُ رسولَ الله صلّى الله علیه وسلّم على هذا المجلسِ حین أذّنَ المؤذّنُ یقول: ما سمعتُم منّي من مقالتي. (صحیح البخاري: ۱/۱۲۵، کتاب الجمعة، باب یجیب الإمام على المنبر إذا سمع النّداء، رقم الحدیث: ۹۱۴)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۶۴، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد.

(۳) ردّ المحتار: ۳/۳۴، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حکم المرقى بین یدی الخطیب.

احادیث صحیحہ بھی یہ ہے۔ لما أخرج السّتّة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : إذا قلتَ لصاحبكَ يومَ الجمعة أَنصِتْ والإمام يخطبُ فقد لَغَوْتَ وهذا يفيد بعبارته منع الأمر بالمعروف مع أنّه واجب ، وبدلالته منع صلاة النّفل والقراءة والأذكار لأنّه إذا منع الواجب فالنّفل أولى بالمنع ، ويرجّح على سائر الأحاديث الدالّة على جواز تحيّة المسجد أو إباحة الكلام لأنّه محرّم و المحرّم مرجّح على المبيح إلخ (۱) اوراس میں اگرچہ قید والإمام يخطب کی ہے، مگر قبل شروع فی الخطبہ بعد صعود علی المنبر بھی یہ حکم ہونا ظاہر ہے لأنّ الكلام ...... قد يمتدّ طبعًا فإنّ الكلام يجرّ الكلام فكان المنع أحوط (۱) (شرح المنية للحلبي) وفيه قبيله: وإذا صعد الإمام على المنبر يجب على النّاس ترك الصّلاة النّافلة لما تقدم من كراهتها عند الخطبة ، ويجب ترك الكلام أيضًا عند إبي حنيفة، وقالا: يباح الكلام حتّى يشرع في الخطبة إلخ (۱) والخلافُ في كلامٍ يتعلّقُ بالآخرةِ أمّا غيرُهُ فيكره إجماعًا (۲) (الدّرّالمختار) ولأبي حنيفةؒ ما ذكر ابن أبي شيبة في مصنفه عن عليّ وابن عبّاس وابن عمر كانوا يكرهون الصّلاة والكلام بعد خروج الإمام ولأنّ الكلام أيضًا قد يمتدُّ طبعًا فإنّ الكلام يجرّ الكلام فكان المنع أحوط (۱)

(صفحہ: ۵۱۹، شرح المنیۃ: الکبیری)

اورحدیث معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس اذان کی اجابت کو قیاس کیا ہے دیگراوقات کی اذان کی اجابت پر (۳) جیسا کہ بعد اجابت اذان ان کا یہ فرمانا: يا أيّها النّاس إنّي

(۱) غنية المستملي في شرح منية المصلّي المعروف بالحلبي الكبير: ۴۸۲، فصل في صلاة الجمعة ، الشّرط السّادس .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، قبل مطلب في حكم المرقى بين يدى الخطيب .

(۳) حدیث معاویہ کا صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعلیم کی غرض سے جہراً جواب دیا تھا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہراً آمین کہنا تعلیم کی غرض سے تھا، چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور آمین کہتے وقت اپنی آواز کھینچی اتنی کہ میں نے سنی، جہاں تک میں سمجھتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد مجھے تعلیم دینا تھا، حضرت وائل کے الفاظ یہ ہیں: فقال: آمين ، يمدّ بها صوته ، ما أراه إلاّ ليعلّمنا . (كتاب الأسماء والكنىٰ: ۱/۱۹۷، بہ حوالہ، معارف السّنن: ۲/۴۰۶) ==

سمعتُ رسولَ اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم علی هذا المجلسِ حین أذّنَ المؤذّنُ یقول : ماسمعتُم مني من مقالتي (۱) اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہ وقت اذان ثانی جو بین یدی الخطیب ہوتی ہے اس موقع پر نہیں ہوسکتی جس کی طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ اس وقت منبر پر تھے تو معلوم ہوا کہ یہ دوسرے اوقات کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر فرماتے ہیں تو جب کہ صحابہ جلیل القدر مثل علی وابن عباس وابن عمر؛ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل کے خلاف کے عامل تھے، اور بہ وقت صعود امام علی المنبر صلاۃ وکلام کو مطلقاً مکروہ سمجھتے تھے تو ان کبار صحابہ کا عمل راجح ہوگا۔

اور پھر مبیح ومحرم کے تعارض کا مقتضا بھی ترجیح کراہت وحرمت ہے، اور جو جواب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا دیا گیا ہے وہی جواب جملہ روایات دالہ علی استحباب الاجابۃ او وجوبہا کا ہے، اور حنفیہ وجوب یا استحباب اجابت سے خود اس موقع کو مستثنیٰ فرماتے ہیں، اور یہ اوپر معلوم ہوا کہ إذا خرج الإمام إلخ محض زہری کا قول نہیں ہے، بلکہ صحابہ کبار سے بھی یہ منقول ہے اور قول صحابی ایسے موقع پر بہ حکم مرفوع ہوتا ہے کما بین (فی) موضعہ (۲) اور بعض صحابہ کا کنّا نتحدّث (۳) وغیرہ فرمانا

== نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: کنّا نعرف انقضاء صلاۃ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم بالتّکبیر. (الصّحیح لمسلم: ۱/ ۲۱۷، کتاب المساجد، باب الذّکر بعد الصّلاۃ) اس کی بھی توجیہ حضرت امام شافعیؒ نے یہی فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو ذکر کی تعلیم دینے کے لیے چند دنوں تک جہراً تکبیر کہی ہے، امام نوویؒ مسلم شریف کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں: حمل الشّافعي رحمه اللّٰه تعالٰی هٰذا الحدیث علی أنّه جهر وقتًا یسیرًا، حتّی یعلّمهم صفة الذّکر، لا أنّهم جهروا دائمًا. (شرح المسلم للنّواوي: ۱/ ۲۱۷، کتاب المساجد، باب الذّکر بعد الصّلاۃ) ۱۲ محمد امین پالن پوری

(۱) اس حدیث کی تخریج اوپر گذر چکی ہے۔ ۱۲

(۲) والرّفع قد یکون صریحًا وقد یکون حکمًا ...... أمّا حکمًا فکأخبار الصّحابي الّذي لم یخبر عن الکتب المتقدّمة ما لا مجال فیه للاجتهاد إلخ. (المقدّمة للشّیخ عبد الحق الدّهلويؒ مع مشکاة المصابیح، ص: ۳)

(۳) عن الزّهري قال: أخبرني ثعلبة بن أبي مالك القرظي وقد أدرك عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه قال: کنّا نتحدّث حتّی یجلس عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه علی المنبر ==

حضرت علی وابن عباس وابن عمرؓ کے قول وفعل پر راجح نہیں ہوسکتا، الغرض احوط انصات ہے۔ کما ذکر الزّيلعيّ أنّ الأحوط الإنصات [۱] (شامی) فقط (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

## قضاء نمازوں کے لیے اذان واقامت کہی جائے یا نہیں؟

سوال: (۱۱۶) گھر میں اور صحرا میں فائتہ نمازوں کے لیے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟

(۱۵۴۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: گھر میں یا صحرا میں فوائت (نمازوں) [۲] کے لیے اذان واقامت مسنون ہے، درمختار میں کہا کہ پہلی فائتہ کے لیے اذان مسنون ہے، اور باقی کے لیے اختیار ہے، لیکن کہنا اذان کا نہ کہنے سے بہتر ہے [۳] اور اقامت کل کے لیے مسنون ہے [۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۶/۲)

سوال: (۱۱۷)......(الف) اگر صبح کی نماز قضاء ہوگئی، اور ظہر کے وقت قضا کرنے کا موقع ملا تو اذان کہہ کر نماز پڑھنی چاہیے یا بلا اذان؟

---

== حتّى يقضي المؤذّن تأذينه ويتكلّم عمر، فإذا تكلّم عمر انقطع حديثنا فصمتنا، فلم يتكلّم أحد منّا حتّى يقضي الإمام خطبته. (السّنن الكبرى للبيهقي، ص:۲۸۲/۳، باب يحوّل النّاس وجوههم إلى الإمام ويسمعون الذّكر، رقم الحديث: ۵۷۱۷، المطبوعة : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

(۱) ردّ المحتار: ۳۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة .

(۲) لفظ 'نمازوں' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) یہ جب ہے کہ بستی کے لوگوں کو تشویش نہ ہو، اگر تشویش ہوتی ہو تو اذان آہستہ کہے یا تکبیر پر اکتفا کرے۔۱۲ محمد امین

(۴) ويُسنّ أن يُؤذِّن و يُقيم لفائتةٍ رافعًا صوتَه لو بجماعةٍ أو صحراءَ ، لا بِبَيتِهٖ منفردًا ، وكذا يُسنّانِ لأولَى الفوائتِ لا لفاسدةٍ ، ويُخيّر فيه للباقي لو في مجلسٍ وفعله أولى ، ويقيم للكلّ (الدّرّ المختار) أي لا يخيّر في الإقامة للباقي بل يكره تركها. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في أذان الجوق) ظفیرؒ

(ب) اگر نماز پنج وقتی قضاء ہوگئی (ہو)[۱] تو کل اوقات میں اذان کہنے کی ضرورت ہے یا ایک ہی وقت؟ (۵۰۱/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** (الف) تنہا شخص کی اگر نماز فوت ہوگئی تو وہ بلا اذان اور اقامت کے اس کو قضاء کرے۔

(ب) اگر قضاء میں جماعت ہو تو پہلی نماز کے لیے اذان اور اقامت کہی جاوے، باقی نمازوں کے لیے اختیار ہے کہے یا نہ کہے، اور اقامت سب کے لیے کہی جاوے[۲] فقط (۳۵۹/۴-۳۶۰)

## قضاء نماز اور وتر کے لیے اذان وتکبیر کہنے کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۱۱۸) زید قضاء نمازوں کو مسجد میں آہستہ اذان وتکبیر کہہ کر اس نیت سے ادا کرتا ہے مثلاً چار رکعت فرض ظہر (قضاء)[۳] پڑھتا ہوں، اس صورت میں اذان وتکبیر کہنے کا کیا حکم ہے؟ اور وتر کے لیے اذان وتکبیر کہی جاوے یا نہیں؟ (۱۱۹۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** جو نماز تنہا مسجد میں قضاء کرے تو اس کے لیے اذان واقامت مشروع نہیں ہے، اور نیت مذکورہ سے قضاء نماز ہوجاتی ہے، اور وتر کے لیے بھی اذان واقامت نہیں ہے[۴] (۳۴۴/۴)

## خواتین قضاء نمازوں کے لیے اذان وتکبیر نہ کہیں

**سوال:** (۱۱۹) قضا نماز کے لیے تکبیر کہنا اور اذان کہنا چاہیے یا نہیں؟ مرد وعورت میں کچھ

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) حوالہ، سابقہ جواب کے حاشیہ (۳) میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) وهو سنّة...... مؤكّدة......للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاءً......لايسنّ لغيرها كعيد (الدّرّ المختار) قوله: (كعيد) أي و وتر وجنازة وكسوف واستسقاء و تراويح . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۵-۴۶، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في المواضع الّتي يندب لها الأذان في غير الصّلاة) ظفیرؒ

فرق ہے یانہیں؟(۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** قضا نماز کے لیے تکبیر واذان کہے اگر جماعت سے پڑھے، مسجد سے باہر اور مسجد میں اذان وتکبیر نہ کہے(۱) اور عورتیں بھی نہ کہیں(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۹/۲)

## مکان، دکان اور جنگل میں نماز پڑھنے والے کے لیے اذان واقامت کہنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۱۲۰) اگر کوئی شخص نماز پنج گانہ مکان میں یا دکان یا جنگل میں پڑھے تو اذان وتکبیر کہنا کیسا ہے؟(۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** جماعت سے پڑھے تو اذان وتکبیر کہے، اکیلے کو ضروری نہیں، اور اگر کہے تو کچھ حرج نہیں(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۹/۲)

## فجر کی نماز قضاء ہوجائے تو اذان میں الصّلاۃ خیرٌ من النّوم کہے یانہیں؟

**سوال:** (۱۲۱) اگر فجر کی نماز قضاء ہوجائے، اور اس کو پڑھتے وقت اذان کہی جائے تو اس میں

---

(۱) ویُسنّ أن یُؤذِّن و یُقیم لفائتةٍ رافعًا صوتَه لو بجماعةٍ ، قوله : (لو بجماعةٍ إلخ)أي في غیر المسجد بقرینة مایذکره قریبًا من أنه لا یؤذن فیه للفائتة. (الدّرّ المختارو ردّ المحتار: ۵۳/۲، کتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في أذان الجوق)

وفیه : لا یسنّ ........... فیما یقضی من الفوائت في مسجد . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۴/۲، کتاب الصّلاة ، باب الأذان)

(۲) ولیس علی النّساء أذان ولا إقامة. (الفتاوی الهندیة : ۵۳/۱، کتاب الصّلاة ،الباب الثّاني في الأذان ، الفصل الأوّل في صفته وأحوال المؤذّن)

(۳) قوله : (للفرائض) وأراد بها المؤدّیات في المساجد ، فلا یسنّ لها إذا أدّیت في البیوت لأنّه لا یکره ترکهما لمصلٍ في بیته و کذا لمصلٍ في المسجد بعد صلاة الجماعة . (حاشیة الطّحطاوي علی الدّرّ المختار: ۸۴/۱، کتاب الصّلاة ،باب الأذان)

الصّلاۃ خیر من النّوم کہنا مسنون ہے یا نہ؟ (۲۱۰۶/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** نماز فجر اگر قضاء ہوئی اور جماعت کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہے تو اذان کہنا اس کے لیے سنت ہے، اور اذان ویسی ہی ہونی چاہیے جس طرح صبح کی اذان ہے، یعنی مع الصّلاۃ خیر من النّوم کے، كما يفيده إطلاق قول القهستانيّ : ويُسنّ أن يُؤذِّن ويُقيم لفائتةٍ رافعًا صوتَه لو بجماعةٍ أو صحراءَ إلخ[۱] (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۶/۲)

## فجر کی اذان میں الصّلاۃ خیر من النّوم زیادہ کرنے کی حکمت

**سوال:** (۱۲۲) فجر کی اذان میں الصّلاۃ خیر من النّوم کیوں زیادہ ہے؟ (۱۵۴۵/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** فجر کی اذان میں الصّلاۃ خیر من النّوم زیادہ ہونا حدیث سے ثابت ہے[۲] اور وہ وقت چونکہ غفلت اور نیند کا ہے اس وجہ سے یہ کلمات اس وقت کہنا مستحب ہے، کیونکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نماز بہتر ہے سونے سے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۹/۲)

## ہاتھ چھوڑ کر یا غیر قبلہ کی طرف مُنہ کر کے اذان دینا خلاف سنت ہے

**سوال:** (۱۲۳) اذان اکثر ہاتھ چھوڑ کر یا ایک ہاتھ کان پر رکھ کر جدھر کو چاہے منہ کر کے دینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۷۵۶/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۵۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في أذان الجوق .

(۲) عن أبي محذورة رضي الله عنه يقول: ألقى عليّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم الأذان حرفًا حرفًا ...... وكان يقول في الفجر : " الصّلاة خير من النّوم " . (سنن أبي داؤد، ص:۷۳، كتاب الصّلاة ، باب كيف الأذان) محمد امین

(۳) ويقول : ندبًا بعد فلاح أذان الفجر "الصّلاة خير من النّوم" مرّتين لأنّه وقتُ نومٍ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۹/۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان ، مطلب في أوّل من بنى المنائر للأذان) ظفیرؒ

**الجواب:** یہ خلاف سنت ہے، مگر اذان ہو جاتی ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۹۸)

## کانوں میں انگلیاں ڈالنا ہر اذان میں مستحب ہے

**سوال:** (۱۲۴) ادخال سبابتین عند الاذان مخصوص باستحباب باذان مسجد است یا کہ بہ ہمہ مکانات کہ در غیر مسجد در آں بہ اذاں نماز خواندہ شود؟ (۱۹۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** بہ ہمہ اذانہا مستحب است **کما هو مفاد الإطلاق**[۱] فقط واللہ اعلم (۲/۱۲۸-۱۲۹)

**ترجمہ سوال:** (۱۲۴) اذان کے وقت کانوں میں انگلی ڈالنے کا استحباب مسجد کی اذان کے ساتھ خاص ہے یا مسجد کے علاوہ بھی ہر اس جگہ میں (مستحب ہے) جہاں اذان کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے؟

**الجواب:** تمام اذانوں میں مستحب ہے، جیسا کہ نصوص کے اطلاق سے مستفاد ہوتا ہے۔ فقط

## اذان واقامت میں لفظِ اللہ میں ہاء کے بعد واو کا اضافہ غلط ہے

**سوال:** (۱۲۵) اذان اور نماز میں الله أكبر کہنا چاہیے یا الله هو أكبر؟ (۶۹۴/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** الله أكبر پڑھنا چاہیے، اللہ کی ہاء کے آگے واو نہ بڑھانا چاہیے[۲] فقط (۲/۹۸-۹۹)

---

(۱) ويجعل نَدبًا أُصبعيهِ في صِمَاخ أُذنيه فأذانه بدونه حسنٌ وبهِ أحسنُ (الدّرّ المختار) لقولهٖ صلّى اللّٰه عليه وسلّم لبلال رضي الله عنه: اجعل أُصبعيك في أُذنيك فإنّه أرفعُ لصوتك. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹-۵۰، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أوّل من بنى المنائر للأذان) ظفیرؒ

ويستقبل غير الرّاكب القبلة بهما ويكره تركه تنزيهًا، قوله: (بهما) أي بالأذان والإقامة لكن مع الالتفات بصلاة وفلاح. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۱، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أوّل من بنى المنائر للأذان)

(۲) ولا لحن فيه أي تغنّي بغير كلماته، فإنّه لا يحلّ فعله وسماعه (الدّرّ المختار) قوله: (بغير كلماته) أي بزيادة حركة أو حرف أو مدّ أو غيرها في الأوائل والأواخر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۸، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم)

## ٹیک لگا کر اذان دینا اور بیٹھ کر اقامت کہنا

**سوال:** (۱۲۶) کسے کہ طاقت در بدن نمی دارد، اذان تکیہ دادہ می دہد، وتکبیر نشستہ می گوید، تکبیر اومکروہ است یانہ؟ (ترجمہ: ایک آدمی جو بدن میں طاقت نہیں رکھتا ہے؛ ٹیک لگا کر اذان دیتا ہے اور تکبیر بیٹھ کر کہتا ہے، اس کی تکبیر مکروہ ہے یا نہیں؟ محمد امین) (۱۲۶۵/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** درمختار میں ہے: **ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه ...... وأذان امرءة وخنثٰی وفاسق (إلی) وقاعد إلّا إذا أذّن لنفسه و راکب إلّا لمسافر إلخ**[۱] اور یہ بھی درمختار میں ہے: **والإقامة کالأذان إلخ**[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اذان بیٹھ کر مکروہ ہے اقامت بھی بلا عذر بیٹھ کر مکروہ ہے، اور بہ وجہ ضعف کے اذان تکیہ دیوار وغیرہ کا لگا کر کہنا کھڑے ہو کر بلا کراہت کے درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۴/۲)

## جیل میں اذان دی جائے یا نہیں؟

**سوال:** (۱۲۷) جیل میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے، وہاں اذان کہنا چاہیے یا نہیں؟ یا صرف تکبیر پر اکتفا کیا جاوے؟ (۲۳۶۲/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** اگر وہاں اذان کی روک ٹوک اور ممانعت نہ ہو تو اذان کہنا اچھا ہے اور ثواب ہے، اور اگر نہ کہیں اور صرف اقامت پر اکتفا کریں تو یہ بھی بلا کراہت درست ہے، درمختار میں ہے: **بخلاف مصلٍّ ولو بجماعة في بیته بمصر أو قریة لها مسجد فلایکره ترکهما إذ أذان الحيّ یکفیه** اور شامی میں ہے: **قوله: (في بیته) أي فیما یتعلّق بالبلد من الدّار والکرم وغیرهما إلخ**[۳] فقط (۱۰۵/۲)

---

**(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۵-۵۶، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا کان غیر محتسب في أذانه.**

**(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۰، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أوّل من بنی المنائر للأذان.**

**(۳) ردّ المحتار: ۲/۵۸، کتاب الصّلاة، باب الأذان، قبیل مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد.**

## شیعوں کی اذان گھر میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے کافی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۲۸) زید کے مکان سے ملحق ایک مسجد ہے، جو اس وقت شیعوں کے قبضہ میں ہے، وہ اپنے طریقہ پر اذان کہتے اور نماز پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں اگر زید اپنے گھر میں اذان کہہ کر نماز باجماعت ادا کرے تو کیا حکم ہے؟ اندر مکان کے اذان کہنا کیسا ہے؟

(ب) اس صورت میں مسجد کا ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۴۴۴ھ)

الجواب: (الف) مکان میں اذان کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ محلّہ کی مسجد کی اذان کافی ہے، البتہ تکبیر کہہ کر جماعت کر لی جاوے، لیکن بہ حالت موجودہ بہ وجہ صحیح نہ ہونے اذان مسجد محلّہ کے اور نیز بہ غرض تعلیم اطفال درست ہے (۱)

(ب) مسجد کا ثواب نہ ہوگا، لیکن جماعت کا ثواب ملے گا (۲) فقط واللہ اعلم (۱۱۴/۲)

## شیعوں کی اذان کافی نہیں

سوال: (۱۲۹) ایک مسجد کو اہل شیعہ نے صرف اپنے لیے بناء کیا اور بعد میں حنفیہ کو بھی اس مسجد میں نماز جماعت سے پڑھنے کی اجازت دی، مگر شیعہ نے ایک شرط یہ کی کہ اذان صرف ایک ہوگی، اگر تمہاری اذان پہلے ہوگئی تو ہم اپنی اذان نہیں کہیں گے، اگر ہماری اذان پہلے (ہوگئی) (۳)

---

(۱) شریعت میں چونکہ شیعوں کی اذان معتبر نہیں ہے، لہٰذا وہ کالعدم ہے؛ اس لیے بدون اذان واقامت گھر میں باجماعت نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ قال في البحر: ومفهومه أنّه لو لم یؤذّنوا في الحيّ یکره ترکهما للمصلّي في بیته، وبه صرّح في المجتبیٰ. (ردّ المحتار: ۵۸/۲، کتاب الصّلاة، باب الأذان، قبیل مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد) محمد امین

(۲) والجماعة سنّة مؤکّدة للرّجال إلخ وأقلّها اثنان واحد مع الإمام إلخ في مسجد أو غیره (الدّرّ المختار) قال في القنیة: واختلف العلماء في إقامتها في البیت والأصحّ أنّها کإقامتها في المسجد إلاّ في الأفضلیّة اهـ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۴۴/۲-۲۴۷، کتاب الصّلاة، باب الإمامة) ظفیرؒ

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا ہے۔ ۱۲

تو پھر تمہاری اذان نہیں ہوگی، اسی اذان سے نماز پڑھنی (پڑے گی)(۱) تو شیعہ کی اذان سے حنفیہ اپنی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہ؟ (۸۹۹/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** شیعہ کی اذان سے سنیت اذان (ادا)(۲) نہ ہوگی، لہٰذا دوبارہ کہنا اذان کا موافق اذان اہل سنت و جماعت ضروری ہے، اور شیعہ کی اذان کافی نہیں ہے، لہٰذا شیعہ کی اس شرط کو تسلیم نہ کیا جاوے، اور اپنی اذان ہر ایک وقت میں کہی جاوے، اور اگر شیعہ اس کو نہ مانیں تو ان کی مسجد میں نماز نہ پڑھیں کہ اذان شعار اسلام سے ہے، ترک کرنا اس کا جائز نہیں ہے، اور شیعہ کی اذان چونکہ شریعت میں معتبر نہیں ہے، لہٰذا وہ کالعدم ہے، بلکہ ان کی اذان کے بعض کلمات معصیت ہیں، اس سے احتراز لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۵/۲)

## شیعہ اپنی اذان میں جو کلمات بڑھاتے ہیں ان کا شرعی حکم

**سوال:** (۱۳۰) شیعہ اپنی مساجد وغیرہ مقامات پر بہ وقت اذان بہ آواز بلند کلمہ أشهد أنّ أمير المؤمنين وإمام المتّقين عليًّا وليّ اللّه ووصيّ رسول اللّه يا حجّة اللّه ادا کرتے ہیں، کیا اہل سنت و جماعت کو ایسے کلمات سننا جائز ہے؟ (۵۷۹/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** روافض کا اذان میں یہ کلمہ بڑھانا خلاف ہے احادیث صحیحہ کے؛ جو اذان کے بارے میں مروی ہے، لہٰذا بدعت اور ممنوع ہے، اور اگر اس کے ساتھ لفظ خليفة رسول الله بلا فصل بھی بڑھائیں جیسا کہ بعض جگہ ایسا ہوا ہے تو یہ اور بھی زیادہ برا ہے، کیونکہ یہ کذب اور افتراء ہے، کیونکہ درحقیقت خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، پس ترتیب خلافت اس طریق سے ہے، اس کے خلاف عقیدہ رکھنا حرام ہے اور بدعت ہے(۳) الغرض اذان میں وہ کلمات بڑھانا

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (پڑے گی) کی جگہ ''ہوگی'' ہے، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا ہے۔۱۲

(۳) وأفضل النّاس بعد النّبيّين إلخ أبوبكر الصّدّيق إلخ ثمّ عمر بن الخطّاب إلخ ثمّ عثمان إلخ ثمّ عليّ بن أبي طالب . (شرح الفقه الأكبر، ص:۱۰۸، بحث في أنّ أفضل النّاس بعده عليه الصّلاة والسّلام الخلفاء الأربعة على ترتيب خلافتهم) ظفیرؒ

جوسوال میں منقول ہیں اہل سنت وجماعت کے نزدیک جائز نہیں ہے، یہ روافض خذلھم اللّٰہ تعالیٰ کی بدعات ومخترعات میں سے ہے، حنفیہ وشافعیہ وغیرہما اس کی اجازت نہیں دیتے۔ فقط (۲/۱۰۸-۱۰۹)

## بچوں کو عادی بنانے کے لیے گھر میں اذان دینا

**سوال:** (۱۳۱) محض ضلالت کے سد باب کے لیے گھر میں اذان کہی جاتی ہے تاکہ لڑکے اپنی نماز واذان کو نہ بھول جائیں؟ (۴۴۴/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** یہ وجہ معقول ہے، اس حالت میں گھر میں اذان کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۴)

## اذان میں دائیں بائیں سینہ پھیرنا منع ہے

**سوال:** (۱۳۲) ایک شخص اذان میں اپنے سینہ کو دائیں بائیں پھیرتا تھا، میں نے اس کو منع کیا کہ اس طرح سینہ پھیرنا منع ہے، یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۶۵۵/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** یہ صحیح ہے کہ اذان میں حیعلتین میں صرف منہ کو دائیں بائیں متوجہ کیا جاوے، سینہ قبلہ کی طرف رہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۰۷)

## ضد کی وجہ سے اذان نہ دینا

**سوال:** (۱۳۳) ایک مسجد میں دو امام ہیں اور دونوں بھائی حقیقی ہیں، آپس میں نزاع رہتا ہے، اس لیے مسجد میں اذان نہیں کہتے، اس خیال سے کہ شاید دوسرے نے اذان کہہ دی ہو، اور جو امام

---

(۱) ضلالت کے سدّ باب کے لیے بہتر یہ ہے کہ لڑکوں کو لے کر مسجد میں جاکر نماز پڑھے۔ ۱۲ محمد امین

(۲) ویستقبل بهما (أي الأذان والإقامة) القبلةَ ولوترك الاستقبالَ جاز ، ویکره کذا في الهداية وإذا انتهى إلى الصّلاةِ والفلاحِ حوّلَ وجهَه يميناً وشمالاً وقد ماه مكانَهما .
(الفتاوی الهندیة : ۱/۵۶، كتاب الصّلاة ،الباب الثّاني في الأذان، الفصل الثّاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما) ظفیرؒ

آتا ہے جماعت کرادیتا ہے، ایسی صورت میں شرعاً نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟(۲۳۳۴/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز ہوجاتی ہے، مگر ترک سنت اذان کا گناہ ان کے ذمہ رہتا ہے۔ قال في الدّرّ المختار: وهو سنّة للرّجال في مكان عال مؤكّدة هي كالواجب في لحوق الإثم (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۸/۲)

## ننگے سر اذان دینے اور نماز پڑھنے کا حکم

**سوال:** (۱۳۴)......(الف) مؤذن کو ننگے سر اذان دینی جائز ہے یا نہیں؟

(ب) ننگے سر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ ایسا کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

(ج) برہنہ سر نماز پڑھنا یا اذان دینا روافض کا مشرب ہے یا نہیں؟(۸۹۸/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** (الف-ج) فقہاء نے ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، اذان میں اس کی تصریح نہیں فرمائی، اور نماز میں بھی یہ تفصیل کی ہے کہ سستی سے سر ننگا کرنا مکروہ ہے، اور اگر تذلل اور انکسار اور خشوع وخضوع کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو کراہت نہیں (۲) لیکن اولیٰ وافضل یہ ہے کہ ننگے سر اذان نہ کہے، اور اگر کسی جگہ یہ روافض کا شعار ہو تو پھر ضرور ان کی مخالفت کرے، اور ننگے سر اذان نہ کہے، تاکہ ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو، درمختار میں ہے: وصلاته حاسرًا أي كاشفًا رأسه للتّكاسل، ولا بأس به للتّذلّل إلخ، ولو سقطت قلنسوة فإعادتها أفضل إلخ (۳)(الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۹/۲-۱۱۰)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۵/۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان.

(۲) قوله: (ولا بأس به للتّذلّل) قال في شرح المنية: فيه إشارة إلى أنّ الأولىٰ أن لا يفعله وأن يتذلّل ويخشع بقلبه فإنّهما من أفعال القلب اهـ. (ردّ المحتار: ۳۵۱/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الخشوع) ظفیرؒ

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۵۱/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الكراهة التّحريمية والتّنزيهية.

## اذان واقامت میں 'اللہ اکبر' اوّل کی راء پر پیش پڑھنا خلاف سنت ہے

**سوال:** (۱۳۵) اذان واقامت وتکبیرات میں لفظ اللّٰہ أکبر اللہ أکبر کی راء اوّل کو وصل کی حالت میں مفتوح پڑھنا چاہیے یا مضموم؟ ردالمحتار میں فتح کو سنت لکھا ہے۔ (۱۳۴۵/۱۲۷۶ھ)

**الجواب:** اللّٰہ أکبر اوّل کی راء کو ساکن کرے یا مفتوح، اور اللّٰہ أکبر ثانی کو ساکن کرے وقفًا، کما في الشّامي: وحاصلها أنّ السّنّة أن یُسَکِّن الرّاء من " اللّٰهُ أکبر" الأوّلِ، أو یَصِلَها بـ " اللّٰهُ أکبر" الثّانیةِ، فإن سکنها کفی، وإن وصلها نوی السّکون فحَرَّك الرّاء بالفتحة، فإن ضمّها خالف السّنةَ، لأنّ طلب الوقف علیٰ " أکبر" الأوّلِ صَیَّرَهٗ کالسّاکن أصالةً فحُرِّك بالفتح إلخ[1] (شامي عن رسالة السّیّد عبد الغني) فقط (۱۱۵/۲-۱۱۶)

**وضاحت:** اذان واقامت کے تمام کلمات کے آخر کو ساکن کرنا مسنون ہے، حرکت دے کر پڑھنا خلاف سنت ہے، البتہ پہلے اللّٰهُ أکبر کی راء پر زبر لگا کر دوسرے اللّٰهُ أکبر سے ملا کر اس طرح کہے کہ اللّٰهُ أکبرَ اللّٰهُ أکبرْ تو یہ صحیح ہے، عالم گیری میں ہے: ویسکن کلماتهما علی الوقف، لکن في الأذان حقیقةً وفي الإقامة ینوي الوقفَ: اذان واقامت کے کلمات کو وقف کر کے ساکن کرے، لیکن اذان میں حقیقۃً وقف کرے (یعنی ہر کلمہ پر ٹھہرے) اور اقامت میں وقف کی نیت کرے۔ (الفتاوی الهندیّة: ۵۶/۱، کتاب الصّلاة، الباب الثّاني في الأذان)

محمد امین پالن پوری

---

(۱) ترجمہ: شامی میں ہے: سنت یہ ہے کہ پہلے اللّٰہُ اکبر کی راء کو ساکن کرے، یا اس کو دوسرے اللّٰہُ اکبر سے ملائے، اگر پہلے اللّٰہُ اکبر کی راء کو ساکن کیا تو کافی ہے، اور اگر اس کو ملایا تو سکون کی نیت کرتے ہوئے راء کو فتحہ (زبر) دے، اگر راء پر، ضمہ (پیش) پڑھا تو سنت کے خلاف کیا، اس لیے کہ پہلے اکبر پر وقف کرنا ساکن اصلی کے حکم میں ہے (پس بہ حالت وصل التقائے ساکنین سے بچنے کے لیے) راء پر فتح پڑھا جائے گا۔ (ردّ المحتار: ۴۸/۲، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في الکلام علی حدیث الأذان جزم) محمد امین پالن پوری

## چند جاہل مسجد میں تنہا تنہا نماز پڑھیں تو اذان کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۱۳۶) مسجد میں دو چار آدمی جمع ہوتے ہیں، اور سب جاہل ہیں، امامت کے قابل کوئی نہیں، سب علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں اذان پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اور امامت کے ساتھ نماز پڑھی جاوے یا علیحدہ علیحدہ؟ (۱۳۴۵-۴۴/۸۷۴ھ)

**الجواب:** بہ حالت مذکورہ اذان نہ چھوڑی جاوے جماعت ہو یا نہ ہو(۱) اوّل تو جماعت ضرور کرنی چاہیے، امامت کے لائق کوئی ہو یا نہ ہو؛ جاہلوں کا امام جاہل ہوسکتا ہے(۲) جماعت سنت مؤکدہ قریب بہ واجب ہے، بلا عذر جماعت نہ چھوڑی جاوے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۷/۲)

## مؤذن کا بلند آواز ہونا امر مستحب ہے

**سوال:** (۱۳۷) اگر کوئی شخص بلند آواز بہ وقت اذان کے مسجد میں موجود نہ ہو، اور مؤذن مقرر نہ ہو، تو کم آواز والوں کو اذان کہنا جائز ہے یا آخر وقت تک بلند آواز والے کا انتظار کرے؟

(۱۳۳۴-۳۳/۳۸۲ھ)

**الجواب:** مؤذن کا جہری الصوت ہونا امر مستحب ہے، اس کے انتظار کے لیے اخیر وقت تک اذان مؤخر کرنا نہیں چاہیے۔ قال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم : الوقت الأوّل رضوان الله

---

(۱) الأذان سنّة للصّلوات الخمس والجمعة لا سواها . (الهداية:۸۶/۱، كتاب الصّلاة ، باب الأذان)

(۲) إمامة الأمّي قومًا أمّيين جائزة كذا في السّراجيّة. (الفتاوى الهندية :۸۵/۱، كتاب الصّلاة الباب الخامس في الإمامة )ظفیرؒ

(۳) الجماعة سنّة مؤكّدة إلخ و في البدائع تجب على الرّجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصّلاة بالجماعة من غير حرج . (الفتاوى الهندية : ۸۲/۱، كتاب الصّلاة الباب الخامس في الإمامة )ظفیرؒ

الحدیث (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۹)

## جوتے پہن کر اذان دینا کیسا ہے؟

**سوال:** (۱۳۸) اذان جوتے سمیت جائز ہے یا نہیں؟ (۳۲/۲۴-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** جائز ہے (۲) (اگر جوتوں کے نیچے ناپاکی لگی ہوئی ہو تو جوتے نکال کر اذان کہنا بہتر ہے۔ محمد امین) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۲۱)

## اذان کے وقت مؤذن اور سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۱۳۹) حالت اذان میں مؤذن اور اذان سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے؟
(۴۵۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** حالت اذان میں مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور اس کے ذمہ جواب دینا لازم نہیں؛ لیکن اگر حالت اذان میں سوائے مؤذن کے اور کسی کو سلام کرے تو مکروہ نہیں۔ کما في الشّامي جلد اوّل : وحاصلها أنّه يأثم بالسّلام على المشغولين بالخطبة إلخ أو الأذان والإقامة (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۳۰)

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: الوقت الأوّل من الصّلاة رضوان الله والوقت الآخر عفوّ الله ، رواه التّرمذي. ( مشكاة المصابيح، ص:۶۱، كتاب الصّلاة ، باب تعجيل الصّلاة ، الفصل الثّاني)

(۲) وينبغي لداخله تعاهُدُ نعلِه وخُفّه ، وصلاتُه فيهما أفضل (الدّرّ المختار) قوله : (وصلاته فيهما) أي في النّعل والخُفّ الطّاهرين أفضلُ مخالفة لليهود تاترخانية ، وفي الحديث: صَلّوا في نِعالكم ولا تشبّهوا، باليهود، رواه الطّبراني. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۷۱-۳۷۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في أحكام المسجد ) جب نماز جائز ہوئی تو اذان بہ درجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ظفیرؒ

(۳) ردّ المحتار: ۲/۳۲۴، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب الموضع الّتي لايجب فيها ردّ السّلام .

==

## اذان شروع ہونے کے بعد پاخانہ پیشاب کو جانا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۰) اذان شروع ہونے کے بعد پاخانہ پیشاب کو جانا درست ہے یا جب اذان ختم ہوجاوے اس وقت جاوے؟ اور اگر بہت زور سے آرہا ہو تو کیا حکم ہے؟ (۶۶۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** اگر ضرورت زیادہ ہو فوراً پوری کرے، انتظار ختم اذان کا نہ کرے، اور اگر سخت ضرورت نہیں تو بہتر ہے کہ بعد اذان پوری کرے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۰/۲)

## گھر میں نماز پڑھنے والا اذان کہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۱) اگر بہ وجہ کسی عذر قوی کے مسجد میں نہ پہنچ سکے یا اذان مسجد و جماعت میں تاخیر ہو، اور اس کو بوجہ بیماری یا کسی اور عذر کے نماز میں تعجیل ہو، تو مکان میں اذان کہہ کر نماز پڑھنا جائز ہوگا یا ناجائز؟ مسجد کی اذان و جماعت تک تاخیر نماز نہیں کرسکتا بہ وجہ عذر کے، اور اگر نماز اذان کہہ کر نہیں پڑھتا ہے، تو ثواب سے محروم رہتا ہے، ایسے موقعہ میں کیا کرے؟ اذان کہے یا نہ کہے؟ یا اذان مسجد تک توقف کرے؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اگر عذر کی وجہ سے جماعت ساقط ہوگئی اور وہ شخص مصر میں ہے تو اذان بھی ساقط ہوجاتی ہے، شامی جلد اوّل، ص: ۲۸۳: **لكن لا يكره تركه لمصلٍّ في بيته في المصر، لأنّ أذان الحيّ يكفيه** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۵/۲)

---

== وهٰكذا في الكبيري للعلّامة الحلبي : قال وفي التّجنيس لا يكره الكلام عند الأذان بالاجماع إلخ . (غنية المستملي، ص: ۳۲۸، فصل في صفة الصّلاة ) (جمیل الرحمٰن)

(۱) ويندب القيام عند سماع الأذان بزّازيّة (الدّرّ المختار) قال الشّارح : لم أره فيها فلتُراجَع نسخةٌ أخرى نعم رأيت فيها سمع وهو يمشي فألأفضل أن يقف للإجابة ليكون في مكان واحدٍ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۶۱-۶۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد ) ظفیرؔ

(۲) ردّ المحتار: ۲/۴۵، كتاب الصّلاة ، باب الأذان .

## اذان میں صلّوا في رحالکم کہنا

**سوال:** (۱۴۲) کثرتِ بارش کے وقت جب اذان دینے والا بجائے حيّ علی الصّلاة وحيّ علی الفلاح کے صلّوا في رحالکم کہے، تو جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ لوگ مسجد میں نہ آسکیں (۳۶۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** اذان کہنے والا حيّ علی الصّلاة وحيّ علی الفلاح ہی کہے، باقی بہ وجہ کثرتِ بارش اگر کوئی شخص مسجد میں آ کر (جماعت میں)(۱) شریک نہ ہوسکے تو درست ہے، اور ترک جماعت بارش کی وجہ سے جائز ہے (۲) لیکن اذان میں کچھ تغیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور حنفیہ نے اذان میں کچھ تغیر کو اختیار نہیں کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۹/۲)

## جنبی کو اذان کا جواب دینا جائز ہے

**سوال:** (۱۴۳) درحالت جنابت اجابت اذان جائز است یا نہ؟ (۱۵۸۲/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** في الدّرّ المختار: ویجیب ...... من سمع الأذان ولو جنبًا إلخ . یعنی ہر کہ اذان بشنود اجابت کند اگر چہ جنبی باشد وعلّله في الشّامي بأن إجابة الأذان لیست بأذان . بحر عن الخلاصة (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۶/۲)

**ترجمہ سوال:** (۱۴۳) حالتِ جنابت میں اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** درّ مختار میں ہے: ویجیب مَن سمع الأذان إلخ ، یعنی ہر وہ شخص جو اذان سنے؛

---

(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲

(۲) فلا تجب (أي الجماعة) علی مریض إلخ ولا علی من حال بینه و بینها مطر وطین (الدّرّ المختار) أشار بالحیلولة إلی أنّ المراد المطر الکثیر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۴۹/۲، کتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد) ظفیرؒ

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۹/۲-۶۰، کتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد .

جواب دے، اگر چہ جنبی ہو، اور شامی میں اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اذان کا جواب دینا اذان دینے کے حکم میں نہیں ہے، البحرالرائق نے خلاصہ سے نقل کیا ہے۔

## اقامت کا جواب دینا مستحب ہے اور امام کا تکبیر ختم ہونے کے بعد نماز شروع کرنا بہتر ہے

**سوال:** (۱۴۴) اقامت میں کلمات مؤذن کا جواب دینا مثل اذان کے مستحب ہے یا مؤکد؟(۱) لیکن جب کہ امام کو قد قامت الصّلاۃ پرنیت باندھنے کا حکم ہے تو مقتدی بقیہ کلماتِ مؤذن کا جواب دے کر شریک جماعت ہوں یا کیا؟ (۳۹۰/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** مستحب ہے(۲) اور اس مستحب کے ادا کرنے کے لیے علامہ شامی نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بعد ختم اقامت تکبیر تحریمہ کہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۱/۲)

## اذان کے جواب میں جو کلمات کہے جاتے ہیں ان کا ثبوت

**سوال:** (۱۴۵) تمام کلمات اذان کا جواب بعینہٖ انہیں کلمات کے ساتھ دینے کا حکم ہے سوائے حيّ علی الصّلاۃ اور حيّ علی الفلاح کے اور الصّلاۃ خیر من النّوم کے کہ ان کے جواب میں لاحول ولاقوّۃ إلاّ باللّٰہ اور صدقت وبررت کہا جاتا ہے، اس کی دلیل عقلی کیا ہے؟ (۱۲۷۰/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (مؤکد) کی جگہ ''مؤکدہ'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ویجیب الإقامة ندبًا إجماعًا کالأذان. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶۴/۲-۶۵، کتاب الصّلاۃ، باب الأذان، قبل مطلب هل باشر النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم الأذان بنفسه) ظفیرؔ

(۳) وَشُرُوْعِ الإمام في الصّلاۃ مُذْ قِیْلَ قد قامت الصّلاۃ، ولو أخّر حتّی أتمّها لَا بأسَ بهٖ إجماعًا وهو قول الثّاني والثّالثة، وهوَ أعْدَلُ الْمَذَاهِبِ إلخ، وفي القُهِسْتَانِيِّ مَعْزِیًّا للخُلَاصةِ أنّه الأصحُّ (الدّرّ المختار) لأنّ فیه محافظةً علی فضیلة متابعة المؤذّن وإعانةً له علی الشّروع مع الإمام. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۵۶/۲، کتاب الصّلاۃ، باب صفة الصلاۃ، آداب الصّلاۃ) ظفیرؔ

**الجواب:** اس کی دلیل نقلی ہی کافی ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۱)

## اذان کے جواب میں کیا کہنا چاہیے؟

**سوال:** (۱۴۶) وقت اذان حکم در حدیث ایجاب بود، حالانکہ دریں زمان بعد ختم اذان کلمہ طیبہ می گویند، چہ حکم شرعی است؟ (۱۰۰۶/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** بہ وقت اذان سامعین رامستحب است کہ ہماں کلمات را کہ مؤذن می گویند سامعین ہم می گویند، ودر حیعلتین لاحول ولاقوۃ الا باللہ گویند، وبعد ختم اذان دعائے ماثورہ: اللّٰهم ربّ هذهٖ الدّعوة التّامّة إلخ بہ گویند، وظاہراست کہ اتباع ماثور اولیٰ واحب است(۲) فقط واللہ اعلم (۲/۹۷)

---

(۱) عن عمر رضي اللّٰه عنه قال :قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: إذا قال المؤذّن : اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر فقال أحدكم: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، ثمّ قال: أشهد أن لا إلٰه إلّا اللّٰه قال : أشهد أن لا إلٰه إلّا اللّٰه ، ثمّ قال: أشهد أنّ محمّدًا رّسول اللّٰه قال :أشهد أنّ محمّدًا رّسول اللّٰه ، ثمّ قال: حيّ على الصّلاة قال : لا حول ولا قوّة إلّا باللّٰه ، ثمّ قال: حي على الفلاح قال: لا حول ولا قوّة إلّاباللّٰه ، ثمّ قال:اللّٰه أكبراللّٰه أكبر قال: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ثمّ قال: لا إله إلّا اللّٰه قال: لا إله إلّا اللّٰه من قلبه دخل الجنّة،رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:٦٥، كتاب الصّلاة باب فضل الأذان وإجابة المؤذّن ، الفصل الأوّل)

ويجيب ...... من سمع الأذان ...... بأن يقول بلسانه كمقالته ...... إلّا في الحيعلتين فيُحَوْقِل، وفي:الصّلاة خير من النّوم فيقول : صدقت وبررت. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۹-٦١، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرارالجماعة في المسجد)

(۲)ويجيب وجوبًا، وقال الحلوانيّ ندبًا والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان إلخ بأن يقول بلسانهٖ كمقالتهٖ إلخ إلّا في الحَيْعَلَتَينِ فيحو قل وفي "الصّلاة خيرٌ من النّوم" فيقول: "صدقت وبررت" إلخ ، ويدعو عند فراغهٖ بالوسيلة لرسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم (الدّرّ المختار) وروى البخاريّ وغيره : من قال حين يسمع النّداء : "اللّٰهمّ ربّ هٰذهٖ الدّعوة التّامّة والصّلاة القائمة آت محمّدًا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقامًا محمودًا الّذي وعدّته" أحلّت له شفاعتي يوم القيامة ، وزاد البيهقي في آخره:"إنّك لا تخلف الميعاد". (الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۹-٦٢، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرارالجماعة في المسجد)ظفیرؔ

**ترجمہ سوال:** (۱۴۶) اذان کے وقت حدیث میں جواب دینے کا حکم آیا ہے، جب کہ اس زمانہ میں اذان ختم ہونے کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں؛ شرعی حکم کیا ہے؟

**الجواب:** اذان کے وقت سننے والوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ تمام کلمات جو مؤذن کہتا ہے؛ سننے والے بھی کہیں، اور حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہیں، اور اذان پوری ہونے کے بعد دُعائے ماثورہ اللّٰهم ربّ هٰذه الدّعوة التّامّة إلخ کہیں، اور ظاہر ہے کہ منقول کی اتباع اولیٰ اور پسندیدہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

## اذان کا جواب قولاً مستحب اور بالقدم واجب ہے

**سوال:** (۱۴۷) اجابت اذان قولی وفعلی دونوں واجب ہے یا اوّل واجب ہے؟ دوسری مستحب؟ یا عکس اس کا؟ (۲۷۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** اجابت اذان قولاً مستحب ہے، اور بالقدم واجب ہے۔ قال في الشّامي : أي قال الحلواني : إنّ الإجابة باللّسان مندوبة ، والواجبة هي الإجابة بالقدم إلخ (۱) والتّحقيق في الشّامي، وقد ذكر إشكالاً في وجوبها، ثمّ أجاب عنه، فلينظر ثمه (۲) فقط (۸۶/۲-۸۷)

(۱) ردّ المحتار: ۶۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد .

(۲) قال في النّهر و قوله : بوجوب الإجابة بالقدم مشكل، لأنّه يلزم عليه وجوب الأداء في أوّل الوقت وفي المسجد إذ لا معنى لايجاب الذّهاب دون الصّلاة ، و ما في شهادات المجتبیٰ: سمع الأذان وانتظر الإقامة في بيتهٖ لا تقبل شهادته مخرج على قوله كما لا يخفى، و قد سألت شيخنا الأ خ ، عن هذا فلم يبد جوابًا اهـ .

أقول وباللّٰه التّوفيق : ما قاله الإمام الحلوانيّ مبنيّ على ما كان في زمن السّلف من صلاة الجماعة مرّةً واحدةً وعدم تكرارها كما هو في زمنهٖ صلّى اللّٰه عليه وسلّم و زمن الخلفاء بعده ، وقد علمت أنّ تكرارها مكروه في ظاهر الرّواية إلاّ في رواية عن الإمام ورواية عن أبي يوسفؒ كما قدّمناه قريبًا وسيأتي أنّ الرّاجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة ، وأنّه يأثم بتفويتها اتّفاقًا . ==

# جو شخص اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو اس پر اذان کا جواب واجب ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۱۴۸) زید مغرب کی اذان سے پیشتر مسجد میں بیٹھا ہوا چند آدمیوں سے کوئی مسئلہ بیان کرر ہا تھا، اذان مغرب شروع ہوئی، مگر زید نے اپنی تقریر کو بند نہیں کیا، نہ اذان سنی اور نہ جواب دیا، وہ کہتا ہے کہ علم دین سکھانے والے پر جواب اذان واجب نہیں، اس بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۲۹۳۷/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** جو شخص مسجد میں بہ وقت اذان موجود ہو تو اس کو اجابت باللسان کرنا مستحب ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ کے بیان کی وجہ سے وہ خاموش نہ ہوا اور اذان کا جواب نہ دیا تو گنہ گار نہیں ہوا۔ البتہ بہتر یہ تھا کہ خاموش ہو کر اذان کا جواب دیتا، لیکن ترک مستحب پر طعن نہیں ہو سکتا اور بعض فقہاء اگر چہ وجوب اجابت باللسان کے بھی قائل ہیں مگر صحیح وراجح عدم وجوب ہے(۱) فقط (۱۰۶/۲)

---

== وحينئذ يجب السّعي بالقدم لا لأجل الأداء في أوّل الوقت أوفي المسجد ، بل لأجل إقامة الجماعة ، و إلاّ لزم فوتها أصلاً ، أو تكرارها في مسجد إن وجد جماعة أخرىٰ ، و كلّ منهما مكروه ، فلذا قال بوجوب الإجابة بالقدم .

لايقال : يمكنه أن يجمع بأهلهٖ في بيتهٖ : فلا يلزم شيء من المحذورين ؛ لأنّا نقول : إن مذهب الإمام الحلوانيّ أنّه بذلك لا ينال ثواب الجماعة، وأنّه يكون بدعة ومكروها بلا عذر نعم قد علمت أن الصحيح أنه لايكره تكرار الجماعة إذا لم تكن على الهيئة الأولى ، وسيأتي في الإمامة أنّ الأصحّ أنّه لو جمع بأهلهٖ لا يكره وينال فضيلة الجماعة؛ لكن جماعة المسجد أفضل . (ردّ المحتار : ۶۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) ظفیرؔ

(۱) ويجيب وجوبًا وقال الحلوانيّ ندبًا ...... من سمع الأذان (الدّرّ المختار) أي قال الحلوانيّ أنّ الإجابة باللّسان مندوبة والواجبة هي الإجابة بالقدم . (ردّ المحتار : ۵۹/۲-۶۰، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) ظفیرؔ

## اذان کے بعد مسجد کی طرف چلنا ضروری ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۱۴۹) سنا ہے کہ اذان ہونے پر جو شخص مسجد میں نہ جاوے تو گنہ گار ہے، اگر دوسرے شخص کے تاکید کرنے سے بھی وہ نماز کو نہ جاوے تو کافر ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۷۴۶/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص اذان سن کر مسجد میں نہ جائے اور باجماعت نماز ادا نہ کرے وہ بھی گنہ گار ہے[1] اور اگر بالکل ہی تارک نماز ہے کہ نہ مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور نہ اپنے گھر پر نماز ادا کرتا ہے تو وہ اشد درجہ کا فاسق وعاصی ہے، اور بعض ائمہ اس کو کافر کہتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: من ترك الصّلاة متعمّدًا فقد كفر [2] یعنی جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا، یعنی قریب کفر کے ہو گیا، اور انکار کرنا فرضیّت نماز کا بہ اتفاق کفر ہے[3] أعاذنا الله تعالىٰ منه . فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۲/۲)

## قرآن اور درود پڑھتے وقت اذان شروع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۱۵۰) کلام مجید یا درود شریف پڑھتا ہو، اور اذان ہونے لگے تو اذان کا جواب دے یا نہ دے اور پڑھتا رہے؟ (۱۰۵۴/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** درمختار اور شامی میں ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت موقوف کر کے جواب اذان کا دے

(۱) الجماعة سنّة مؤكّدة لقوله عليه السّلام : الجماعة من سنن الهدى لا يتخلّف عنها إلاّ منافق . (الهداية :۱/۱۲۱، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة) ظفیرؒ

(۲) عن أنس بن مالك رضى الله عنهُ قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: من ترك الصّلاة متعمّدًا فقد كفر جهارًا. (المعجم الأوسط للطّبرانى: ۲/۲۹۹، باب الجيم، من اسمه جعفر، رقم الحديث:۳۳۴۸، المطبوعة: دارالكتب العلميّة، بيروت، ومرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح:۱/۱۳۲، كتاب الإيمان – الفصل الأوّل، رقم الحديث:۴)

(۳) ويَكْفُرُ جاحدُهَا لثبوتها بدليل قطعيّ وتاركها عمدًا مجانةً أي تكاسلاً فاسق .
(الدّرّ المختار مع الشّامي: ۲/۷، أوائل كتاب الصّلاة)

پس درود شریف کا بھی یہی حکم ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۵/۲)

**سوال:** (۱۵۱) قرآن کا حفظ یا دیکھ کر پڑھنے میں اذان کا جواب جو واجب ہے دینا چاہیے یا قرآن {کی تلاوت} (۲) جاری رکھنا جائز ہے؟ (۱۳۳۷/۷/۱۵ھ)

**الجواب:** اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اگر قرآن شریف کو بند کر کے جواب اذان کا دے تو اچھا ہے، اور اگر قرآن شریف ہی پڑھتا رہے اور جواب نہ دے تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ فقط (۹۳/۲)

## اذان بلا ترجیع افضل ہے

**سوال:** (۱۵۲)......(الف) اذان ترجیع کے ساتھ کہنا افضل ہے یا بلا ترجیع؟ (۱۳۳۴-۳۳/۲۱۱ھ)

**الجواب:** (الف) عندالحنفیہ اذان میں ترجیع نہیں ہے، بلکہ درمختار میں فرمایا کہ ترجیع مکروہ ہے:

(۱) ولو كان في المسجد حين سمعهٗ ليس عليه الإجابةُ ولو كان خارجَه أجاب إلخ فيقطع قراء ة القرآن لو كان يقرء بمنزلهٖ ، و يجيب لو أذان مسجده كما يأتي ، و لو بمسجد لا لأنّه أجاب بالحضور. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) ظفیرؒ

فتاوی رحیمہ میں ہے: مسجد میں ہو تو تلاوت جاری رکھنے کی اجازت ہے، مکان میں ہو تو تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دینا چاہیے، البتہ دوسرے محلّہ کی مسجد کی اذان ہو تو مکان میں بھی تلاوت جاری رکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ و إذا سمع المسنون منه أي الأذان وهو مالا لحن فيه ولا تلحين (أمسك) حتّى عن التّلاوة ليجيب المؤذن ولو في المسجد وهو الأفضل ، وفي الفوائد يمضي على قراء ته إن كان في المسجد ، و إن كان في بيته فكذلك إن لم يكن أذان مسجده (قوله: إن لم يكن أذان مسجده ) أي فتندب إجابته (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح ، ص:۲۰۲ ، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، ط : دار الكتاب ، ديوبند) ذکر و تسبیح ہر حال میں بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے، مسجد میں ہو یا گھر میں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمہ کامل، ۲/ ۴۰۸، اذان و اقامت کا بیان، سوال نمبر: ۳۵۶، مطبوعہ: مکتبۃ الاحسان دیوبند) محمد امین پالن پوری

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا ہے۔ ۱۲

ولا ترجیع فإنّه مکروه ملتقی (۱) شامی نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی مراد ہے (۲) اور یہ بھی شامی میں ہے: لاتّفاق الرّوایات علیٰ أنّ بلالاً لم یکن یرجع ، وما قیل : إنّه رجع لم یصحّ ، ولأنّه لیس في أذان الملك النّازل بجمیع طرقهٖ إلخ (۱)[ وما روی من التّرجیع في أذان أبي محذورة یعارضه ما رواه الطّبراني إلخ] (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۴/۲)

سوال: (۱۵۳)...... (الف) اذان میں جو بعض آدمی شہادتین دو دو دفعہ ہلکی آواز سے کہہ کر پھر دو دو دفعہ بلند آواز سے کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اذان حضرت بلال کی کونسی ہے؟ (۸۷۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) یہ ترجیع ہے (۴) جو حنفیہ کے نزدیک اذان میں سنت نہیں ہے، یہ ابو محذورہؓ کی حدیث میں وارد ہے (۵) ان کو آنحضرت ﷺ نے بہ غرض تعلیم شہادتین کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا (۶)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۸/۲، کتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في الکلام علی حدیث الأذان جزم .

(۲) وحینئذ فالکراهة المذکورة تنزیهیّة .(ردّ المحتار: ۴۸/۲، باب الأذان)

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔

(۴) التّرجیع : أن یخفض صوته بالشّهادتین ثمّ یرجع فیرفعه بهما . (ردّ المحتار: ۴۸/۲، کتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في الکلام علی حدیث الأذان جزم)

(۵) عن أبي محذورة رضي اللّٰه تعالی عنه قال:قلت یا رسول اللّٰه! علّمني سنة الأذان، قال : فمسح مقدّم رأسي قال: تقول : اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر ، اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر ترفع بها صوتك ، ثمّ تقول : أشهد أن لآ إله إلّا اللّٰه ، أشهد أن لآ إله إلّا اللّٰه ، أشهد أنّ محمّدًا رّسول اللّٰه ، أشهد أنّ محمّدًا رّسول اللّٰه ، تخفض بها صوتك ثمّ ترفع صوتك بالشّهادة أشهد أن لآ إله إلّا اللّٰه ، أشهد أن لآ إله إلّا اللّٰه ، أشهد أنّ محمّدًا رّسول اللّٰه ، أشهد أنّ محمّدًا رّسول اللّٰه ، حيَّ علی الصّلاة،حيَّ علی الصّلاة،حيَّ علی الفلاح، حيَّ علی الفلاح ، فإن کان صلاة الصّبح قلتَ: الصّلاة خیر من النّوم ، الصّلاة خیر من النّوم ، اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر ، لآ إله إلّا اللّٰه . (سنن أبي داؤد، ص:۷۲، کتاب الصّلاة ، باب کیف الأذان)

(۶) ولنا أنه لا ترجیع في المشاهیر و کان ما رواه تعلیمًا فظنّه ترجیعًا (الهدایة ، ص:۸۷/۱، کتاب الصّلاة ، باب الأذان)

اورحضرت بلالؓ کی اذان [میں] (۱) اور ملك نازل من السّماء کی اذان میں [یہ] (۱) ترجیع نہ تھی، اس پر حنفیہ کا عمل ہے۔

(ب) حضرت بلالؓ کی اذان ایسے ہی تھی جیسے اب کہی جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۴/۲)

## اذان میں حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَل کہنا جائز نہیں

**سوال:** (۱۵۴) پنج گانہ نماز کی اذان میں بجائے حيّ على الفلاح کے حيّ علىٰ خير العمل کہنا درست ہے یا نہیں؟ کوئی حدیث موجود ہے یا نہیں؟ اور متقدمین اور متاخرین کا کیا عمل رہا ہے؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** پنج گانہ نماز کی اذان میں بجائے حيّ على الفلاح کے حيّ علىٰ خير العمل کہنا جائز نہیں ہے، تمام احادیث صحیحہ میں حيّ على الصّلاة حيّ على الفلاح وارد ہے، ملک نازل من السماء کی اذان میں یہ ہی کلمات ہیں حيّ علىٰ خير العمل نہیں ہے۔ اور فرشتہ نازل من السماء ہی کی اذان اس بارے میں اصل ہے، اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ثابت و قائم رکھا، اس پر سب صحابہ اور تمام امت کا عمل درآمد رہا ہے اور ہے۔ خلافِ سنت متوارثہ اور خلافِ اجماع کوئی امر اختیار کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ مَنْ شَذّ شَذَّ في النّار: (جو شخص سوادِ اعظم سے علاحدہ ہوا وہ سوادِ اعظم سے علاحدہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا) حدیث شریف میں وارد ہے (۲) تمام ائمہ دین کا یہی مسلک اور طریقہ ہے، کسی کا اس میں خلاف نہیں بجز روافض کے (۳) خذلهم الله تعالىٰ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۸-۱۱۹)

---

(۱) قوسین کے درمیان والے لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ شدہ ہیں۔۱۲

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: اتّبعوا السّواد الأعظم فإنّه من شَذّ شَذّ في النّار، رواه ابن ماجة من حديث أنس رضي الله عنه. (مشكاة المصابيح، ص:۳۰، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة، الفصل الثّاني)

(۳) فرع في شرح المهذّب للشّافعيّة: يكره أن يقال في الأذان: "حيّ على خير العمل" لأنّه لم يثبت عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم: والزّيادة في الأذان مكروهة اهـ وقد سمعناه الآن عن الزّيدية ببعض البلاد. (البحر الرّائق: ۱/۴۵۴، كتاب الصّلاة، باب الأذان) ظفیرؒ

## مؤذن کا اذان وتکبیر میں محمد رسول اللہ پر درود پڑھنا ثابت نہیں

سوال: (۱۵۵) اذان وتکبیر میں جب (۱) محمد رسول اللہ ﷺ آتا ہے؛ تو اذان کا کہنے والا ٹھہر کر صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کہتا ہے (کیسا ہے؟) (۸۷۳/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** ایسا کہنا اذان میں ثابت نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۴/۲)

سوال: (۱۵۶) اقامت واذان میں مؤذن حضرت کے نام پر درود پڑھے یا بہتر کیا ہے؟ (۱۰۵۴/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** مؤذن کو درمیان اذان واقامت میں حکم درود شریف پڑھنے کا نہیں ہے، اور ایسا ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۹۴-۹۵)

## تکبیر کے وقت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا

سوال: (۱۵۷) مؤذن کا نماز کی تکبیر واقامت سے پہلے دُرود جہریہ کے پڑھنے کو بعض منع کرتے ہیں اور بعض اس کو مستحب قرار دیتے ہیں؛ کونسا قول صحیح ہے؟ (۳۰۵/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** شامی میں مواضع استحبابِ دُرود شریف میں لکھا ہے: **وعند الإقامة** یعنی تکبیر کہنے کے وقت بھی درود شریف مستحب ہے (۳) لیکن جہر کی قید اس میں نہیں ہے، اور جہر کو فقہاء نے سوائے

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں 'جب' کے بعد 'لفظ' ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'لفظ' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔ ۱۲

(۲) فرعٌ في شرح المُهذَّب للشافعيّة : يكره أن يقال في الأذان : حيَّ على خير العمل ؛ لأنّه لم يَثْبُتْ عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، والزّيادة في الأذان مكروهة أهـ . (البحر الرّائق: ۱/۴۵۴، كتاب الصلاة ، باب الأذان)

(۳) ومستحبّة في كلّ أوقات الإمكان (الدّرّ المختار) قوله:(ومستحبّة في كلّ أوقات الإمكان)أي حيث لا مانع ، ونصّ العلماء على استحبابها في مواضع: يوم الجمعة ، وليلتها ، وزيد يوم السّبت والأحد والخميس لما ورد في كلّ من الثّلاثة ، ==

ان مواضع کے جہاں جہر وارد ہے منع کیا ہے، پس بہتر ہے کہ درود شریف آہستہ پڑھے۔ فقط (۳۶/۵)

## اذان میں محمد رسول اللہ پر درود پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۱۵۸) اذان کے اندر رسول اللہ ﷺ کے نام پر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟
(۱۳۳۴/۱۵۱۲ھ)

**الجواب:** اذان میں جب نام رسول اللہ ﷺ کا سنے درود شریف پڑھنا مستحب ہے، (اور اذان کا جواب دینا بھی مستحب ہے) (۱) پس جس وقت مؤذن سے کلمہ أشهد أنّ محمّدًا رّسول الله سنے خود بھی یہ کلمہ کہہ کر ﷺ کہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۱/۲)

**استدراک:** اذان واقامت میں جب حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک آئے اس وقت صلّی الله علیه وسلّم کہنا ثابت نہیں۔ احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: اذان واقامت میں جب لفظ أشهد أنّ محمّدًا رّسول اللّه سنے تو درود شریف سامع پر واجب ہوگا یا مستحب؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: اذان واقامت میں حضور اکرم ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف نہ منقول ہے اور نہ معمول، بلکہ اس کے برعکس حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے، پھر اذان کے بعد پہلے درود شریف پڑھو پھر دعا۔ عن عبد اللّه بن عمرو بن العاص رضي اللّه عنه أنّه سمع النبيّ صلّى الله عليه وسلّم يقول: إذا سمعتم المؤذّن فقولوا مثل ما يقول، ثمّ صلّوا عليّ إلخ. (احسن الفتاوی، ۲/ ۲۷۸-۲۷۹، کتاب الصّلاة، باب الأذان والإقامة)

---

== وعند الصّباح والمساء، وعند دخول المسجد والخروج منه، وعند زيارة قبره الشّريف صلّى الله عليه وسلّم، وعند الصّفا والمروة، وفي خطبة الجمعة وغيرها، وعقب إجابة المؤذّن، وعند الإقامة إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۲۰۴، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب نصّ العلماء على استحباب الصّلاة على النبيّ صلّى الله عليه وسلّم في مواضع)

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔

اور حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ اسی جواب کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں:

اذان میں أشهد أنّ محمّدًا رسول الله کے جواب میں أشهد أنّ محمّدًا رسول الله کی صراحت ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: إذا قال المؤذّن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر، الله أكبر، ثمّ قال: أشهد أن لآ إلٰه إلّا الله، قال: أشهد أن لآ إلٰه إلّا اللّٰه، ثمّ قال: أشهد أنّ محمّدًا رّسول الله، قال: أشهد أنّ محمّدًا رّسول الله، الحديث. (الصّحيح لمسلم: ۱/ ۱۶۷، كتاب الصّلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذّن إلخ)

البتہ اذان کے ختم پر درود پڑھنے کا حکم ہے، ارشاد نبوی ہے: إذا سمعتم المؤذّن فقولوا مثل ما يقول ثمّ صلّوا عليّ فإنّه من صلّى عليّ صلاةً صلّى الله عليه بها عشرًا إلخ (الصّحيح لمسلم: ۱/ ۱۶۶، كتاب الصّلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذّن إلخ) والله أعلم. محمد امین

## اذان سے پہلے الصّلاۃ والسّلام الخ کہنا بدعت ہے

سوال: (۱۵۹) اذان کے قبل الصّلاة والسّلام عليك يا رسول الله وغیرہ جس کو صلاۃ کہتے ہیں اور مکہ ومدینہ (۱) میں ہوتی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۱۳۴/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۶/۲)

## اذان میں بہ وقت شہادتین انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا

سوال: (۱۶۰) اذان میں بہ وقت شہادتین انگوٹھوں کو بوسہ دینا کیسا ہے؟ جو شخص اس سے منع کرے اس کی اقتداء نماز میں جائز ہے یا نہیں؟ اور جو انگوٹھوں کو بوسہ نہ دے وہ گنہگار ہے یا نہ؟ اگر بوسہ دینا مستحب یا سنت ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (۱۵۰۷/ ۱۳۴۱ھ)

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں ''مکہ'' کے بعد ''معظّمہ'' اور ''مدینہ'' کے بعد ''منورہ'' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ ''معظّمہ اور منورہ'' نہیں ہیں؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ ۱۲

(۲) اس لیے کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے، واللہ اعلم۔ ظفیرؒ

**الجواب:** استحباب تقبیل ابہامین کی دلیل شامی کی یہ عبارت ہے: يستحبّ أن يقال عند سماع الأولٰی من الشّهادتين: ”صلّی اللّٰه عليك يا رسول اللّٰه“، وعند الثّانية منها: ”قُرّة عيني بك يا رسول اللّٰه“، ثمّ يقول: ”اللّٰهمّ متّعني بالسّمع والبصر“ بعد وضع ظفري الإبهامين علی العينين، فإنّه عليه السّلام يكون قائدًا له إلی الجنّة، كذا في كنز العبّاد اهـ قهستاني ونحوه في الفتاوٰی الصّوفية، وفي كتاب الفردوس: من قبّل ظفری إبهاميه عند سماع ”أشهد أنّ محمّدًا رسول اللّٰه في الأذان، أنا قائده ومدخله في صفوف الجنّة“ وتمامه في حواشي البحر للرّملي عن المقاصد الحسنة للسّخاوي. وذكر ذٰلك الجراحي وأطال، ثمّ قال: و لم يصحّ في المرفوع من كلّ هٰذا شيءٌ إلخ (۱) (شامي:۱/۲۶۷، باب الأذان)
آخر عبارت شامی سے یہ بھی واضح ہوا کہ کوئی مرفوع حدیث صحیح اس بارے میں نہیں ہے، غایت یہ کہ ضعیف حدیث پر بھی فضائل اعمال میں عمل کرنا درست ہے، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ اس فعل کو مسنون نہ سمجھے، كذا في الدّرّ المختار. پس چونکہ بعض عوام کو اس میں غلو ہوگیا اور اس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک پر طعن وملامت کرتے ہیں، اس لیے ترک اس کا علمائے محققین احوط سمجھتے ہیں (۲)

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۲/۶۲-۶۳، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد.

(۲) امداد الفتاوی میں ہے:

سوال: تقبیل الابہامین یعنی بہ وقت کہنے مؤذن کے أشهد أنّ محمّد رّسول اللّٰه بہ نام محمد ﷺ ناخن دونوں انگوٹھوں کے چوم کر آنکھوں پر رکھنے بدعت ہیں یا سنت؟ اگر اس کی کوئی اصل ہو تو وہ حدیث یا اثر جس قدر تعداد میں ذہن مبارک میں ہوں بہ قید نام کتاب حدیث باب وفصل وصفحہ مرقوم فرما کر ممنون ومشکور فرماویں، ایک دفعہ کسی صاحب نے اس کے متعلق دو حدیثیں دو کتابوں سے پیش کی تھیں، اگرچہ ضعیف تھیں لیکن کتابیں یاد نہیں رہیں، للہ جواب سے جلدی سرفرازی عطا فرماویں، والسّلام علی من اتّبع الهدی، نیز اگر وہ حدیثیں ضعیف ہوں تو ارشاد ہو کہ اُن پر عمل کرنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

جواب: مقاصد حسنہ سخاوی میں ان روایات کی تحقیق ہے، ان کا مضمون صرف یہ ہے کہ یہ عمل ہے رمد یعنی آشوب چشم کا مگر اب لوگ اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں، تو بدعت ہونا ظاہر ہے اور صحیح نیت پر بھی تشبّہ ہے اہل بدعت کے ساتھ، اس لیے ترک لازم ہے۔ (امداد الفتاوی: ۵/۲۶۰، کتاب البدعات، سوال: ۲۴۵) ==

اور وہ شخص گنہگار نہیں، اقتداء اس کی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۰۶-۱۰۷)

**سوال:** (۱۶۱) اذان میں أشهد أنّ محمّدًا رسول الله سن کر قرّة عيني بك يا رسول الله کہہ کر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا کیسا ہے؟ (۷۲۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اشہد ان محمدا رسول اللہ سن کر قرّة عيني بك يا رسول الله کہنا مستحب ہے، اور بعض روایات اس بارے میں نقل کی ہیں، جو ثابت نہیں ہے۔ اور قول و فعل رسول اللہ ﷺ وصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہ عمل ثابت نہیں ہے، پس ترک اس کا احوط ہے، بہ وقت اذان جو کلمات منقول ہیں اسی کو معمول بہ بنانا چاہیے، احداث فی الدین نہ کرے۔

جواب صحیح ہے، اس سوال کے متعلق یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ بعض احادیث موقوفہ بھی اس باب میں آئی ہیں، قطع نظر صحت سند کے اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں: ایک یہ کہ ان روایات میں یہ عمل بہ طور علاج وحفاظت رمد کے آیا ہے، جو ایک امر دنیوی ہے، اس میں کوئی فضیلت وغیرہ ثواب نہیں، اور اب لوگ اس کو ثواب وتعظیم نبوی کہ امر دینی ہے سمجھ کر کرتے ہیں، اور تداوی کو عبادت سمجھنا بدعت ہے، اس لیے یہ اس اعتقاد سے بدعت ہوگا۔

دوم یہ کہ کرنے والے اس کا التزام عملی واعتقادی کرتے ہیں، اور تارک کو مطعون سمجھتے ہیں۔ فقط، کتبہ: مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی مد ظلہم العالی (۲/۱۲۵-۱۲۶)

**سوال:** (۱۶۲) اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا اور قرّة عيني بك يا رسول الله پڑھنا کیسا ہے؟ (۴۲۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** علامہ شامی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے کہ شہادتین کے وقت اذان میں ایسا کرنا مستحب ہے، پھر جراحی سے نقل کیا ہے: ولم يصحّ في المرفوع من كلّ هذا شيء (۱) اور نہیں صحیح ہوا مرفوع حدیث میں اس میں سے کچھ، اس سے معلوم ہوا کہ سنت سمجھ کر یہ فعل کرنا صحیح نہیں ہے،

---

== تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۸/۵۶۱-۵۶۶، ایمان کا بیان، سوال نمبر (۸۴۴-تا-۸۵۲) اور فتاوی رحیمیہ کامل: ۱/۵۰۴-۵۱۱، سنت وبدعت کا بیان۔ سوال: (۸۰-۸۱) مطبوعہ: مکتبۃ الاحسان دیوبند۔ محمد امین پالن پوری

(۱) ردّ المحتار على الدرّ المختار: ۲/۶۳، كتاب الصّلاة، باب الأذان.

چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ اس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک کو ملام ومطعون کرتے ہیں؛ اس لیے اب اس کو علمائے محققین نے متروک کردیا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۰/۲)

# تثویب کا حکم

**سوال:** (۱۶۳) بعض شہروں میں ایسا کرتے ہیں کہ اوّل نماز جمعہ کے واسطے اذان اس کے بعد دومرتبہ بہ آواز بلند الصّلاۃ کہہ کر پکارتے ہیں پھر اس کے بعد خطبہ کی اذان ہوتی ہے، اور رمضان شریف میں بعد اذان عشاء ایسا ہی کرتے ہیں؛ اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۱۴۶۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** یہ تثویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر اطلاق بدعت کا کیا گیا ہے، اور بعض فقہاء نے اس کو جائز فرمایا ہے اور امام ابو یوسفؒ خاص قاضی ومفتی وغیرہ کے لئے اس کو جائز (کہتے)[2] ہیں اور اسی کو قاضی خان نے اختیار کیا ہے؛ پس احوط ترک ہے[3] فقط (۹۰/۲-۹۱)

---

(۱) کفایت المفتی میں ہے:

**سوال:** بے شک حدیث صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موضوع ہے، لیکن شامیؒ نے لکھا ہے کہ تقبیل ظفر ابہامین عند استماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عندالاذان جائز ہے۔

**جواب:** شامی نے اس مسئلے کو قہستانی سے اور قہستانی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے؛ نیز شامی نے فتاوی صوفیہ کا حوالہ دیا ہے، کنز العباد اور فتاوی صوفیہ دونوں قابل فتویٰ دینے کے نہیں ہیں، اور جب کہ حدیث کا ناقابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے اور اس کے تارک کو ملامت یا طعن کرنا مذموم۔ زیادہ سے زیادہ اس کو بہ طور علاج رمد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کرے تو مثل دیگر اعمال کے مباح ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت ثابت نہیں۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

(کفایت المفتی: ۳/ ۸، کتاب الصلاۃ، پہلا باب: اذان وتکبیر، جواب نمبر: ۷) محمد امین پالن پوری

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (کہتے) کی جگہ ''رکھتے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) (والتّثويب): وهو الإعلام بالصّلاة بين الأذان والإقامة بحسب ما تعارفه أهل كل بلد من لفظه (حسن) في كل صلاة لتواني النّاس في الأمور الدّينيّة، وقال أصحابنا المتقدّمون: أنه مكروه في غير الفجر لما روى التّرمذي وابن ماجه من حديث ابن أبي ليلیٰ ==

سوال: (۱۶۴) مؤذن کو بعد اذان کے امام یا دیگر نمازیوں کو بلانا درست ہے یا نہیں؟
(۱۲۶۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ اچھا نہیں ہے، الا بہ ضرورت کبھی ایسا ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ فقط (۱۰۳/۲)

سوال: (۱۶۵) فی زمانہ عوام کی حالت سخت خراب ہے، اگر امام ان کا انتظار نہ کرے تو سخت تنگ کرتے ہیں، کبھی اگر نماز پڑھے اور بعض لوگ رہ جاویں تو سخت تنگ کرتے ہیں، ایسی صورت میں ایک طالب نے کہا کہ تثویب طریقۂ مسنونہ ہے، مؤذن امام کو وقت نماز پر جب سب نمازی جمع ہو جاویں بلاسکتا ہے، اور یہ طریقہ متأخرین کا جاری کردہ ہے کہ بعد اذان قبل اقامت مسجد کے منارے پر چڑھ کر مقتدیوں کو پکارا جاوے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانا ثابت ہے:
أنّ بلالاً كان يجيء بباب النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم بين الأذانين ويؤذّنه بالصّلاة سوقول فیصل تحریر فرماویں۔ (۲۲۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ويثوّب بين الأذان والإقامة في الكلّ للكلّ (الدّرّ المختار) قوله: (في الكلّ) أي كلّ الصّلوات لظهور التّواني في الأمور الدّينيّة، قال في العناية: أحدث المتأخّرون التّثويب بين الأذان والإقامة علٰى حسب ما تعارفوه في جميع الصّلوات سوى المغرب مع إبقاء الأوّل يعني الأصل، وهو تثويب الفجر، وما راٰه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن (شامي) قوله: (للكلّ) أي كلّ أحد وخصّه أبويوسف بمن يشتغل بمصالحه العامّة كالقاضي والمفتي والمدرّس واختاره قاضي خان وغيره. نهر [1] ان

== عن بلال رضي الله عنه، قال: أمرني رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن لا أثوِّب في شيء من الصّلاة إلّا في الفجر، قال أصحابنا: هو أن يقول بين الأذان والإقامة: "حَيَّ علَى الصّلاة حَيَّ على الفلاح" مرّتين. وقال غيرهم: هو أن يقول في أذان الفجر: "الصّلاةُ خيرٌ من النّومِ"مرّتينِ. ولما روي أنّ عليًّا رضي الله عنه رأى مؤذّنًا يثوِّب في العشاء قال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد، وكذا كرهه مالكٌ والشّافعيّ مطلقًا. (شرح النّقاية: ۶۲/۱، كتاب الصّلاة باب الأذان، قبل باب شروط الصّلاة، المطبوعة: المكتبة الإعزازية، ديوبند) ظفیرؒ

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۱/۲-۵۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أوّل من بنى المنائر للأذان.

عبارات سے معلوم ہوا کہ تثویب احداث متأخرین سے ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے قاضی ومفتی وغیرہ کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے، پس اجتناب اس سے بہتر ہے، اور کوئی ضرورت خاصہ ہو تو جائز ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۲۶-۱۲۷)

## جمعہ کی سنتوں سے پہلے مؤذن کا بلند آواز سے صلاۃ سنّۃ قبل الجمعۃ پکارنا درست نہیں

**سوال:** (۱۶۶) سنت جمعہ پڑھنے کے لیے ملک گجرات کی مسجدوں میں جو ایک صلاۃ سنّۃ قبل الجمعۃ پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز کہتا ہے، اور بغیر صلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ کہنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے، اور اس صلاۃ سنت قبل الجمعہ کا مسجد میں جمع ہو کر انتظار کرتے ہیں تا کہ موذن یہ صلاۃ کہے تو سنت جمعہ پڑھیں، بدیں الفاظ موذن پکارتا ہے: الصّلاۃ سنّۃ قبل الجمعۃ، الصّلاۃ رحمکم اللہ کا کہنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟ اور ابتدا اس صلاۃ سنت کی کہاں سے ہوئی؟ اور یہ صلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ اگر نہ کہی جائے اور سنت جمعہ کی پڑھ لیں تو سنت جمعہ ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ صلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ اگر کوئی نہ پکارے اور نہ کہے اور سنت قبل الجمعہ اور نماز جمعہ پڑھ لیوے تو غیر مقلد نجدی وہابڑھ بن جاتا ہے؟ اور حنفی مذہب اور اسلام سے نکل کر بے ایمان بددین ہو جاتا ہے؟ کیا تثویب جس کو فقہائے حنفیہ نے مستحسن جانا ہے وہ نمازوں کے لیے مخصوص ہے یا سنت قبل الجمعہ کے واسطے بھی صلاۃ مذکورہ (کا کہنا)(۱) شریعت محمدیہ میں ثابت ہے؟ معتبر کتب حنفیہ سے ثبوت اس صلاۃ مذکور کا مع دلائل شرعیہ مع نقل اصل عبارت کتب مستندہ و نام کتاب و نام مصنف کتاب وغیرہ صاف تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل کریں۔ (۱۹۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** صلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ پکارنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، بلکہ جس وقت زوال ہو جاوے اور اذان اوّل جمعہ کی ہو جاوے نمازیوں کو چاہیے کہ خود سنت قبل الجمعہ ادا کر لیویں، اور جب کہ وقت سنتوں کا ہو جاوے تو بغیر پکارے صلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ کے اگر کوئی شخص سنت قبل الجمعہ

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا ہے۔۱۲

پڑھ لے گا سنت ادا ہو جائے گی، اور اس سے غیر مقلد وغیرہ نہیں بنتا، یہ جاہلوں کے خیالات ہیں، اور تثویب جس کو بعض فقہاء نے بعض نمازوں میں بعض اشخاص کے لیے مستحب فرمایا تھا وہ فرائض کے ساتھ مخصوص ہے، اور تثویب بھی متروک ہے، بہ سبب خلاف سنت ہونے کے کہ صحابہ کرام نے اس پر انکار فرمایا ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۱۲۷-۱۲۸)

## جماعت کے لیے نقّارہ بجانا کیسا ہے؟

**سوال:** (۱۶۷) محلّہ شیش گراں میں صرف ایک مسجد ہے، اور محلّہ وسیع ہے، اذان کی آواز بھی سب جگہ نہیں جاتی، باشندگان محلّہ سب نمازی ہیں کاریگر (۲) لوگ ہیں، سب نمازوں کے وقت ان کے کام کے ہیں، اور کام پر سے اٹھنا ان کے حرج ونقصان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے وہ جماعت کی پابندی نہیں کر سکتے، نظر برآں یہ ترکیب کی گئی تھی کہ اذان وقت پر ہوتی تھی اور جماعت کی تیاری پر نقارہ کے ذریعہ سے جو خارج مسجد رکھا ہوا ہے کاریگروں کو اطلاع کردی جاتی تھی، اور سب کاریگر آجاتے تھے، اس میں ان کو جماعت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا، اور جم غفیر کے ساتھ جماعت ہو جاتی تھی، اب بعض حضرات نے نقارہ کی ممانعت کی، اور جماعت ٹوٹ گئی، جس کو توفیق ہوتی ہے فرداً فرداً نماز پڑھ لیتا ہے، ورنہ کچھ ضروری نہیں سمجھتا، ایسی صورت میں نقارہ کے اعلان کو جو خارج از مسجد ہے کیسا سمجھا جاتا ہے؟ اور اس کی بابت کیا حکم ہے؟ اور کون ذریعہ اطلاع کا مستحسن ہے؟ بینوا وتوجروا۔ (۱۵۸۱/ ۱۳۴۰ھ)

---

(۱) والتّثویب في الفجر حيّ علی الصّلاة حيّ علی الفلاح مرّتین بین الأذان والإقامة حسن لأنّه وقت نوم وغفلة وکره في سائر الصّلوات، ومعناه العود إلی الإعلام وهو علی حسب ما تعارفوه وهذا تثویب أحدثه علماء الکوفة بعد عهد الصّحابة لتغیّر أحوال النّاس إلخ و خصّ الفجر به لما ذکرناه، والمتأخّرون استحسنوه في الصّلوات کلّها لظهور التّواني في الأمور الدّینیّة، وقال أبو یوسف: لا أری بأسًا أن یقول المؤذّن للأمیر إلخ واستبعده محمّد لأنّ النّاس سواسیة في أمر الجماعة إلخ. (الهدایة: ۱/ ۸۹، کتاب الصّلاة، باب الأذان) ظفیرؒ

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں 'کاریگر' سے پہلے 'جو' ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'جو' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

**الجواب:** اعلام بعد الاذان جس کو تثویب کہتے ہیں؛ علمائے متقدمین نے اس کو مکروہ اور بدعت کہا ہے، اور علمائے متأخرین نے بہ وجہ تساہل کے اس کو جائز رکھا ہے[۱] پس بر بناء مذہب متاخرین اگر اعلام کے واسطے کوئی صورت جماعت کے انتظام کی نہ ہوتو نقارہ کے ساتھ اعلام جائز ہے کما في الدّرّ المختار والشّامي: و یثوب بین الأذان والإقامة في الکلّ للکلّ بما تعارفوه (الدّرّ المختار) کتنحنح أو قامت قامت أو الصّلاة الصّلاة، ولو أحدثوا إعلامًا مخالفًا لذلك جاز (۲)(شامي) فقط (اور جب کہ اذان کی آواز پہنچ جاتی ہوتو بلاضرورت نقّارہ بجانے سے بچنا چاہیے، اس وجہ سے کہ ابتدائے امر اذان میں اس طرح کی تمام صورتیں رد کر دی گئی تھیں۔ ظفیرؒ)(۱۰۴/۲-۱۰۵)

**سوال:** (۱۶۸) مسجد میں واسطے حاضری نمازیوں کے نقارہ بجانا کیسا ہے؟ (۲۹/۷۰۷-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** اذان کہیں (۳) نقارہ مسجد میں حاضری کے واسطے درست نہیں ہے[۴] فقط (۱۲۵/۲)

## اذان واقامت فرائض کے لیے خاص ہیں

**سوال:** (۱۶۹) تکبیر فقط فرض سے پہلے کہی جاتی ہے یا سنت سے پہلے بھی؟ (۲۶۲۰/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) اس حوالہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، سابقہ سوال کا حاشیہ نمبر۲۔

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۱-۵۲، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أوّل من بنی المنائر للأذان.

(۳) لأنّ الأذان من إعلام الدّین إلخ (غنیة المستملي:ص:۳۲۲،فصل في صفة الصلاة)ظفیرؒ

(۴) روی أبو داؤد...... عن عبد الله بن زید قال: لما أمر النبيّ صلّی الله علیه وسلّم بالنّاقوس یعمل لیضرب بهٖ النّاس لجمع الصّلاة طاف بي وأنا نائم رجل یحمل ناقوسًا (إلی قوله) تقول: اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر (إلٰی آخر الحدیث) (غنیة المستملي المعروف بالکبیري:ص:۳۲۲،فصل في صفة الصّلاة)

اس سے پہلے مفتی علام نے نقارہ کی اجازت دی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ اذان کے بعد نماز کی مزید اطلاع کے لیے ہو اور جماعت کے انتظام کی اس کے سوا کوئی اور صورت نہ ہو۔ یہاں سوال مختصر ہے اور کسی مجبوری کا ذکر نہیں ہے، اس لیے اجازت نہیں دی ہے۔ واللہ اعلم ظفیرؒ

**الجواب:** اذان اور تکبیر فرائض کے لیے ہے، سنتوں کے لیے نہیں ہے۔ هكذا في الدرّ المختار (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۱-۱۱۲)

## تکبیر کب شروع کی جائے؟

**سوال:** (۱۷۰) بروقت جماعت قبل کھڑے ہونے امام کے مصلّے پر تکبیر شروع کی جاوے یا بہ وقت عدم موجودگی پر؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں سے تکبیر سن کر تشریف لاتے تھے؟ اور یہی معمول تھا یا کبھی کبھی ایسا ہوا ہے؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** یہ ضروری نہیں کہ جب امام مصلّے پر کھڑا ہو تب تکبیر شروع کی جائے، بلکہ امام جب کہ مسجد میں موجود ہے تکبیر کہنا درست ہے، امام تکبیر سن کر خود مصلّے پر آجائے گا، جیسا درمختار میں اس عبارت سے ظاہر ہے: والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حيّ على الفلاح ...... إن كان الإمام بقرب المحراب وإلّا فيقوم كلّ صفٍّ ينتهي إليه الإمام على الأظهر إلخ (۲) فقط (۲/۱۱۲)

## اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں؟

**سوال:** (۱۷۱) تکبیر کے وقت مقتدیوں کو اور امام کو کس وقت کھڑا ہونا چاہیے؟ ایک مولوی صاحب نے حيّ على الفلاح کے وقت مقتدیوں کے کھڑے ہونے کو مستحب فرمایا ہے۔ (۱۳۴۳/۱۰۷۶ھ)

**الجواب:** نماز کے آداب میں سے فقہاءؒ نے یہ لکھا ہے کہ حيّ على الفلاح کے وقت سب کھڑے ہو جائیں، لیکن ظاہر ہے کہ اگر پہلے سے مقتدی کھڑے ہو جائیں تو کچھ محل اعتراض نہیں ہے، کیونکہ ترک استحباب اور ترک ادب پر کچھ طعن نہیں ہو سکتا، البتہ بہتر یہی ہے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے، اور درمختار میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر امام آگے کی طرف سے یعنی سامنے سے آوے تو جس

(۱) والإقامةُ كالأذان فيما مرّ (الدّرّ المختار) وأراد بما مرّ أحكام الأذان العشرة المذكورة في المتن، وهي أنّه سنّة للفرائض. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۰، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أوّل من بنى المنائر للأذان) ظفیرؒ

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، آداب الصّلاة.

وقت امام پر نظر پڑے مقتدی کھڑے ہوجائیں(۱)، بہر حال اس میں ہر طرح وسعت ہے، مگر اتباع تصریحات فقہاء کا اولی وافضل ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۲-۱۱۳)

سوال: (۱۷۲) زید امام ہے اور مقتدی ہر جماعت میں تکبیر جب کہتے ہیں تو امام اس وقت کھڑا ہوتا ہے کہ جب تکبیر میں حیّ علی الفلاح یا اللّٰہ أکبر کہا جاتا ہے، اس سے پیشتر تمام تکبیر بیٹھا ہوا سنتا ہے اور ایک مقتدی بھی ایسا (ہی)(۳) کرتا ہے امام کے ساتھ ہی اٹھتا ہے

---

(۱) و إن دخل من قُدّام قاموا حين يقع بصرُهم عليه إلاّ إذا أقام الإمام بنفسهٖ في مسجد فلا يَقِفوا حتّى يُتمّ إقامتَه ظهيرية ، وإن خارجَه قام كلّ صفّ ينتهي إليه . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۶، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، آداب الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) امدادالفتاوی کے حاشیہ میں ہے:

فقہاء نے یہ جو لکھا ہے کہ ’’امام اور مقتدی حيّ على الصّلاة پر کھڑے ہوں‘‘ تو یہ من جملۂ آداب ہے، واجب یا سنت نہیں ہے، جس طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ ’’امام قد قامت الصّلاة پر نماز شروع کرے‘‘ لیکن فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اصح، اعدل اور افضل تو یہ ہے کہ تکبیر پوری ہونے پر امام کو نماز شروع کرنا چاہیے، تاکہ تکبیر کہنے والا امام کے ساتھ نماز شروع کرسکے تو جس طرح تکبیر کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے فقہاء نے ایک ادب ’’قد قامت پر نماز شروع کرنے‘‘ کو ترک کردیا ہے۔ اسی طرح تسویۂ صفوف کی اہمیت کے پیش نظر دوسرے ادب ’’حيّ على الصّلاة پر کھڑے ہونے‘‘ کے خلاف، حیعلتین پر قیام کی تقدیم کو راجح کہا جائے گا، کیوں کہ تسویۂ صفوف کی رعایت تکبیر کہنے والے کی رعایت سے زیادہ اہم ہے۔

علاوہ بریں فقہاء کی ان عبارتوں کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت تکبیر کہنے والا حيّ على الصّلاة پر پہنچے اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہوجانا چاہیے تاخیر نہ کرنا چاہیے، جیسا کہ علامہ احمد طحطاویؒ نے حاشیہ درمختار میں تصریح فرمائی ہے جن کی عبارت سوال نمبر: ۱۷۸ کے جواب کے اخیر میں آرہی ہے، لہٰذا اگر اس سے پہلے تکبیر کے شروع ہی سے کھڑے ہوجائیں تو یہ بھی جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے اور فقہاء کی عبارتوں کی خلاف ورزی نہیں ہے، بلکہ آج کل تسویۂ صفوف کے ساتھ لوگوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے پہلے کھڑا ہونا ہی افضل ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۱۸۴-۱۸۵، كتاب الصّلاة، باب الأذان و الإقامة سوال نمبر: ۱۷۶) محمد امین پالن پوری

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے اس وقت امام الله أکبر کہتا ہے؟ (۲۰۵۰/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ آداب نماز میں سے ہے یہ کہ جس وقت تکبیر میں حیّ علی الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوں، اور جس وقت قد قامت الصّلاۃ کہے اس وقت امام نماز شروع کرے، اور اگر ختم تکبیر کے بعد شروع کرے تو یہ اچھا ہے۔ فقط (۱۵۴/۳)

**سوال:** (۱۷۳) مقتدی اور امام کا شروع اقامت سے کھڑے ہونے پر تعامل رہا ہے تو اس میں کیا مصلحت تھی؟ (۲۷۵۶/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** وہ خاص مصلحت یہ ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے تسویہ صفوف [وغیرہ] (۱) کرلیا جاوے، پس اگر حی علی الفلاح پر مقتدی کھڑے ہوئے اور قد قامت الصّلاۃ پر امام نے تکبیر تحریمہ کہہ دی جیسا کہ روایت کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے، تو پہلے سے تسویہ صفوف وغیرہ کا انتظام نہ ہو سکے گا، حالانکہ یہ اہم ہے (۲) اور حیّ علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا امر استحبابی ہے اور اس میں تاویل بھی ہوسکتی ہے وہ یہ کہ اس سے تاخیر نہ کریں تقدیم میں کچھ حرج نہیں ہے (۳) فقط (۶۱/۳-۶۲)

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۲) عن النّعمان بن بشير رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يسوّي صفوفنا حتّى كأنّما يسوّي بها القداح حتّى رأى أنّا قد عقلنا عنه ثمّ خرج يومًا فقام حتّى كاد أن يكبّر فرأى رجلاً باديًا صدره من الصّفّ، فقال: عبادَ الله! لَتُسَوُّنَّ صفوفكم أو ليخالفنّ الله بين وجوهكم، رواه مسلم.

وعن أنس رضي الله عنه قال: أقيمت الصّلاة، فأقبل علينا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بوجهه، فقال: أقيموا صفوفكم وتراصوا، فإنّي أراكم من وراء ظهري. (مشكاة المصابيح، ص:۹۷-۹۸، كتاب الصّلاة، باب تسوية الصّفّ، الفصل الأوّل)

(۳) والظّاهر أنّه احتراز عن التّاخير لا التّقديم، حتّى لو قام أوّل الإقامة لا بأس وحرّر إلخ. (حاشية الطّحطاوي على الدّرّ المختار: ۲۱۵/۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، المطبوعة: مكتبة الاتّحاد، ديوبند) محمد امین پالن پوری

سوال: (۱۷۴)......(الف) جب امام مصلیٰ پر موجود ہوتو امام اور مقتدی کو تکبیر کے وقت حيّ علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے متعلق جو کتب فقہ میں حین قیل حيّ علی الفلاح مصرح ہے؛ یہ امام اعظمؒ کا قول ہے یا نہیں؟ اور صحیح ہے یا غلط؟

(ب) کیا یہ مسئلہ نیا ہے اور حيّ علی الفلاح پر کھڑے ہونے سے صف باندی ناممکن ہے؟

(ج) اس قول پر عمل درآمد کرنے والے اور دوسروں کو ترغیب دینے والے کیسے ہیں؟ اور توڑنے والے اور دوسروں کو باز رکھنے والے کیسے ہیں؟ (۱۰۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف-ج) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اقول و باللہ التوفیق: بے شک فقہاء نے آداب نماز میں سے اس کو لکھا ہے کہ جس وقت مکبّر حيّ علی الفلاح کہے تو ائمہ ثلاثہ یعنی امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک امام اور مقتدی سب کھڑے ہو جاویں كذا في الدّرّ المختار. اور یہ بھی درمختار میں ہے کہ یہ حکم استحبابی اس وقت ہے کہ امام وہاں قریب محراب کے پہلے سے موجود ہو، اور اگر امام دوسری جگہ اپنے حجرہ وغیرہ میں ہو تو جس وقت امام آوے اس وقت سب کھڑے ہو جاویں، عبارتِ درمختار یہ ہے: و لها آداب تركه لا يوجب إساءةً ولا عتابًا كترك سنّة الزّوائد ، لكن فعله أفضل : نظره إلى موضع سجوده حال قيامه — إلى أن قال — والقيام لإمام ومؤتمّ حين قيل "حيّ على الفلاح" إلخ ، إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كلّ صفّ ينتهي إليه الإمام على الأظهر إلخ ، وشروع الإمام في الصّلاة مذ قيل:"قد قامت الصّلاة" ولو أخّر حتّى أتمّها لا بأس به إجماعًا، وهو قول الثّاني والثّالثة، وهو أعدل المذاهب إلخ وفي القهستاني معزيا للخلاصة : أنّه الأصح (الدّرّ المختار) قوله: (أنّه الأصحّ) لأنّ فيه محافظة على فضيلةِ متابعةِ المؤذّنِ وإعانةٍ له على الشّروع مع الإمام[۱] (شامي) پس معلوم ہوا کہ یہ امور آداب میں سے ہیں، ان کے ترک پر اس قدر تشدد کرنا کہ ان کے تارک کو مورد لعن وطعن قرار دینا نہایت ظلم وتعدی ہے، جیسا کہ خود علامہ شامی نے شروعِ امام میں قد قامت الصّلاة کہنے پر بحث کی ہے کہ اصح واعدل المذاہب یہ ہے کہ جب تک مکبّر پوری تکبیر سے فارغ نہ ہو،

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۴-۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، آداب الصّلاة

اس وقت تک امام نماز شروع نہ کرے کیوں کہ اس میں پوری تکبیر کا جواب سب دے سکیں گے جو کہ مستحب اور مسنون ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس وقت مکبّر قد قامت الصّلاۃ کہتا تھا تو آنحضرت ﷺ أقامها اللّٰه وأدامها پڑھتے تھے(۱) اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے: سوّوا صفوفکم، فإنّ تسوية الصّفوف من إقامة الصّلاة أو من تمام الصّلاة (۲) اور حرمین شریفین اور دیگر بلاد میں یہ عادت ہے کہ جس وقت مکبّر تکبیر کہنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو پہلے یہ حدیث پڑھتا ہے: سوّوا صفوفکم الحدیث، الغرض اس بارے میں شرعًا وسعت ہے اور قول فقہاء والقیام حین قیل حيّ علی الفلاح کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ اگر پہلے سے امام ومقتدی کھڑے ہوئے نہ ہوں تو اِس وقت کھڑے ہوجاویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۲-۲۱۴)

**سوال:** (۱۷۵) مذکورہ بالا سوال (۱۷۴) کے متعلق دوبارہ استفتاء آیا، جس کا جواب درج ذیل ہے: (۱۳۴۵/۱۸۱ھ)

**الجواب:** پس معلوم ہوا کہ یہ امور آداب میں سے ہیں ان کے ترک پر طعن نہ کرنا چاہیے، آداب میں سے ہونا خود اس کو مقتضی ہے کہ یہ سنت نہیں ہے ورنہ سنن میں لکھے جاتے بلکہ حقیقتِ حی علی الصّلاۃ، حی علی الفلاح پر عمل کرنے کی وجہ سے ایسا ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ قد قامت الصّلاۃ پر امام اور مقتدیوں کی نماز شروع کرنے کا حکم اسی بناء پر دیا گیا تھا، لیکن علامہ شامی نے لکھا کہ اس پر عمل کرنے میں سنت اجابت تکبیر وغیرہ فوت ہوتی ہے، لہٰذا ختم تکبیر تک نماز نہ شروع کرنا بہتر ہے، اسی طرح حيّ علی الصّلاۃ حيّ علی الفلاح کے مسئلہ میں کہہ سکتے ہیں کہ اگر امام وقوم

---

(۱) عن أبي أمامة رضي الله عنه أو بعض أصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال: إنّ بلالًا أخذ في الإقامة، فلمّا أن قال: "قد قامت الصّلاة"، قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: "أقامها اللّٰه وأدامها"، وقال في سائر الإقامة كنحو حديث عمر رضي الله عنه في الأذان رواه أبوداؤد. (مشكاة المصابيح، ص:۶۶، كتاب الصّلاة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن الفصل الثّاني) ظفیرؒ

(۲) عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: سوّوا صفوفكم الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۹۸، كتاب الصّلاة، باب تسوية الصّفّ، الفصل الأوّل)

پہلے سے کھڑے نہ ہوں تو اس وقت کھڑے ہوجاویں اور اگر شروع تکبیر پر سب کھڑے ہوگئے ہیں جیسا کہ عام عادت ہے اور حرمین شریفین وغیرہما میں بھی اسی پر عمل درآمد ہے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے، بلکہ اس میں تسویہ صفوف بہ اطمینان ہوسکتا ہے، اور حدیث **سوّوا صفوفکم الحدیث** پر پوری طرح عمل ہوتا ہے۔ فقط (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

**سوال:** (۱۷۶) جب کہ **حيّ على الفلاح** پر کھڑا ہونا تمامی علمائے کرام کا مسلمہ مسئلہ ہے اب کسی حنفی سنی مقلد کو اس کے خلاف جائز ہے؟ (۲۶۷/۴۶-۱۳۴۷ھ)

**الجواب:** جب کہ اس روایت کی تاویل یہ ہے کہ یہ احتراز تاخیر سے ہے تقدیم سے احتراز نہیں جیسا کہ طحطاویؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے [۱] تو پھر پہلے سے کھڑے ہونے میں اس کا خلاف لازم نہیں آتا۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

## امام نماز کب شروع کرے؟

**سوال:** (۱۷۷) کیا **قد قامت الصّلاۃ** پر امام کو نیت باندھنا مفتی بہ قول ہے؟ (۳۹۰/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** شامی میں اصح اس کو قرار دیا ہے کہ تکبیر کے ختم کے بعد امام نماز شروع کرے۔ **وفي القهستاني معزيا للخلاصة: أنّه الأصح (الدّرّ المختار) قوله: (أنّه الأصحّ) لأنّ فيه محافظة على فضيلةِ متابعةِ المؤذّنِ وإعانةٍ له على الشّروع مع الإمام** [۲] (شامي) فقط (۲/۲۱۴)

**سوال:** (۱۷۸) نماز کے وقت معین پر امام صاحب اپنے حجرہ سے تشریف لائے اور مصلیٰ پر دو زانوں بیٹھ گئے، اور مقتدی بھی بیٹھ گئے، مؤذن نے کھڑے ہوکر تکبیر شروع کی، اور مقتدی بیٹھے ہوئے ہیں، جس وقت مؤذن نے **حی علی الفلاح** کہا فوراً امام اور مقتدی کھڑے ہوگئے، اور نیت باندھ لی، مگر امام نے دائیں بائیں صف کو نہیں دیکھا، آیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا کیا عمل تھا؟ (۹۳۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) والظّاهر أنّه احتراز عن التّاخير لا التّقديم، حتّى لو قام أوّل الإقامة لا بأس وحرّر إلخ (حاشية الطّحطاوي على الدّرّ المختار: ۱/۲۱۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، المطبوعة: مكتبة الاتّحاد، ديوبند) محمد امین پالن پوری

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، آداب الصّلاة.

**الجواب:** درمختار میں ہے: ولها آداب تركه لا يوجب إساءةً ولاعتابًا – إلى ان قال: – والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حيّ على الفلاح إلخ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ امام اور مقتدیوں کا حيّ على الفلاح پر کھڑا ہونا آداب میں سے ہے، اس کے ترک سے عقاب وعتاب نہیں ہے۔ اور نیز درمختار میں ہے: ويصفّ أي يصفّهم الإمام بأن يأمرهم بذلك، قال الشّمنّي: وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدّوا الخلل ويسوّوا مناكبهم إلخ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ امام کو یہ لائق ہے کہ مقتدیوں کو برابر کھڑا ہونے کا اور صف سیدھی کرنے کا حکم کرے، پس امام کو چاہیے کہ تکبیر تحریمہ میں ایسی عجلت نہ کرے کہ صف پوری ہو یا نہ ہو، اور صف سیدھی ہو یا نہ ہو، اور سب نمازی برابر کھڑے ہوں، یا نہ ہوں فوراً نیت باندھ لیوے ایسا ہرگز نہ کرے، اور حيّ على الفلاح پر تو امام کو نیت باندھنے کا حکم فقہاء نے بھی نہیں لکھا، بلکہ قد قامت الصّلاة پر لکھا ہے، اور اس میں درمختار وشامی وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ مکبّر کی تکبیر کے ختم ہونے پر نیت باندھے، درمختار میں ہے: اور قہستانی میں کہا خلاصہ سے نقل کرکے أنّه الأصحّ اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: لأنّ فيه محافظة على فضيلةِ متابعةِ المؤذّنِ وإعانةٍ له على الشّروع مع الإمام (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۵-۲۱۶)

**سوال:** (۱۷۹) اگر کوئی امام تکبیر پوری نہ ہونے دے، ہمیشہ قد قامت الصّلاة پر نیت باندھ لے تو کیسا ہے؟ (۱۳۴۳/۲۶۴۰ھ)

**الجواب:** بہتر یہ ہے کہ تکبیر ختم ہونے پر امام نیت باندھے، اور اگر قد قامت الصّلاة پر نیت باندھے تو یہ بھی جائز ہے، اور متون کتب فقہ میں ایسا ہی لکھتے ہیں، مگر اوّل اولیٰ ہے (۴) فقط (۲/۱۱۳)

---

(۱) الدّرّ المختار مع الشّامي: ۲/۱۵۴-۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۶۵-۲۶۶، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: هل الإسائة دون الكراهة أو أفحش منها؟.

(۳) الدّرّ المختار مع الشّامي: ۲/۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، آداب الصّلاة.

(۴) حوالہ کے لیے سابقہ جواب ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

## تکبیر کہاں کھڑے ہوکر کہنا چاہیے؟

**سوال:** (۱۸۰) فرائض کی تکبیر کے لیے مکبّر کا کہاں کھڑا ہونا مشروع ہے؟ بالکل محاذی امام کے یا دائیں یا بائیں؟ مستحب مسنون طریقہ کیا ہے؟ (۱۶۷۹/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** شرعًا اس میں کوئی تحدید نہیں ہے، یعنی اقامت کے لیے شرعًا کوئی جگہ محاذی امام یا جانب یمین وشمال معین نہیں ہے، حسبِ موقع اور حسب ضرورت جس طرف اور جس موقع پر مکبّر کھڑا ہوکر تکبیر کہے درست ہے، اور فقہاء کا اقامت کے لیے کوئی جانب اور کوئی جگہ معین نہ کرنا یہی دلیل ہے عدم تعیین اور عدم تحدید کی، کسی فقہ کی کتاب میں جانب یمین یا شمال یا محاذات کی تخصیص مکبّر کے لیے نہیں کی گئی، اور جو کچھ عوام میں مشہور ہے کہ اذان بائیں جانب اور تکبیر داہنی طرف ہو یہ بے اصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۶/۲)

**سوال:** (۱۸۱) اذان بائیں طرف اور تکبیر (دائیں)(۱) طرف کھڑے ہوکر پڑھنا مشہور ہے، اور اس پر اکثر اہل علم کا تعامل (بھی)(۲) دیکھا جاتا ہے، بلکہ اس قید وتخصیص کو ضروری وشرعی سمجھتے ہیں، اور اس کے خلاف کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں، اور دعا کے وقت امام کا بائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا نہایت ہی مذموم سمجھتے ہیں، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۲۹۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** اذان بائیں طرف اور اقامت دائیں طرف ہونے کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے، اور کسی حدیث وفقہ کی کتاب میں نہیں ہے، یہ بات غلط مشہور ہے، ورنہ ان لوگوں کو جو ایسا کہتے ہیں کوئی دلیل لانی چاہیے، بلا دلیل اپنی طرف سے شریعت میں ایسی قیدیں لگانا درست نہیں ہے، یہ یاد رکھنے کی بات ہے، اور دعا کے وقت امام کو داہنی طرف اور بائیں طرف پھرنا دونوں حدیث میں آئے ہیں، اور دونوں امر کی شرعًا اجازت ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کرے کہ یہ سمجھے کہ داہنی طرف ہی پھرنا ضروری ہے، میں نے بارہا رسول اللہ ﷺ

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (دائیں) کی جگہ ''داہنی'' ہے، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا ہے۔ ۱۲

کو دیکھا ہے کہ بائیں طرف کو پھرے انتہی (۱) لیکن یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ زیادہ تر رسول اللہ ﷺ داہنی طرف کو پھرتے تھے (۲) پس معمول یہ رکھنا چاہیے کہ اکثر داہنی طرف کو پھرے، اور کبھی کبھی بائیں طرف کو بھی پھر جایا کرے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۸/۲-۸۹)

**سوال:** (۱۸۲) تکبیر داہنی جانب ہونی چاہیے یا بائیں جانب؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اذان بائیں جانب ہو اور تکبیر داہنی جانب، حضور ﷺ نے ایسا کیا اس میں ثواب زیادہ ہے، اس کے برعکس کرنا ثواب میں کمی کرنا ہے، دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں امر مساوی ہیں، تعین کرنا بدعت ہے، کیوں کہ اس کی تعیین ثابت نہیں۔ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** یہ مشہور بے اصل ہے، شریعت میں اس کا کچھ حکم نہیں کہ اذان بائیں جانب ہو اور اقامت داہنی جانب ہو، بلکہ جس طرف اتفاق ہو اذان واقامت درست ہے، کچھ کراہت کسی جانب میں نہیں ہے، جس نے داہنی جانب تکبیر کہنے میں ثواب زیادہ بتلایا ہے اُن سے دریافت کیا جاوے کہ کسی فقہ میں آپ نے کوئی تصریح دیکھی ہے، یا حدیث میں یہ بات ہے، یہ بات تو دوسری ہے کہ مقتدی داہنی طرف کھڑے ہونے والے کو زیادہ ثواب حدیث سے

---

(۱) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: لا يجعل أحدكم للشّيطان شيئًا من صلاتهٖ يرى أنّ حقًّا عليه أن لا ينصرف إلّا عن يمينه، لقد رأيت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كثيرًا ينصرف عن يسارهٖ، متّفق عليه (مشكاة المصابيح، ص:۸۷، كتاب الصّلاة، باب الدّعاء في التّشهّد، الفصل الأوّل) ظفیرؒ

(۲) عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ينصرف عن يمينهٖ، رواه مسلم. (حوالہ سابقہ) ظفیرؒ

(۳) فإذا تمّت صلاة الإمام فهو مخيّر إن شاء انحرف عن يسارهٖ وجعل القبلة عن يمينهٖ و إن شاء انحرف عن يمينهٖ وجعل القبلة عن يسارهٖ، وهذا أولى لما في مسلم من حديث البراء كنّا إذا صلّينا خلف النّبيّ عليه السّلام أحببنا أن نكون عن يمينهٖ حتّى يقبل علينا بوجههٖ، فإنّ مفهومه أنّ وجهه عند الإقبال عليهم كان يقابل من هو عن يمينهٖ، وذلك إنّما يكون إذا كان المسجد عن يمينهٖ والقبلة عن يسارهٖ إلخ. (غنية المستملي:۲۹۶، فصل في صفة الصّلاة) ظفیرؒ

ثابت ہے (۱) مگر اقامت داہنی طرف ہونے میں زیادہ ثواب ہونا کہیں نظر سے نہیں گذرا۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۹-۱۲۰)

سوال: (۱۸۳) تکبیر بائیں جانب جائز ہے یا نہیں؟ یا داہنی جانب ہی کہی جاوے؟
(رجسٹر میں نہیں ملا)

الجواب: تکبیر بائیں جانب بھی درست ہے، داہنی جانب کی کچھ تخصیص نہیں ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۶-۱۱۷)

سوال: (۱۸۴) دائیں طرف اذان اور بائیں طرف اقامت ہونے کا ثبوت شرعی ہے یا نہیں؟
(۵۷۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس کا کچھ ثبوت نہیں (ہے) (۲) فقط (۳/۳۵۰-۳۵۱)

## تکبیر ختم ہونے کے بعد معمولی تاخیر ہو تو دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں

سوال: (۱۸۵) امام مصلّے پر رومال یا عمامہ باندھ رہا تھا کہ مؤذن نے تکبیر ختم کردی، امام نے کہا پھر تکبیر کہو، آیا دوبارہ تکبیر کی ضرورت تھی یا نہیں؟ (۷۷/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: دوبارہ تکبیر کہنے کی اس صورت میں ضرورت نہ تھی (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۶)

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إنّ الله وملائكته يصلّون على ميامن الصّفوف، رواه أبو داؤد. (مشكاة المصابيح، ص:۹۸، كتاب الصّلاة، باب تسوية الصّفّ، الفصل الثّاني)

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) صلّى السّنّةَ بعد الإقامةِ، أو حضرَ الإمامُ بعدها لا يعيدها بزّازيّة، وينبغي إن طالَ الفصلُ أووجدَ ما يُعَدُّ قاطعًا كأكلٍ أن تُعادَ (الدّرّ المختار) أقولُ: قال في آخر شرح المنيّة: أقام المؤذّنُ ولم يُصلّ الإمامُ ركعتي الفجر يصلّيهما ولا تُعاد الإقامة لأنّ تكرارها غيرُ مشروعٍ إذا لم يقطعْها قاطعٌ من كلامٍ كثيرٍ أوعملٍ كثيرٍ ممّا يقطعُ المجلسَ في سجدةِ التّلاوة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۶۵، كتاب الصّلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصّلاة) ظفيرؒ

## اقامت کے بعد امام نے کھانا کھایا، یا دیر تک باتیں کی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۱۸۶) اقامت کے بعد امام نے کھانا کھایا، یا زیادہ دیر تک باتیں کی، تو نماز کے واسطے اعادہ اقامت کی حاجت ہے یا نہیں؟ (۸۳۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** عبارت شامی کی **لأنّ تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير** [۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اعادۂ اقامت کی جاوے (اور اس میں امام کا فعل یا اقامت کہنے والے کا جو موجب تاخیر صلاۃ ہوا برابر ہے) [۲] (۲/۱۱۷،۲/۱۲۲) [۳]

## فاسد ہونے کی وجہ سے نماز دوبارہ پڑھی گئی تو تکبیر کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۱۸۷) امام نے بجائے چار رکعت عصر کے سہواً پانچ رکعت ادا کی، کسی نے متنبہ نہیں کیا، اب امام اور مقتدی درود ووظائف سے فارغ ہوکر دعا مانگنے کو تیار تھے کہ تعداد رکعت کی بحث شروع ہوئی، نماز کا اعادہ کیا گیا، اور دوبارہ تکبیر کہی گئی، جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۰۸/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** اس صورت میں دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر دوبارہ کہہ دی جائے اس وجہ سے کہ فصل طویل ہوگیا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے، کتب فقہ میں تو یہ لکھا ہے: **صلّى السّنّة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لا يعيدها بزازية ، وينبغي إن طال الفصل أو وجد ما يعدّ قاطعًا كأكل أن تعاد إلخ** [۴] (**الدّرّ المختار**) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۱۰)

## امام مسجد نے تکبیر کے بغیر نماز پڑھا دی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۱۸۸) امام مسجد نے مصلے پر کھڑے ہوکر مقتدیوں کو تکبیر کے لیے اذن دیا، تکبیر میں

---

(۱) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۶۵، کتاب الصّلاة ، باب الأذان .**

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) اس سوال وجواب کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے جلد۲/۱۲۲، سوال نمبر:۱۸۱ کو حذف کردیا گیا۔

(۴) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۶۵، کتاب الصّلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصّلاة**

کسی وجہ سے تاخیر ہوئی، امام نے بہ قدر تکبیر تاخیر کر کے بوجہ اپنے ضعف سماع کے نہ سنا، اور نیت باندھ لی، تو نماز یا ثواب جماعت میں کچھ حرج واقع ہوگا یا نہیں؟ (۱۱۹۹/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز ہوگئی، اور ثواب جماعت بھی مل گیا، اور اقامت جو کہ سنت ہے متروک ہوگئی (۱) لیکن چونکہ بہ وجہ عدم سماع امام کے ایسا ہوا؛ اس لیے کچھ گناہ نہیں ہوا۔ فقط (۹۲/۲)

## مسجد میں جماعت ثانیہ سے پہلے دوبارہ تکبیر کہنی چاہیے یا نہیں؟

**سوال:** (۱۸۹) جو مسجد لب سڑک ہو، اس میں پہلی جماعت ہو چکی ہو، اگر دوسری جماعت کرائی جائے تو کیا اس دوسری جماعت کے لیے بھی تکبیر ثانی کہنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۱۰۷/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اگر امام ومؤذن اس مسجد کا مقرر نہ ہو تو جماعت ثانیہ اس مسجد میں درست ہے، اور اقامت یعنی تکبیر ثانی کہی جاوے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۸/۲)

## کونسی صف میں کھڑے ہو کر اقامت کہنی چاہیے؟

**سوال:** (۱۹۰) مؤذن اقامت اوّل صف میں پڑھے یا جس صف میں چاہے؟ مستحب کیا ہے؟ (۷۹۲/ ۱۳۴۰ھ)

---

(۱) ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۵۴/۱، كتاب الصّلاة، الباب الثّاني في الأذان، الفصل الأوّل في صفته وأحوال المؤذّن)

والإقامةُ كالأذان فيما مرّ (الدّرّ المختار) وأراد بما مرّ أحكام الأذان العشرة المذكورة في المتن، وهي أنّه سنّة للفرائض. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۰/۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في أوّل من بنى المنائر للأذان) ظفیرؒ

(۲) بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة إلاّ في مسجد على طريق فلا بأس بذلك (الدّرّ المختار) قوله: (إلاّ في مسجد) على طريق هو ما ليس له إمامٌ ومؤذّنٌ راتبٌ فلا يكره التّكرارُ فيه بأذانٍ وإقامةٍ بل هو الأفضل خانيّة (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/ ۵۸-۵۹، كتاب الصّلاة، باب الأذان مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) ظفیرؒ

**الجواب:** جس صف میں ہو اسی میں اقامت پڑھ سکتا ہے، اس میں کچھ قید نہیں ہے، اور صف اوّل میں ہونا ضروری نہیں ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۲/۲)

## اقامت میں حیعلتین کے وقت تحویل وجہ کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۱۹۱) اقامت کے اندر بھی مثل اذان کے حيّ على الصّلاة وحيّ على الفلاح کہنے کے وقت داہنے اور بائیں مُنہ پھیرنا چاہیے یا نہیں؟ (۳۹۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** روایاتِ کتب فقہ سے ظاہر ہے کہ اقامت مثل اذان کے ہے، اور جو مواقع اختلاف کے ہیں ان میں فقہاء و محققین نے تحویل وجہ کو نہیں لکھا، بلکہ تحویل وجہ میں اقامت کو مثل اذان کے قرار دیا ہے۔ لہٰذا راجح یہی ہے کہ تحویل وجہ اقامت میں بھی ہو، مگر چونکہ بعض علماء نے اس علت سے کہ اقامت اعلان حاضرین کے لیے ہے؛ تحویل وجہ کو حیعلتین میں سنت نہیں سمجھا، اس لیے اس میں گنجائش ہے، لیکن جو علماء اس تحویل کو سنت نہیں فرماتے وہ بھی اس کو منع نہیں کرتے، بلکہ غایت یہ کہ ضروری نہیں فرماتے، تو اس اعتبار سے بھی فعل اس کا اولیٰ ہے ترک سے، لہٰذا معمول بہ بنانا اس کو مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۸۹-۹۰)

**وضاحت:** اس مسئلہ میں فقہاء اور مفتیان کرام کی رائیں مختلف ہیں، بعض حضرات تحویل وجہ کو راجح اور اولیٰ قرار دیتے ہیں، اور محققین عدم تحویل کو ترجیح دیتے ہیں، بہشتی زیور میں ہے: اور اقامت میں حَيَّ عَلَى الصَّلَاة اور حَيَّ عَلَى الفَلَاح کہتے وقت داہنے بائیں جانب مُنہ پھیرنا بھی نہیں ہے، یعنی ضرور نہیں ورنہ بعض فقہاء نے لکھا ہے۔

(اختری بہشتی زیور: ۲۴/۱۱، اذان کا بیان، مسئلہ نمبر: ٦)

---

(۱) وينبغي أن يؤذّن على المِئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذِّن في المسجد كذا في فتاوٰى قاضي خان ، والسّنّة أن يؤذّن في موضعٍ عالٍ يكونُ أسمعَ لجيرانه و يَرفعُ صَوْتَه ، ولا يُجْهِدُ نفسَه............ ويقيم على الأرض هٰكذا في القنية ، وفي المسجد هٰكذا في البحر الرّائق .
(الفتاوى الهندية : ۵۵/۱-۵٦، كتاب الصّلاة ،الباب الثّاني في الأذان، الفصل الثّاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما)

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نوراللہ مرقدہ محمودالروایہ میں لکھتے ہیں:

إنّ الإقَامَةَ لَيْسَتْ كَالأذَان فِيْ وُجُوْهٍ مِنْهَا وَضْعُ الإصْبَعَيْنِ فِي الأُذُنَيْنِ ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ فِي الإقَامَةِ عَلَى الْقَوْلِ الْمُعْتَمَدِ ، وَكَذَا لاَ تَحْوِيْلَ فِيْهَا ، وَكَذَا لاَ يُزَادُ فِيْهَا الصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ . (شرح نقاية:۱/۶۱)

ترجمہ: اقامت چند باتوں میں اذان کی طرح نہیں ہے، مثلاً دونوں کانوں میں انگلیاں رکھنا، اقامت میں قابلِ اعتماد قول کے مطابق یہ مسنون نہیں ہے، اسی طرح اقامت میں تحویل بھی نہیں ہے۔اسی طرح اقامت میں الصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بھی نہیں بڑھایا جائے گا۔

اورامدادالفتاویٰ کے حاشیہ میں ہے:

اقامت کے حیعلتین میں تحویلِ وجہ کے متعلق تین قول ہیں: اوّل: تحویل نہ کرے، اس لیے کہ اقامت حاضرین کے اِعلام کے لیے ہے، برخلاف اذان کے کہ وہ غائبین کے اعلام کے لیے ہے۔ دوم: اگر جگہ وسیع ہو یعنی مسجد بڑی ہو تو تحویل کرے، ورنہ نہ کرے۔ سوم: خواہ جگہ وسیع ہو یا نہ ہو ہر صورت میں تحویل کرے —— یہ تیسرا قول صاحبِ درمختار کا پسندیدہ ہے، کبیری:ص:۳۶۰ میں تحویل کو سنتِ متوارثہ کہا ہے۔

لیکن سراجِ وہاج میں پہلا قول ہے۔علامہ شامی نے منحة الخالق حاشية البحر الرّائق (۱/ ۲۵۸) میں النّهر الفائق شرح كنز الدّقائق سے اسی کی ترجیح نقل کی ہے۔قوله: في السّراج الوهّاج : لا يحوّل إلخ ، قال في النّهر : الثّاني أعدلُ الأقوال اهـ ، مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ نے سعایہ(۲/ ۱۸) میں اسی کو حق کہا ہے۔قلت : والحق الصّريحُ هو القول الأوّل اهـ .

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ میں اذان واقامت کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: وَكَذَا لاَ تَحْوِيْلَ فِيْهَا (شرح نقاية :۱/۶۱) یعنی ایک فرق یہ بھی ہے کہ اذان میں تحویل ہے لیکن اقامت میں نہیں ہے —— اور گو یہ بات صحیح ہے کہ اقامت احد الاذانین ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اذان کی تمام سنتیں اقامت میں بھی ہوں، اذان میں انگلیوں سے کان بند کرنا مسنون ہے، نیز ترسُّل یعنی ٹھہر ٹھہر کر اذان دینا بھی مسنون ہے،

لیکن اقامت میں یہ دونوں چیزیں مسنون نہیں ہیں، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ اقامت میں تحویلِ وجہ مسنون نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم (امداد الفتاویٰ:۱/ ۱۶۶-۱۶۷) محمد امین پالن پوری

## تکبیر سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

**سوال:** (۱۹۲) ایک شخص وقت شروع کرنے تکبیر جماعت کے پہلے بسم اللہ پڑھ کر تکبیر شروع کرتا ہے، دوسرا شخص کہتا ہے یہ ناجائز ہے؟ (۹۴۷/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** اس میں کچھ حرج نہیں ہے، ہر ایک کام کے اوّل میں بسم اللہ کہنا بہتر اور افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۶/۲-۹۷)

**وضاحت:** اذان واقامت سے پہلے بسم اللہ کہنا جائز ہے، مگر سنت نہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے نسائی شریف کی شرح زھر الرّبیٰ علی المجتبیٰ میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ بندوں کے افعال کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ افعال جن کے شروع میں بسم اللہ کہنا سنت ہے، جیسے وضوء، غسل، تیمّم، ذبح مناسک اور قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ کہنا سنت ہے، اور اسی قسم میں سے ہیں تمام مباح کام جیسے کھانا، پینا اور بیوی سے صحبت کرنا۔

(۲) وہ افعال جن کے شروع میں بسم اللہ کہنا سنت نہیں جیسے نماز، اذان (واقامت) حج، عمرہ، اذکار اور دعاؤں سے پہلے بسم اللہ کہنا سنت نہیں، اگر ان کاموں سے پہلے بسم اللہ کہنا سنت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور سلفِ صالحین سے منقول ہوتا، جس طرح دیگر سنن ونوافل منقول ہیں۔

(۳) وہ افعال جن کے شروع میں بسم اللہ کہنا مکروہ ہے، جیسے حرام اور مکروہ کاموں سے پہلے بسم اللہ کہنا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ بسم اللہ پڑھنے کی غرض اس کام میں برکت وکثرت ہے جس کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جاتی ہے، اور حرام ومکروہ کاموں کی برکت وکثرت کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

قال الشّیخ عزّ الدّین بن عبد السّلام: أفعال العباد علی ثلاثة أقسام: ما سنت فیه التّسمیة، وما لم تسن، وما یکره فیه، الأوّل کالوضوء والغسل والتّیمّم وذبح المناسك

وقراءة القرآن ، ومنه أيضًا مباحات كالأكل والشّرب والجماع ، والثّاني كالصّلاة والأذان والحجّ والعمرة والأذكار والدّعوات ، والثّالث المحرمات لأنّ الغرض من البسملة التّبرك في العمل المشتمل عليه والحرام لايراد كثرته وبركته، وكذلك المكروه.

آگے دوسری قسم کے افعال کے بارے میں فرماتے ہیں: ولو بسمل علٰى ذلك لجاز وإنّما الكلام في كونه سنّة ، ولو كانت سنّة لنقل عن الرّسول صلّى الله عليه وسلّم والسّلف الصّالح كما نقل غيره من السّنن والنّوافل . (نسائي شريف:۱/۶۱، باب التّسمية عند الوضوء مطبوعة دارالفكر، بيروت) محمد امین پالن پوری

## کلماتِ تکبیر کو ایک ایک دفعہ کہنا حنفیہ کا مذہب نہیں

سوال: (۱۹۳) عموماً ہم تکبیر کو دو دو دفعہ کہتے ہیں، کیا ایک دفعہ تکبیر کو کہنا جائز ہے، اور قد قامت الصّلاة دو دفعہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۲۲۷۵ھ)

الجواب: عندالحنفیہ تکبیر مثل اذان کے (ہے) (۱) یعنی اللّٰہ أکبر اوّل چار دفعہ اور باقی کلمات دو دفعہ کہنا چاہیے، اور قد قامت الصّلاة بھی دو دفعہ کہنا چاہیے، ایک ایک دفعہ کہنا کلمات تکبیر کا مذہب حنفیہ کا نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۹۸)

## چلتے ہوئے تکبیر کہنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۹۴) اگر مؤذن تکبیر کو چلتے ہوئے شروع کردے، اور اپنی جگہ پر پہنچ کر پوری کرے تو یہ خلاف سنت ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۲۹۴۶ھ)

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے ۱۲

(۲) والإقامة مثل الأذان عندنا إلخ ولنا ما روى أبوداؤد عن ابن أبي ليلٰى عن معاذ إلخ وعن إبراهيم النّخعي كانت الإقامة مثل الأذان حتّى كان هؤلاء الملوك فجعلوها واحدةً واحدةً للسُّرعة إذا خرجوا يعني بني أميّة كما قال أبو الفرج بن الجوزي كان الأذان والإقامة مثنى مثنى فلمّا قام بنو أميّة أفردوا الإقامة . (غنية المستملي:ص:۳۲۴، فصل في صفة الصّلاة)

**الجواب:** یہ خلافِ اولیٰ وخلاف سنت ہے، إلاّ أن یکون أحیانًا عن ضرورۃ. قال في الدّرّ المختار: و یستقبل غیر الرّاکب القبلۃ بھما ، و یکرہ ترکہ تنزیھًا إلخ (۱) ظاہر ہے کہ چلتے ہوئے کبھی استقبال قبلہ بھی ترک ہوجاتا ہے۔ قولہ:(غیر الرّاکب) عبارۃ الإمداد: إلاّ أن یکون راکبًا مسافرًا لضرورۃ السّیر إلخ (۱)(شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۰۸)

## قد قامت الصّلاۃ بلند آواز سے کہنا کیسا ہے؟

**سوال:**(۱۹۵) دراقامت لفظ قد قامت الصّلاۃ رابلند کردن چہ حکم دارد؟(۱۶۱۳/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** حرجے دراں نیست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۰۵)

**ترجمہ سوال:**(۱۹۵) اقامت میں لفظ قد قامت الصّلاۃ کو بلند آواز سے کہنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

## غیر مقلد کی تکبیر سے نماز میں نقص نہیں ہوتا

**سوال:**(۱۹۶) ایک غیر مقلد نے بلا اجازت موذن کے تکبیر جمعہ اس طرح کہی کہ بجائے دو کلموں کے ایک کلمہ اور بجائے چار کے دوکلمہ کہے، پھر موذن نے دوبارہ تکبیر صحیح طور پر پڑھی، اس پر غیر مقلد نے تیسری بار پھر تکبیر پڑھی، اس سے حنفیوں کی نماز میں تو کچھ نقصان نہیں ہوا؟

(۶۳۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** حنفیوں کی نماز میں اس سے کچھ فرق نہیں آیا، باقی غیر مقلد نے جو ضداً تیسری بار تکبیر کہی یہ برا ہے، اس میں وہ گنہ گار ہوا کہ دین کے کاموں میں ضد اور نفسانیت سے کام لیتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۲۱-۱۲۲)

**سوال:**(۱۹۷) اگر حنفیوں کی جماعت میں غیر مقلد تکبیر کہے تو نماز میں فساد واقع ہوگا یا نہیں؟

(۲۱۳۱/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۱، کتاب الصّلاۃ ، باب الأذان ، مطلب في أوّل من بنی المنائر للأذان .

الجواب: کچھ فساد واقع نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۷)

## دفن میت کے بعد اور قحط ووباء میں اذان کہنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۹۸) زمانۂ قحط اور وباء میں اور دیگر حادثات میں اور دفن میت کے بعد اذان کہنا کیسا ہے؟ (۲۴۵/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: ان حوادثات میں اذان شارع علیہ السلام سے اور اقوال وافعال سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ بدعت ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۸۴)

سوال: (۱۹۹) وباء اور قحط اور خشک سالی طاعون وغیرہ کے موقعہ میں اذان بعد نماز کہنا شرعًا درست ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو شرعی دلیل کیا ہے؟ اور اگر ممنوع ہے تو ہم نے جو سنا ہے کہ وباء میں غول بیابانی اور جنات کی کثرت ہوتی ہے، اور جنات کے دفع کے لیے جو حدیث: وَإذَا تَـغَـوَّلَـتْ لَكُمُ الغيلانُ فَنَادُوْا بِالْأَذَانِ (۲) اور حدیث: أَطْفِئُوا الحَرِيقَ بالتّكبيرِ (۳) سے سندِ جواز پکڑنا صحیح ہے یا نہیں؟ (۴۷۰/ ۱۳۳۷ھ)

---

(۱) في الاقتصار على ما ذُكر من الوارد إشارة إلى أنّه لا يُسنّ الأذانُ عند إدخال الميّت في قبرهٖ كما هو المعتاد الآن، و قد صرّح ابن حجر في فتاويه بأنّه بدعة، وقال: و من ظنّ أنّه سنّة قياسًا على ندبهما للمولود إلحاقًا لخاتمة الأمر بابتدائهٖ فلم يُصِب اهـ (ردّ المحتار: ۱۳۲/۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت) ظفیرؒ

(۲) عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه و سلّم: إذا سرتم في الخصب، فأمكنوا الرّكاب أسنانها...... وَ إذَا تَغَوَّلَتْ الحديث (مسند الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله: ۲۲/ ۱۷۸-۱۷۹، مسند جابر بن عبد الله رضي الله عنه، رقم الحديث: ۱۴۲۷۷، المطبوعة: مؤسسة الرسالة، بيروت)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه و سلّم: أَطْفِئُوا الحَرِيقَ بالتّكبيرِ. (المعجم الأوسط للطبراني: ۶/ ۲۱۹، باب من اسمه معاذ، رقم الحديث: ۸۵۶۹، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت)

**الجواب:** وباء اور قحط میں اذان کہنا منقول نہیں ہے، اور تغول غیلان کے وقت جواذان مستحب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر طور سے غیلان جن محسوس ہو، مثلاً جنگل وغیرہ میں کسی کو جنات کا احساس ہواس وقت اذان کہنے کا حکم ہے، امراض وبائیہ میں یہ وارد نہیں ہے، نہ اس کو اس پر قیاس کر سکتے ہیں کہ قیاس اوّل تو مجتہد کا معتبر ہے نہ ہم لوگوں کا، اور علاوہ بریں قیاس مع الفارق ہے کہ امراض وبائیہ میں تغول غیلان کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۳/۲)

## مغموم کا اذان کہلوا کر سننا کیسا ہے؟

**سوال:** (۲۰۰) ایک واعظ صاحب فرماتے تھے کہ اگر کسی کو رنج وغم لاحق ہو تو اس کو مناسب ہے کہ کسی سے اذان کہلا کر سنے؟ (۱۳۳۵/۱۶۱۴ھ)

**الجواب:** اس میں کچھ حرج نہیں ہے، شامی میں نقل کیا ہے کہ مغموم ومہموم کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۶/۲)
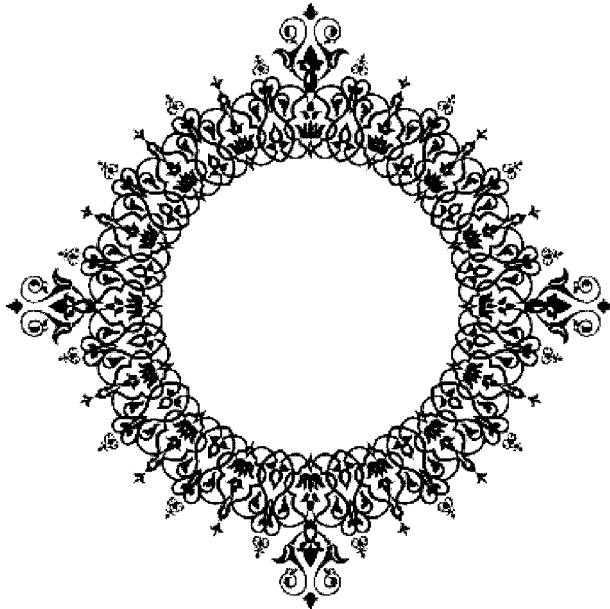
(۱) وفي حاشية البحر للخير الرّملي: رأيت في كتب الشّافعيّة أنّه قد يسنّ الأذان لغير الصّلاة كـما في أذن المولود والمهموم والمصروع إلخ. (ردّ المحتار: ۴۶/۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع الّتي يندب لها الأذان في غير الصّلاة) ظفيرؒ

# نماز کی شرطوں کا بیان

# طہارت کے مسائل

## مقدار درہم سے کم ناپاکی کے ساتھ نماز درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۰۱) اگر تہہ بند بعد وطی فی الفور باندھ لیا جاوے تو اس سے نماز درست ہے یا نہیں؟
(۲۷۷/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** اگر تہ بند کو رطوبت زائد قدر درہم سے نہ لگے تو وہ پاک ہے، نماز اس سے صحیح ہے، لیکن دھونا قدر درہم کا بھی ضروری ہے کہ باقی رکھنا اس کا مکروہ ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۳/۲)

---

(۱) وعَفا الشّارعُ عن قدرِ درهمٍ و إن كُرِهَ تحريمًا فيَجِبُ غَسلُهُ ، وما دونَهُ تنزيهًا فيُسَنّ ، وفوقَهُ مُبْطِلٌ فيُفرض (الدّرّ المختار)قوله : (وإن كره تحريمًا ) أشار إلى أنّ العفو عنه بالنّسبة إلى صحّة الصّلاة به ، فلا ينافي الإثم إلخ لكنّه قال بعده: والأقرب أن غسل الدّرهم وما دونه مستحبّ مع العلم بهٖ والقدرة على غسلهٖ فتركه حينئذٍ خلاف الأولٰى نعم الدّرهم غسله أكد إلخ ، ففي المحيط يكره أن يصلّى ومعه قدر درهم أو دونه من النّجاسة عالمًا بهٖ إلخ .
(الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۴۵۱، كتاب الطّهارة ، باب الأنجاس) ظفیرؒ

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱/۴۰۶، سوال نمبر: ۴۱۱-۴۱۲_محمد امین

## مقدار درہم سے زیادہ کپڑا ناپاک ہے تو نماز نہیں ہوگی

**سوال:** (۲۰۲) شخصے بعد از چہل سال گاہ بگاہ در مرض تقطیر البول مبتلا شد، پس او برائے دفع وہم بول یک پارچہ خرد زیریں استعمال (می کند)[۱] وآں پارچۂ زیریں گاہے از بول آلودہ می شود، پس ازاں پرچۂ زیریں زیر تہ بند دیگر داشتہ نماز جائز است یا نہ؟ (۷۷/۵۷۷-۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** اگر معلوم و(متیقن)[۲] است کہ پارچہ زیریں از قطرات بول زیادہ از قدر درہم نجس شدہ است، نماز دراں صحیح نخواہد بود، وگرنہ جائز است[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۲/۲)

**ترجمہ سوال:** (۲۰۲) ایک آدمی چالیس سال کے بعد کبھی کبھی پیشاب کے قطرات کی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے، پس وہ پیشاب کے وہم کو دور کرنے کے لیے ایک کپڑے کا ٹکڑا نیچے استعمال کرتا ہے، اور نیچے کا کپڑا کبھی کبھی پیشاب سے بھر جاتا ہے، پس اس کپڑے کے ٹکڑے کو دوسری لنگی کے نیچے رکھ کر کے نماز پڑھنے سے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** اگر معلوم و متیقن ہے کہ نیچے کے کپڑے کا ٹکڑا پیشاب کے قطرات سے مقدار درہم سے زیادہ تر ہو گیا ہو تو اس میں نماز صحیح نہیں ہوگی ورنہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

## جس کپڑے پر مذی لگ جائے اس میں نماز درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۰۳) جس کپڑے کو مذی لگ جائے اس سے نماز درست ہے یا نہیں؟ (۲۷۷/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** مذی نجس ہے، جس کپڑے کو مذی لگے گی وہ نجس ہے، اس سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے[۴] اور مقدار درہم اس میں بھی معاف ہے، لیکن دھونا اس کا بھی ضروری ہے، درمختار میں ہے:

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (کند) کی جگہ ''کنند'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (متیقن) کی جگہ ''متعین'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) حوالہ؛ سوال (۲۰۱) کے جواب کے حاشیہ میں گزر چکا ہے۔۱۲

(۴) كلّ ما يخرج من بدن الإنسان ممّا يوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلّظ كالغائط والبول والمنيّ والمذيّ والوديّ والقيح والصّديد . (الفتاوی الهندية :۱/۴۶، كتاب الطّهارة ، الباب السّابع في النّجاسة وأحكامها ، الفصل الثّاني في الأعيان النّجسة) ظفيرؒ

وعَفا الشّارعُ عن قدرِ درهمٍ وإن كُرِهَ تحريمًا فيَجِبُ غَسلُهٗ، وما دونَهٗ تنزيهًا فيُسَنُّ (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۳۳)

## جس گھاس پر ماکول اللحم جانور نے بول وبراز کیا ہو، اس پر نماز درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۰۴) اگر گاؤ خر بہ وقت خرمن کوبی بر گیاہ مقطوعہ بول وبراز کنندہ برآں گیاہ نماز جائز باشد یانہ؟ (اگر غلہ گاہتے وقت کٹے ہوئے غلہ پر بیل وگدھا پیشاب وگوبر کردے تو اس غلے پر نماز درست ہوگی یا نہیں؟ محمد امین) (۱۳۳۸/۵۶۵ھ)

**الجواب:** اس کی تطہیر کی صورت فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ علیحدہ کردیا جائے، تو اس صورت میں ہر دو حصے پاک سمجھے جاویں گے، یعنی باقی رہا ہوا بھی اور وہ بھی جو علیحدہ کیا گیا، درمختار میں ہے: كما لو بال حُمرٌ خَصّها لتغليظ بولِها اتّفاقًا علىٰ نحو حنطة تدوسها فقُسم أو غُسل بعضُه أو ذَهب بهبةٍ أو أكلٍ أو بيعٍ كما مرّ حيث يَطهرُ الباقي وكذا الذّاهبُ لاحتمال وقوع النّجس في كلِّ طرفٍ كمسئلة الثّوب إلخ (۲) فقط (۲/۱۳۱-۱۳۲)

## پَرال پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۰۵) ایام سرما میں اکثر پیال (۳) کا فرش بچھایا جاتا ہے، اس پر نماز جائز ہے یانہ؟ (۱۳۴۱/۱۵۲۰ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/۴۵۱، كتاب الطّهارة، باب الأنجاس.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: /۴۵۴، كتاب الطّهارة، باب الأنجاس، مطلب العرقي الّذي يستقطر من دردي الخمر نجس حرام إلخ.

(۳) پیال: پَرال یعنی دھان کا سُوکھا ڈنٹھل۔ (فیروز اللغات)

**الجواب:** اگر پاک ہو تو جائز ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۳۳-۱۳۴)

## ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوگی

**سوال:** (۲۰۶) ہندہ کی گود میں شیر خوار بچہ ہے، جس کی وجہ سے اس کا کپڑا ہر وقت ناپاک رہتا ہے، تو ایسی حالت میں ہندہ ناپاک کپڑے سے نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۴۱۳ھ)

**الجواب:** پاک کپڑا بدل کر یا ناپاک کو دھو کر نماز پڑھنی چاہیے، ناپاک کپڑے سے نماز نہ ہوگی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۳۷-۱۳۸)

## جماع کے بعد ناپاک کپڑا بدل دیا باقی کپڑے نہیں بدلے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۰۷) اگر کسی نے جماع کے بعد غسل کر کے کپڑے بالکل بدل دیئے، یا صرف لنگی ہی بدلی مگر اور کوئی کپڑا نہ بدلا، تو نماز درست ہے یا نہ؟ (۱۲۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** جب کپڑا ناپاک بدل دیا، اور غسل کر لیا تو نماز صحیح ہے(۱) فقط واللہ اعلم (۲/۱۴۱)

## ہسپتال میں ملازمت کرنے والا جس کے کپڑے ناپاک رہتے ہیں نماز کس طرح پڑھے؟

**سوال:** (۲۰۸) ایک آدمی ہسپتال کا ملازم ہے، اور ہر وقت ناپاک دوائیں اور آدمیوں کو چھوتا ہے، اور کپڑوں پر چھینٹیں بھی ہر وقت پڑتی رہتی ہیں، اور وہ خشک ہو جاتی ہیں، اور بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا چھونا مذہبًا حرام ہے، تو نماز کیسے ادا کرے؟ غسل کر کے کپڑا بالکل بدلنا ہوگا یا اسی صورت میں ادا کرے؟ (۱۲۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** ناپاک کپڑا بدل کر دوسرا پاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنی چاہیے(۱) فقط (۲/۱۴۱)

---

(۱) ثمّ الشّرط ........... هي ستّة : طهارة بدنه إلخ وثوبه إلخ ومكانه إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/ ۶۷-۶۸، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة) ظفیرؒ

## بھول کر ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۰۹) اگر امام کے کپڑوں پر شیرخوار نے خوب پیشاب کیا ہو، اور (اس نے) (۱) بھول کر نماز پڑھ لی ہو، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۰۵۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز لوٹانی چاہیے (۲) (یعنی دوبارہ پڑھے) (۳) فقط (۱۴۱/۲)

## کیا کوٹ پتلون میں نماز ہوجاتی ہے؟

**سوال:** (۲۱۰) کیا کوٹ پتلون سے نماز ہوجاتی ہے؟ (۸۶۴/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اگر یہ کپڑے پاک ہوں نماز ہوجاتی ہے (۴) اور پہننا ان کپڑوں کا ممنوع ہے بہ وجہ تشبّہ کے (۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۴/۲)

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (اس نے) کی جگہ ''اُن سے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) النّجاسة إن كانت غليظة وهي أكثر من قدر الدّرهم فغسلها فريضة، والصّلاة فيها باطلة و إن كانت مقدار درهم فغسلها واجب إلخ. (الفتاوى الهندية: ۵۸/۱، كتاب الصّلاة، الباب الثّالث في شروط الصّلاة، الفصل الأوّل في الطّهارة و ستر العورة)

وإذا ظهر حدث إمامه وكذا كلّ مفسد في رائ مقتد بطلت فيلزم إعادتها إلخ كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمّهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۹۳/۲-۲۹۴، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب المواضع الّتي تفسد صلاة الإمام دون المؤتمّ) ظفیر

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) طهارة بدنه إلخ وثوبه (الدّرّ المختار) أراد ما لابسَ البدنَ فدخل القلنسوةُ والخُفُّ و النّعلُ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۶۷/۱-۶۸، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة) ظفیرؒ

(۵) فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۵۳/۱۶، سوال نمبر: ۲۸۰ میں حضرت مجیب علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں:

اس کا استعمال صلحائے امت کا شعار نہیں ہے، مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انھوں نے اپنے اسلامی لباس کو چھوڑ کر دوسری قوموں کی وضع قطع اختیار کرلی ==

## پاجامہ پر دھبہ دیکھا اور کپڑے بدلے نہیں اور نماز پڑھتا رہا تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۱۱) اگر پاجامہ پر دھبہ معلوم ہو اور خواب یاد نہیں، اور میری دکان تمباکو کی ہے، شاید تمباکو کا دھبہ لگ گیا ہو، غرض کہ اسی دھبہ سے برابر ایک ہفتہ تک نماز پڑھتا رہا، وقت بدلنے کپڑے کے قبل از جمعہ مجھ کو معلوم ہوا، بعدہ نہا کر کپڑے بدل لیے، تو اس ہفتہ کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۱۷۸/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اگر یہ یقین ہو کہ یہ دھبہ منی کا ہے تو اس سے پہلے جو آخر مرتبہ سویا ہو اس کے بعد کی نمازوں کو لوٹانا ہوگا، مثلاً رات کو سویا تھا اور دن کو قبل از ظہر دھبہ دیکھا تو صبح کی نماز کا اعادہ کرے، اور اگر بعد ظہر کے دیکھا تو ظہر کا بھی اعادہ کرے(۱) اور اگر منی ہونا اس کا یقینی نہیں ہے بلکہ یہ بھی شبہ ہے کہ شاید اور کسی چیز کا دھبہ ہو تو پھر کسی ایک نماز کا بھی اعادہ لازم نہیں ہے۔ فقط (۱۳۷/۲)

## ناپاک اُونی کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۱۲) اونی کپڑے پر اگر گوبر وغیرہ لگ جائے اور خشک ہو کر خود بہ خود جھڑ جائے،

---

== اور من تشبّه بقوم فهو منهم (ابوداؤد: ص:۵۵۹، کتاب اللّباس) کے مصداق بن گئے، اس کا استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں، مسلمانوں کو اپنے شعار پر پوری قوت اور استقامت کے ساتھ قائم رہنا چاہیے۔ مرقاۃ المفاتیح میں ہے: قوله: (قال: قال رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم : من تشبّه بقوم ) أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللّباس وغيره أو بالفسّاق أو الفجّار أو بأهل التّصوّف والصّلحاء الأبرار (فهو منهم) أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲۵۵/۸، كتاب اللّباس، الفصل الثّاني، المطبوعة: مكتبة إمدادية ، ملتان ، باكستان) محمد امین پالن پوری

(۱) الأصل : إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته ، منها : ما قدّمناه فيما لو رأى في ثوبه نجاسة وقد صلّى فيه ، ولا يدري متى أصابته يعيدها من آخر حدث أحدثه ، والمني من آخر رقدة . (الأشباه والنّظائر: ۲۰۳/۱، الفنّ الأوّل في القواعد الكلّيّة ، رقم القاعدة: ۴۲۱)

یا پیشاب وغیرہ سے تر ہوکر خشک ہوجائے، تو اس کپڑے پر بلا پاک کیے نماز جائز ہے یا نہیں؟
(۱۳۴۵/۱۷۳۴ھ)

**الجواب:** وہ کپڑا بدون دھونے کے پاک نہ ہوگا، اس کو تین بار دھونا چاہیے(۱) فقط (اور جب تک وہ پاک نہ ہو اس پر نماز جائز نہیں ہے۔ ظفیرؔ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۸/۲-۱۳۹)

## ننگے پاؤں چلنے والا بغیر پاؤں دھوئے نماز پڑھ سکتا ہے

**سوال:** (۲۱۳) اگر وضو کرکے کوئی شخص میل دو میل (۲) ننگے پیر چلے، اور پھر پانی پیر دھونے کے لیے نہ ملے، تو پیروں کو جھاڑ کر نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ (۱۱۷۱/۴۶-۱۳۴۷ھ)

**الجواب:** اس صورت میں پیروں کو جھاڑ کر اور صاف کرکے نماز پڑھے، نماز ہوجائے گی (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۹/۲)

## استنجاء کیے بغیر نماز پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۱۴) ایک شخص نے پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد استنجا نہیں کیا، وضو کرکے نماز پڑھ لی، بعد میں یاد آیا، اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ یا وضو کے بعد یاد آیا تو اس کو وضو کرنا چاہیے یا نہیں؟
(۱۳۳۷/۱۲۳۰ھ)

---

(۱) و إزالتها إن كانت مرئية بإزالة عينها وأثرها إن كانت شيئًا يزول أثره إلخ و إن كانت غير مرئيّة يغسلها ثلث مرّات ............ ويشترط العصر في كلّ مرّة فيما ينعصر إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۴۱-۴۲، كتاب الطّهارة ، الباب السّابع في النّجاسة وأحكامها ، الفصل الأوّل في تطهير الأنجاس) ظفیرؔ

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں 'میل' کے بعد 'تک' ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'تک' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

(۳) وطين شارع إلخ عفو (الدّرّ المختار) وفي الفيض: طين الشّوارع عفو وإن ملأ الثّوب للضّرورة ولو مختلط بالعذرات وتجوز الصّلاة معه. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱/۴۶۰-۴۶۱ كتاب الطّهارة ، أبحاث الأنجاس ، مطلب في العفو عن طين الشّارع) ظفیرؔ

**الجواب:** اگر ڈھیلے سے استنجاء کرلیا تھا اور نجاست مخرج سے بہ قدر درہم متجاوز نہ تھی، تو بدون پانی سے استنجاء کرنے کے اس کی نماز ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۹/۲)

## کچھوے کی ہڈی کا طلاء لگا کر نماز پڑھنا

**سوال:** (۲۱۵) اگر استخوان باخہ یعنی کچھوا بر بدن طلا نمودہ نماز خواند، نماز می شود یا نہ؟

(۱۸۸/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** جواب صاف ایں است کہ استخوانِ باخہ را بر بدن طلا کردہ نماز گزاردن جائز است، نماز فاسد ومکروہ نمی شود، زیرا کہ استخوان او پاک است، اگر چہ خوردن او حلال نباشد (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۱/۲)

**ترجمہ سوال:** (۲۱۵) اگر کچھوے کی ہڈی کا طلا بدن پر لگا کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** صاف جواب یہ ہے کہ کچھوے کی ہڈی کا طلا بدن پر لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے، نماز فاسد اور مکروہ نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس کی ہڈی پاک ہے، اگر چہ اس کو کھانا حلال نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) وعَفا الشّارعُ عن قدرِ درهمٍ و إن كُرِهَ تحريمًا فيَجِبُ غَسلُهُ، و ما دونَهُ تنزيهًا فيُسَنّ، وفوقَهُ مُبْطِلٌ فيُفرض. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۵۱/۱، كتاب الطّهارة، باب الأنجاس)

ذكر في الذّخيرة: إذا كانت النّجاسة في موضع الاستنجاء أكثر من قدر الدّرهم فاستجمر أي استنجى بثلاثة أحجار وأنقاه أي موضع الاستنجاء ولم يغسله بالماء، قال الفقيه أبو اللّيث في فتاواه: يجزيه يعني من غير كراهة، وإن كان الغسل أفضل، قال صاحب الذّخيرة: وبه أي بما قال أبو اللّيث نأخذ، وفي هذا إشارة إلى أنّ البعض يخالف في ذلك ولا أعلم فيه مخالفًا إلخ وهذا إذا كانت تلك النّجاسة ما خرج من الحدث المعتاد ولم تصبه من الخارج.
(غنية المستملي، ص: ۱۶۸، فصل في الآسار) ظفیرؒ

(۲) شعر الميتة إلخ وعظمها إلخ وكذا كلّ ما لا تحلّه الحياة إلخ طاهر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۲۰/۱-۳۲۲، كتاب الطّهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدّباغة) ظفیرؒ

## ناپاک تیل کی مالش کر کے نماز پڑھنا

سوال: (۲۱۶) زید دس ماہ سے مالش روغن بیر بہوٹی (۱) کی تقویت باہ کے لیے کرتا ہے، اور بغیر دھوئے نماز پنج گانہ ادا کرتا ہے، آیا نماز اس کی جائز ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر عدم جواز دس ماہ کی نماز کی قضا واجب ہے یا نہیں؟ اور تداوي بالمحرم جائز ہے یا نہیں؟ اور حشرات الارض بھی اس میں داخل ہیں یا نہیں؟ (۵۷۶/۱۳۳۸ھ)

**الجواب**: تداوي بالمحرم عند الضرورت بہ شرائط جائز ہے۔ كما في الشّامي: يجوز للعليل شرب البول و الدّم و الميتة للتّداوي إذا أخبره طبيب مسلم أنّ فيه شفاءه و لم يجد من المباح ما يقوم مقامه إلخ (۲) اور تداوي بالمحرم میں حشرات الارض بھی داخل ہیں لقولہٖ تعالیٰ: ﴿ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ ﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۱۵۷) اور یہی وجہ حرمت ان حشرات کی ہے اور نجس ہونا نہ ہونا دم سائل ہونے پر موقوف ہے، پس اگر بیر بہوٹی میں دم سائل ہے، تو مرنے کے بعد وہ نجس ہے، اور اس کا تیل بھی نجس ہے، اس کو دھو کر نماز پڑھنی چاہیے، اور جو نمازیں بلا دھوئے پڑھی گئیں ان کا اعادہ لازم ہے، اور یہ امور کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہیں۔ فقط (۱۳۲/۲)

## حشرات الارض کا تیل لگا کر نماز جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۷) مندرجہ ذیل جانوروں کا تیل نجس ہے یا نہیں؟ اگر نجس ہے تو مغلظہ یا خفیفہ؟ اگر کوئی شخص ان روغنوں کو بہ غرض علاج جسم کے کسی حصہ پر مالش کرے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز کو مانع ہے یا نہیں؟ بغیر دھوئے جسم کے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ روغن جونک جھیلی (؟)، روغن مورچہ صحرائی، روغن خراطین برساتی روغن بیر بہوٹی۔ (۱۲۷۲-۳۵/۱۳۳۶ھ)

---

(۱) بیر بہوٹی: ایک سرخ رنگ کا کیڑا جو برسات میں پیدا ہوتا ہے، اس کا تیل اکثر دواؤں میں استعمال ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات)

(۲) ردّ المحتار: ۳۷۰/۷، كتاب البيوع ، باب المتفرّقات ، مطلب في التّداوي بالمحرم .

**الجواب:** ان جانوروں حشرات الارض کا تیل نجس مغلظہ ہے، استعمال اس کا درست نہیں ہے(۱) البتہ بہ ضرورت تداوی اگر طبیب حاذق مسلمان تجویز کرے اور کوئی دوا پاک وحلال اس کا قائم مقام نہ ہو سکے تو اس کا استعمال درست ہے(۲) اور جب کہ وہ نجاست غلیظہ ہے تو ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے، نماز ہو جاتی ہے اگر چہ بہتر دھونا ہے اور مقدار درہم سے زیادہ ہو تو دھونا اور پاک کرنا ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے: **وعفا الشّارع عن قدر درهم**(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۳۴-۱۳۵)

## بازار سے خریدے ہوئے لٹھے اور ململ پہن کر نماز پڑھنا درست ہے

**سوال:** (۲۱۸) ململ اور لٹھا جو ہم بازار سے خرید کر پہنتے ہیں، ان سے نماز درست ہے یا نہیں؟ (۵۸۹/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** ان کپڑوں سے نماز پڑھنا درست ہے(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۳۲)

## جیل خانہ سے خرید کردہ جائے نماز پر نماز پڑھنا درست ہے

**سوال:** (۲۱۹) جیل خانہ سے خرید کردہ جائے نماز پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؛ جس کو قیدی

---

(۱) ولا يحلّ ذوناب إلخ ولا الحشرات هي صغار دواب الأرض. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/ ۳۶۸-۳۶۹، كتاب الذّبائح) ظفیرؒ

(۲) وقيل: يرخّص إذا علم فيه الشّفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخّص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/ ۳۲۵-۳۲۶، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التّداوي بالمحرم)

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۴۵۱، كتاب الطّهارة، باب الأنجاس.

(۴) اس لیے کہ یہ کپڑے پاک ہیں، اور ان کا پہننا جائز ہے۔ ولو شكَّ في نجاسةِ ماءٍ أو ثوبٍ أو طلاقٍ أو عِتقٍ لم يُعتبرْ (الدّرّ المختار) في التّتارخانيّةِ من شكّ في إنائهٖ أو ثوبهٖ أو بدنهٖ أصابتْهُ نجاسةٌ أولا، فهو طاهرٌ ما لم يَستيقنْ إلخ وكذا ما يتّخذُهُ أهلُ الشّركِ أو الجَهَلَةِ من المسلمينَ كالسَّمْنِ والخُبزِ والأطعمةِ والثّيابِ اهـ ملخّصًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۲۵۴، كتاب الطّهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل) ظفیرؒ

بنتے ہیں؟ (۱۶۱۵/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** جائز ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۸/۲)

## کورے کپڑے میں نماز درست ہے

**سوال:** (۲۲۰) کورے کپڑے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۴۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** کورے کپڑے سے بدون دھوئے نماز درست ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۸/۲)

## غیر مسلم کی تیار کردہ صف، بوریہ اور چٹائی پر نماز پڑھنا درست ہے

**سوال:** (۲۲۱) فی زمانہ جو صف، بوریہ و چٹائی وغیرہ یہاں کے چماران تیار کرتے ہیں، بلا پاک کیے ان پر نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹/۷/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** وہ بوریہ اور صف پاک ہیں، نماز ان پر درست ہے، کچھ وہم نہ کرنا چاہیے۔ **لأنّ اليقين لايزول بالشّك** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۴/۲)

## غسل خانہ میں نماز مکروہ ہے

**سوال:** (۲۲۲) درحمام نماز جائز است یا نہ؟ (۱۹۶۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) اس لیے کہ غیر مسلم یا جاہل مسلمان کا بُنا ہوا کپڑا اور دوسری چیز پاک ہے، پھر یہ اصول میں ہے کہ کسی چیز کے ناپاک ہونے میں شک ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ ولو شكَّ في نجاسةِ ماءٍ أو ثوبٍ أو طلاقٍ أو عِتقٍ لم يُعتبرْ (الدّرّ المختار) في التّتار خانيّةِ من شكّ في إنائه أو ثَوبه أو بدنه أصابتْهُ نجاسةٌ أو لا ، فهو طاهرٌ ما لم يَستيقنْ إلخ وكذا ما يتّخذُهُ أهلُ الشّركِ أو الجَهَلَةِ من المسلمينَ كالسَّمْنِ والخُبزِ والأطعمةِ والثّيابِ اهـ ملخّصًا . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۵۴/۱، كتاب الطّهارة ، قبيل مطلب في أبحاث الغسل) ظفیرؒ

(۲) اس لیے کہ یہ پاک ہے، اس سلسلہ میں شک کا کوئی اعتبار نہیں۔ درمختار میں ہے: ولو شكّ في نجاسة ماء أو ثوب إلخ لم يعتبر . شامي: ۲۵۴/۱۔ ظفیرؒ

(۳) ردّ المحتار: ۲۵۱/۱، كتاب الطّهارة ، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إلخ .

**الجواب:** نماز درحمام مکروہ است (۱) بہ دو وجہ: یکے آنکہ حمام جائے غسالہ است و دیگر آنکہ آں خانہ شیاطین است۔ قال العلاّمة نجم الدّین الطَّرَسُوسِيُّ في منظومة الفوائد فقال:

نهَى الرّسولُ أحمدُ خيرُ البشرْ ❁ عنِ الصّلاةِ فِي بِقاعٍ تُعتبرْ
مَعاطنُ الجمالِ ثمّ المقبرهْ ❁ مَزبلةٌ طريقُهُم و مَجزَرَهْ
و فوقَ بيتِ اللّٰهِ و الحمَّام ❁ وَالحمدُ للّٰهِ علَى التّمامْ (۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۳۵)

**ترجمہ سوال: (۲۲۲)** حمام میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حمام میں نماز دو وجہ سے مکروہ ہے: ایک یہ کہ حمام استعمال شدہ پانی کی جگہ ہے، اور دوسری یہ ہے کہ وہ شیاطین کا گھر ہے۔ علامہ نجم الدین طرسوسی نے اپنی منظومہ ''الفوائد'' میں کہا ہے: انسانوں میں سب سے افضل، رسول احمد ﷺ نے منع فرمایا، چند جگہوں میں نماز پڑھنے سے جن کا شریعت میں اعتبار کیا جاتا ہے، اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں پر اور قبرستان میں، گوبر اور کوڑا وغیرہ ڈالنے کی جگہ میں لوگوں کے راستہ میں اور جانور ذبح کرنے کی جگہ میں اور کعبۃ اللہ کے اوپر اور حمام میں، اور بات پوری ہونے پر اللہ کی حمد ہے۔

## ایک شخص نے امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے منی نکلنے کے بعد غسل نہیں کیا اور نمازیں پڑھتا رہا تو کیا حکم ہے؟

**سوال: (۲۲۳)** عرصہ سے ایک مسئلہ درپیش ہے اور کسی طرح حل نہیں ہوسکا، میں امید کرتا ہوں کہ جناب ضرور بالضرور حل کرلیں گے میں تھوڑی سی عبارت فتاویٰ عالم گیری: ۱/ ۱۸، کی نقل کرتا ہوں جس سے صورت مسئولہ بہ خوبی روشن ہوجائے گی، عبارت فتاویٰ عالم گیری مندرجہ ذیل ہے:

---

(۱) و كذا تكره في أماكن كفوق كعبة وفي طريق إلخ ومغتسل وحمام. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹، كتاب الصّلاة، مطلب في إعراب كائن ما كان) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۳/۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب: الصّلاة في الكعبة، قبل كتاب الزّكاة.

’’ایک شخص کو احتلام ہوا یا کسی عورت کی طرف دیکھا اور منی اپنی جگہ سے بہ شہوت جدا ہوئی، پھر اپنے ذکر کو دبا لیا یہاں تک کہ شہوت اس کی ساکن ہوگئی، پھر منی بہی تو اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا؛ یہ ’خلاصہ‘ میں ہے‘‘ (۱) اب صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص کو احتلام ہوا اور منی اپنی جگہ سے شہوت (سے) (۲) جدا ہوئی، (پھر) (۳) اس نے اپنے ذکر کو دبا لیا، یہاں تک کہ شہوت ساکن ہوگئی اور پھر منی بہی، شخص مذکور کو چوں کہ پہلے سے یہ علم تھا کہ ایسی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا؛ اس لیے اس نے غسل نہیں کیا اور بغیر غسل کے نماز پڑھتا رہا اور چند مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا اور کبھی غسل نہیں کیا، اور یہ اس نے محض اپنی غلط فہمی کی وجہ سے ایسا کیا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس نے سخت غلطی کی تو وہ بہت نادم ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا شخص مذکور نے جس قدر نمازیں اس صورت میں پڑھی ہیں وہ ادا ہوگئیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئیں تو اب ان کی ادائیگی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اور شخص موصوف اس فعل کے کرنے سے گنہ گار ہوا یا نہیں؟ اور اگر گنہ گار ہوا تو کس درجہ کا؟

(۲۱۰۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** چوں کہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، اور بہت سے مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی قول کو مفتی بہ لکھا ہے —— اگرچہ محققین کی رائے یہ نہیں —— تاہم جو فعل شخص مذکور نے قول مختار سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کیا اور اس پر وہ اب نادم بھی ہے اور نفس مسئلہ میں کچھ گنجائش بھی ہے؛ اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے امید مسامحت کی ہے، باقی جو نمازیں اس نے اس حالت میں پڑھی ہیں ان کے متعلق اختلاف ائمہ اور اختلاف مشائخ مرجّحین

(۱) إذا احتلم أو نظر إلی امرأة ، فزال المنيّ عن مكانه بشهوة ، فأمسك ذكره حتّی سكنت شهوته، ثم سال المنيّ، عليه الغسل عندهما، وعند أبي يوسف لا يجب، هكذا في الخلاصة (الفتاوی الهندية : ۱/۱۴، كتاب الطّهارة ، الباب الثّاني في الغسل ، الفصل الثّالث في المعاني الموجبة للغسل)

(۲) (سے) کی جگہ ’’کے ساتھ‘‘ تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲۔

(۳) ’پھر‘ کی جگہ ’پس‘ تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔

پر نظر کر کے امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے: يؤخذ بقول أبي يوسف في صلوات ماضية فلا تعاد وفي مستقبلة لا يصلّي ما لم يغتسل.اھـ (۱)(ردّ المحتار : ۱/۱۱۹) لیکن پھر بھی احتیاط یہی ہے کہ ان نمازوں کی قضا کرے، کیوں کہ محققین کے نزدیک قول مختار امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے(۲) واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔فقط (۲/۱۳۶-۱۳۷)

## رنڈی کے بالاخانہ کے نیچے جو مکان ہے اس میں نماز درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۲۴) ایک مکان سرکار جنید کا ہے، اس نے کسی وجہ سے ایک رنڈی کو دے دیا، جب چاہے ضبط کر لیتا ہے، اس کے نیچے دکانیں ہیں، ان کو کرایہ پر لے رکھا ہے، اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۴۳۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** اس مکان مذکور میں نماز پڑھنا صحیح ہے، نماز ہو جاتی ہے(۳) لیکن اولیٰ یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھیں(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۴۰)

(۱) ردّ المحتار: ۱/۲۶۶، كتاب الطّهارة ، مطلب في تحرير الصّاع والمدّ والرّطل .

(۲) وفرض الغسل عند خروج منيّ من العضو وإلاّ فلا يفرض اتّفاقًا إلخ منفصل عن مقرّه إلخ بشهوة إلخ ولأنّه ليس بشرط عندهما خلافًا للثّاني وبقوله يفتى إلخ (الدّرّ المختار) ولكن أكثر الكتب على خلافه حتّى البحر والنّهر و لا سيّما قد ذكروا أنّ قوله قياس ، و قولهما استحسان ، وأنّه الأحوط ، فينبغي الافتاء بقوله في مواضع الضّرورة فقط . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱/۲۶۵، كتاب الطّهارة ، مطلب في تحرير الصّاع والمدّ والرّطل) ظفیرؒ

(۳) اس مکان میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، واللہ اعلم۔ظفیرؒ

(۴) فرض نماز مسجد میں جماعت سے ادا کرنا سنت موکدہ ہے۔ والجماعة سنّة مؤكّدة للرّجال إلخ ولو فاتته ندب طلبها في مسجد آخر إلاّ المسجد الحرام . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۲۴۴-۲۴۸، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد) ظفیرؒ

# سترِ عورت کے مسائل

## کپڑے کی غلظت میں شرط کیا ہے؟

سوال: (۲۲۵) کپڑے کی غلظت میں شرط کیا ہے؟ اگر صورت بدن دیکھا جاوے اور لون بشرہ نہ دیکھا جاوے تو نماز درست ہے یا نہیں؟ اگر رنگت کی وجہ سے نہ دیکھا جاوے یا پاجامہ بنانے کی وجہ سے نہ دیکھا جاوے تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۰/۴۰ھ)

**الجواب:** جب کہ رنگ بشرہ کا معلوم نہ ہو تو ستر ثابت ہے، اور نماز صحیح ہے[1] فقط (۱۴۴/۲)

## ہنود کی طرح دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۶) دھوتی مثل اہل ہنود کے باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۸۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** اگر کشف عورت نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے[2] مگر یہ طریقہ اچھا نہیں ہے[3] فقط (۱۴۳/۲)

---

(۱) وعادم ساتر لا يصِف ما تحته (الدّرّ المختار) بأن لا يُرى منه لون البَشَرَةِ احترازًا عن الرّقيق ونحو الزُّجاج. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۷۶/۲-۷۷، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) ومنها : ستر العورة لقوله تعالىٰ : ﴿يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾، قيل في التأويل :" الزينة " ما يواري العورة ، و" المسجد " الصّلاة ، فقد أُمر بمواراة العورة في الصّلاة ........... و إذا كان السّتر فرضًا كان الانكشاف مانعًا جواز الصّلاة ضرورةً . (بدائع الصّنائع: ۳۰۶/۱ ، كتاب الصّلاة ، فصل في شرائط أركان الصّلاة ) محمد امین

(۳) کیوں کہ لباس وغیرہ میں ہنود کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے، حدیث میں ہے: من تشبّه بقوم فهو منهم . (سنن أبي داوٗد: ۵۵۹/۲، كتاب اللّباس، باب في لبس الشّهرة) محمد امین

## عورتوں کی نماز ساڑی میں جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۷) عورتوں کی نماز ساڑی یعنی لہنگا پہن کر درست ہو جاتی ہے یا نہیں؟
(۱۰۲۸/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر وہاں کا رواج عورتوں کے لباس کا یہی ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے، نماز ہو جاتی ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ستر پورا ہونا چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۳/۲)

## جانگیا پر لنگی باندھ کر نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۲۸) اگر کوئی شخص رومالی یا جانگیا باندھ کر اس کے اوپر دھوتی یا پاجامہ وغیرہ پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر رومالی و جانگیا باندھ کر اس کے اوپر گھٹنا یعنی نصف پاجامہ پہن لے، اور اس کے اوپر تہبند باندھ کر نماز پڑھے، تو نماز جائز ہوگی یا نہ؟ (۲۰۱/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ان صورتوں میں جب کہ ستر عورت ہو جائے نماز صحیح ہے[1] فقط (۱۴۳/۲-۱۴۴)

## عورت کے قدم کھلے ہوں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۲۲۹) کتاب صلاۃ الرّحمٰن میں لکھا ہے کہ نماز کے اندر اگر عورت کے قدم کی چوتھائی کھل جاوے تو نماز نہ ہوگی، تو عورتوں کو موزے پہن کر نماز پڑھنا چاہیے؟ (۴۲۳/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: درمختار میں لکھا (ہے)[2] کہ معتمد یہ ہے کہ قدمین عورت کے عورت نہیں، اس کے کھلنے سے نماز میں خلل نہیں آتا، اور یہ جو صلاۃ الرّحمٰن میں لکھا ہے یہ بھی ایک قول ہے، اور مراد اس سے باطن قدم ہے نہ ظہر قدم۔ کذا في الشّامي[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۲/۲)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) و للحرّة و لو خنثٰی جميع بدنها إلخ خلا الوجه و الكفّين إلخ و القدمين على المعتمد (الدّرّ المختار) أي من أقوال ثلاثة مصحّحة ، ثانيها عورة مطلقًا ، ثالثها عورة ==

## عورت کو نماز میں دونوں پاؤں ڈھانکنا ضروری نہیں

**سوال:** (۲۳۰) عورت کو سارا بدن ڈھانکنا فرض ہے سوائے منہ اور دونوں ہتھیلی کے اور دونوں پاؤں کے، تو نماز میں ظہر ید وبطن رجل بھی ڈھانکنا چاہیے، اس کے لیے موزے و دستانے پہننے کی ضرورت ہے یا کہ نہیں؟ (۲۹/۷۰۷-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** دونوں پاؤں کے اور دونوں ہاتھوں کے ظہر و بطن نماز میں ڈھانکنا ضروری نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۳/۲)

---
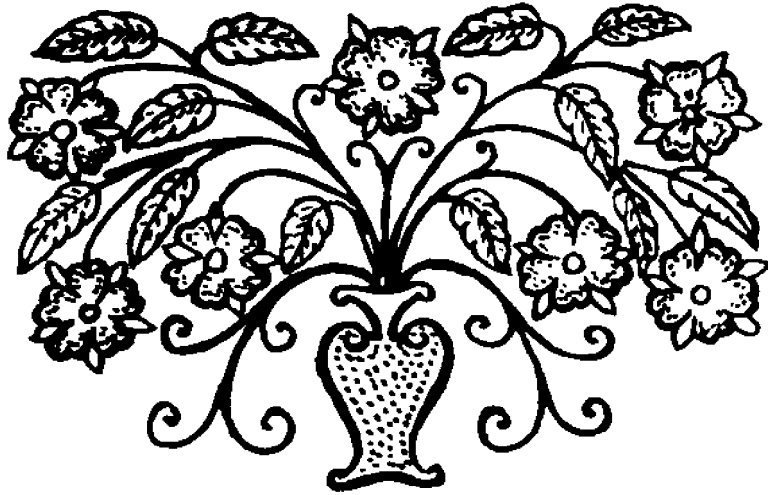
== خارج الصّلاة لا فيها، أقول : ولم يتعرض لظهر القدم وفي القهستانيّ عن الخلاصة اختلفت الرّوايات في بطن القدم اهـ وظاهره أنّه لا خلاف في ظاهره . ثمّ رأيت في مقدّمة المحقّق ابن الهمام المسمّاة بزاد الفقير قال بعد تصحيح : إن انكشاف ربع القدم مانع ، ولو انكشف ظهر قدمها لم تفسد إلخ ، فاستفيد من كلام الخلاصة أنّ الخلاف إنّما هو في باطن القدم وأمّا ظاهره فليس بعورة بلا خلاف . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۷۱-۷۲، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، مطلب في ستر العورة) ظفيرؔ

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

# استقبال قبلہ کے مسائل

## سمت قبلہ میں شرعاً بہت وسعت ہے

**سوال:** (۲۳۱)......(الف) خورجہ سے کعبہ کی عین سمت کیا ہے؟ آیا علم ہیئت اور علم ہندسہ شریعت میں قابل لحاظ ہے؟

(ب) کیا قطب کو بہ جانب یمین دیکھتے ہوئے قبلہ خورجہ سے عین مغرب کے سامنے ہے؟

(ج) کیا ذریعہ قطب مندرجہ بالا ایک عام اور (کلی) (۱) اصول ہندوستان کے لیے ہے؟

(د) خورجہ میں اگر اکثر مساجد مندرجہ بالا طریقہ پر یا کسی اور غلط طریقہ پر تعمیر ہوئی ہیں، تو کیا دیگر جدید مساجد اس غلط طریقہ پر آئندہ بھی بنائی جائیں؟ اطلاعاً عرض خدمت ہے کہ چند مساجد مندرجہ ذیل طریقہ پر یعنی علم ہیئت اور علم ہندسہ کے مطابق بنی ہوئی ہیں، خورجہ علم ہیئت کے مطابق ۲۸ درجہ شمال عرض البلد پر واقع ہے، اور مکہ معظّمہ ۲۱ درجہ ۴۰ لمحہ عرض البلد پر واقع ہے، لہٰذا اس طریقہ پر تقریباً ۷ درجہ کا فرق ہے، اور بریں اصول سات درجہ بہ جانب مغرب وجنوب نماز پڑھنی چاہیے، جیسا کہ چند علمائے کرام نے اس پر فتویٰ دیا ہے؟

(ھ) ہمیں عین قبلہ معلوم کرنا ضروری ہے یا محض جہت قبلہ کافی ہے؟ (۱۳۴۱/۲۴۲ھ)

**الجواب:** (الف-ھ) سمت قبلہ اور جہت قبلہ میں شرعاً بہت وسعت ہے، اور ضروری نہیں ہے کہ عین کعبہ کی طرف استقبال ہو، بلکہ جہت قبلہ کافی ہے، اور اس میں بھی تھوڑے سے انحراف سے

---

(۱) (کلی) کی جگہ ''کل'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

یعنی کسی قدر دائیں بائیں ہوجانے سے استقبال کعبہ میں خلل نہیں آتا، جیسا کہ درمختار میں ہے:
**ولغيره أي غير معاينها إصابة جهتها بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أو لهوائها إلخ**(۱) اور شامی میں قہستانی سے منقول ہے: **ولا بأس بالإنحراف إنحرافًا لا تزول به المقابلة بالكلّيّة ، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة (إلى أن قال) وسيأتي في المتن في مفسدات الصّلاة أنّها تفسد بتحويل صدره عن القبلة بغيرعذر، فعلم أنّ الانحراف اليسيرلا يضرّ وهوالّذي يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها بأن يخرج الخطّ من الوجه أو من بعض جوانبه و يمرّ على الكعبة أو هوائها مستقيمًا ولايلزم أن يكون الخطّ الخارج على استقامةٍ خارجًا من جهة المصلّى بل منها أو من جوانبها إلخ**(۱)

الحاصل جب کہ(۲) محقق ہوا کہ انحراف یسیر سے استقبال کعبہ میں فرق نہیں آتا، تو اس سے واضح ہے کہ قطب شمال کو جانب شمال رکھ کر نماز پڑھنے میں استقبال قبلہ ہوجاتا ہے، اور مساجد جو اس طریق سے بنی ہوئی ہیں وہ صحیح رخ پر ہیں، اس میں زیادہ کنج وکاؤ کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ آلات سمت قبلہ کے دریافت کرنے (کے) (۳) مہیا ومیسر نہیں ہیں، اور پھر وہ بھی ظنی ہیں، اور عام لوگوں کو اس کی تکلیف دینا دشوار ہے، اور مساجد قدیمہ خود اس بارے میں حجت صحیحہ ہے، اور تغیر کرنا ان میں تھوڑے سے انحراف مظنون کی وجہ سے مناسب نہیں ہے، اور قطب شمال کو حجت سمجھنا اس بارے میں اکابر علماء کا دلیل واضح اس کی صحت کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۴۴-۱۴۶)

---

(۱) **الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۹۷-۹۹، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، مبحث في استقبال القبلة .**

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں 'جب کہ' کے بعد 'یہ امر' ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'یہ امر' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں 'کرنے کے' بعد 'لیے' ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'لیے' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

## ریل میں بھی استقبال قبلہ اور قیام وغیرہ ضروری ہے

**سوال:** (۲۳۲) شخصے راکب ریل است، لیکن از باعث تحویل الواح ریل عن القبلہ اگر مستقبل قبلہ بودہ نماز می خواند، پس ارکان صلاۃ مثل قیام وقعود ورکوع وسجود بروے متعسّر ومتعذّر می شوند، واگر بہ قیام ورکوع وسجود نماز می گزارد، تا استقبال قبلہ از وے فوت می شود، پس دریں صورت کدام فرض را ترک نمودہ؟ بکدام طریق تعمیل درزد یعنی محول عن القبلہ بودہ، بدیگر طرف مستقبل شدہ برکوع وسجود (صلاۃ)(۱) ادا نماید یا مستقبل قبلہ گردیدہ بایماء نماز نخواند۔ (۱۳۳۸/۸۴ھ)

**الجواب:** اگر کسے درریل نماز فرض خواند پس استقبال قبلہ وقیام ورکوع وسجود وغیرہ جملہ ارکان صلاۃ ادا کردن ضروری است، ومحض از سواری ریل استقبال ساقط نمی شود، چراکہ باوجود تحویل الواح بہ قدرے دقت وتکلف استقبال ممکن است، اگر بلا مجبوری ترک استقبال کرد نماز جائز وادا نمی شود، واگر مستقبل قبلہ بودہ نماز شروع کرد ودرحالت صلاۃ سمت قبلہ مبدل گردد، پس مصلی را ضروری است کہ آں ہم متوجہ قبلہ بودہ نماز تمام کند کہ جملہ ارکان صلاۃ ادا شوند، ومصلی ریل را درنماز فرض قعود قطعًا جائز نیست، ودرصلاۃ نفل جائز است، البتہ اگر فی الحقیقت ہجوم ایں قدر باشد کہ حرکت ورکوع و سجود ممکن نیست ونیز برصلاۃ از خارج ریل قادر نیست بلا استقبال وبلا قیام ادا کند، وایں صورت نادر است(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۶/۲)

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) وَالْمَرْبُوْطَةُ بِلُجَّةِ الْبَحْرِ إِنْ كَانَ الرِّيْحُ يُحَرِّكُهَا شَدِيْدًا فَكَالسَّائِرَةِ وَإِلَّا فَكَالْوَاقِفَةِ وَيَلْزَمُ استِقبَالُ الْقِبْلَةِ عِنْدَ الافْتِتَاحِ وَكُلَّمَا دَارَتْ (الدّرّ المختار) أي في قولهم جميعًا،بحر. وإن عجز عنه يمسك عن الصّلاة، إمداد عن مجمع الرّوايات. ولعلّه يمسك ما لم يخف خروج الوقت لما تقرّر من أنّ قبلة العاجز جهة قدرته وهذا كذلك وإلّا فما الفرق. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۵۰۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المريض ، مطلب في الصّلاة في السّفينة)

من تعذّر عليه القيام أي كلّه لمرض حقيقيّ إلخ ، أوحكميّ بأن خاف زيادته ==

ترجمہ سوال: (۲۳۲) ایک آدمی ریل پر سوار ہے، لیکن ریل کے ڈبوں کے قبلہ کی طرف سے پھر جانے کی وجہ سے اگر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے تو نماز کے ارکان مثلاً قیام وقعود و رکوع اور سجدہ اس پر دشوار اور مشکل ہو جاتے ہیں، اور اگر قیام اور رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا اُس سے فوت ہو جاتا ہے، پس اس صورت میں کس فرض کو ترک کر کے کس طریقے پر عمل کرے؟ یعنی قبلہ سے پھر کر کے دوسری طرف رخ کر کے رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرے یا قبلہ کی طرف رخ کر کے اشارہ سے نماز ادا کرے؟

**الجواب:** اگر کوئی آدمی ریل کے اندر فرض نماز پڑھے تو اس کے لیے قبلہ کی طرف رخ کرنا و قیام ورکوع اور سجدہ وغیرہ نماز کے تمام ارکان کی ادائیگی ضروری ہے، اور صرف ریل کی سواری کی وجہ سے استقبال قبلہ ساقط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ڈبوں کے پھر جانے کے باوجود تھوڑی سی دقّت اور تکلیف کے ساتھ استقبال ممکن ہے، اگر بغیر مجبوری کے استقبال ترک کر دے تو نماز جائز اور ادا نہیں ہوگی اور اگر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز شروع کی ہو اور نماز کی حالت میں قبلہ کی جہت بدل جائے تو مصلی کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھی قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پوری کرے کہ نماز کے تمام ارکان ادا ہو جائیں، اور ریل میں نماز پڑھنے والے کے لیے فرض نماز بیٹھ کر کے پڑھنا قطعًا جائز نہیں ہے، اور نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، البتہ اگر حقیقت میں اتنی بھیڑ ہو کہ رکوع اور سجدہ کے لیے حرکت کرنا ممکن نہیں ہے اور ریل سے باہر بھی نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہے تو استقبال قبلہ اور قیام کے بغیر نماز ادا کرے، اور یہ صورت شاذ و نادر ہے۔

سوال: (۲۳۳) بنگالہ کی ریل میں نماز میں قبلہ کی طرف کھڑا ہونا ممکن نہیں اور جس جگہ ممکن ہے وہاں جائے قیام وسجدہ میں گرد وغبار ہوتا ہے وہاں قیام فرض ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۳۰۸ھ)

**الجواب:** ریل میں نماز پڑھنے میں حتی الوسع کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہیے اور قبلہ رخ ہونا

---

== أو بُطْءَ بُرئِهِ بقيامه أو دوران رأسه أو وجد لقيامه أَلَمًا شَدِيْدًا إلخ صلّى قاعدًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۳-۴۹۴، کتاب الصّلاة، باب صلاة المريض) ظفیرؒ

ضروری ہے(۱) اور جگہ کا وہم نہ کرنا چاہیے، غایت یہ کہ کوئی پاک کپڑا اچھالیا جاوے۔ فقط (۱۵۰/۲)
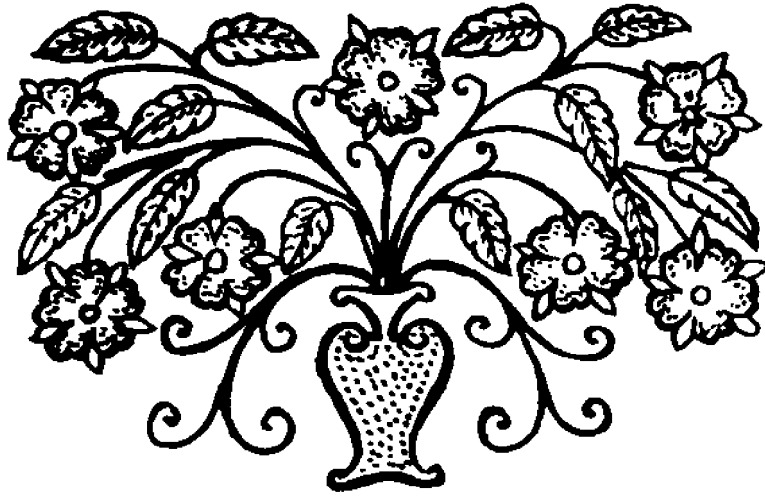
(۱) والسّادس استقبال القبلة حقيقة أو حكمًا كعاجز والشّرط حصوله لا طلبه إلخ . (الدّر مع الشّامي: ۹۶/۲-۹۷، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، مبحث في استقبال القبلة)

والفرائض الباقية من السّتّ هي القيام إلخ لقوله تعالىٰ: ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾. (غنية المستملي، ص: ۲۲۴، فرائض الصّلاة)

ومنها القيام ...... في فرض إلخ لقادر عليه (الدّرّ المختار ) فلو عجز عنه حقيقة وهو ظاهر أو حكمًا كما لو حصل له به ألمٌ شديد أو خاف زيادة المرض إلخ فإنّه يسقط إلخ . (الدّرّ المختار والشّامي: ۱۱۶/۲-۱۱۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، بحث القيام) ظفیرؒ

# نیت کے مسائل

## صحت نماز کے لیے صرف دل سے نیت کرنا کافی ہے

**سوال:** (۲۳۴) زبان سے نیت کرنا نماز کی صحت کے لیے ضروری ہے یا صرف دل میں نیت کر لینا کافی ہے؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** نیت قلبی صحت نماز کے لیے کافی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۴۷)

**سوال:** (۲۳۵) منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ نماز کی نیت کے الفاظ زبان سے کہنے مستحب ہیں، اور دل سے نیت کرنی فرض ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنی بدعت ہے؟ بینوا توجروا (۹۰۲/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** صحیح یہ ہے کہ زبان سے الفاظ نیت کہنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ مستحب ہے، لیکن ضرور ہے کہ دل میں نیت کرے، حنفیہ کا محقق مذہب یہی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۴۸)

## زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں

**سوال:** (۲۳۶) میں نے ایک کتاب فقہ میں دیکھا تھا کہ ہر نماز کی نیت اوّل دل میں کرنی چاہیے، اور بعدہ اس کو زبان سے ادا کرنا چاہیے، مجھے الفاظ نیت زبان سے ادا کرنے میں سخت

---

(۱) والمستحبّ في النّيّة أن ينوي ويقصد بالقلب ويتكلّم باللّسان بأن يقول : أصلّي صلاة كذا إلخ ولو نوى بالقلب ولم يتكلّم باللّسان جاز بلا خلاف بين الأئمّة لأنّ النّيّة عمل القلب لا عمل اللّسان ، واستحباب ضمّه إليه لما ذكرنا. (غنية المستملي، ص:۲۲۲-۲۲۳) ظفیرؒ

دقّت ہوتی ہے، اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ (۱۹۲/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** اس صورت میں دل میں صرف یہ خیال کرلینا کافی ہے کہ مثلاً یہ نماز ظہر کی ہے، اور زبان سے الفاظ نیت ادا کرلینا بھی بہتر ہے، اور اگر اس میں کچھ دقت ہو تو اس کو چھوڑ دیجیے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۱۴۷-۱۴۸)

## کیا زبان سے نیت کرنا بدعت ہے؟

**سوال:** (۲۳۷) آیا تلفظ بہ نیت نماز بدعت است؟ وبسم اللہ درمیان فاتحہ وسورہ خواندن ممنوع است؟ بیان فرمایند۔ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** تلفظ بہ نیت نماز بدعت نیست (۱) وبسم اللہ ما بین فاتحہ وسورہ ممنوع نیست (۲) فقط (۲/ ۱۴۷)

**ترجمہ سوال:** (۲۳۷) کیا نماز کی نیت کا تلفظ کرنا بدعت ہے؟ اور فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا ممنوع ہے؟ بیان فرمائیں۔

**الجواب:** نماز کی نیت کا تلفظ کرنا بدعت نہیں ہے، اور فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا ممنوع نہیں ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) والخامس النّيّة بالاجماع وهي الإرادة لا العلم والمعتبر فيها عمل القلب اللّازم للإرادة إلخ والتّلفّظ بها مستحبّ وهو المختار إلخ ، وقيل : سنّة يعني أحبّه السّلف أو سنّه علماء نا إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصّحابة ولا التّابعين بل قيل : بدعة (الدّرّ المختار ) نقله في الفتح وقال في الحلية: ولعلّ الأشبه أنّه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار : ۲/۸۲-۸۴، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، بحث النّيّة)

(۲) و ...... سمّى إلخ سرًّا في أوّل كلّ ركعة ولو جهريّة ، لا تسنّ بين الفاتحة والسّورة مطلقًا ولو سرّيّة ولا تكره اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۱۶۹-۱۷۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : قراءة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن )ظفیرؔ

(۳) بلکہ مستحب ہے، تفصیل آگے کتاب الصلاۃ کے سوال نمبر: (۲۷۵-۲۷۸) میں آرہی ہے۔۱۲ محمد امین

سوال: (۲۳۸) زید کہتا ہے کہ زبان سے نیت نماز کرنا بدعت ہے، عمر کہتا ہے کہ سنت ہے؟
(۱۳۳۸/۱۲۵۰ھ)

الجواب: اصل نیت دل سے ہے، اور زبان سے کہنے کو بھی فقہاء کرام نے مستحب لکھا ہے، درمختار میں ہے: والمعتبر فيها عمل القلب اللّازم للإرادة إلخ ، والتّلفّظ...... بها مستحبّ هو المختار إلخ[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۱۴۸-۱۴۹)

## نماز کی نیت کے الفاظ خواہ کسی زبان میں کہے جائز ہے

سوال: (۲۳۹) نماز کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اردو فارسی وغیرہ میں بھی کرسکتا ہے؟[۲] (۱۰۰۱/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں، اگر کہے بہتر ہے[۳] اور زبان سے کسی زبان میں اردو و فارسی وغیرہ میں کہہ لیوے تو کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۱۴۹)

## کسی کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے امام کی اجازت ضروری نہیں

سوال: (۲۴۰) زید امام مسجد ہے، بکر سے کہتا ہے کہ تم ہمارے پیچھے نماز نہ پڑھنا، آیا بکر زید کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا جب زید حکم دیوے اس وقت پڑھ سکتا ہے؟ (۲۹۲۳/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: زید کے پیچھے بکر نماز پڑھ سکتا ہے اور نماز صحیح ہے، زید کی اجازت اور حکم کی ضرورت

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّالمحتار ۲/ ۸۲-۸۳، کتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، بحث النّيّة .

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) النّيّةُ إرادة الدّخول في الصّلاة ، والشّرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلّي إلخ ، ولا عبرة للذِّكر باللّسان ، فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن ، كذا في الكافي. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۶۵، کتاب الصّلاة ، الباب الثّالث في شروط الصّلاة ، الفصل الرّابع في النّيّة) ظفیرؔ

نہیں ہے، بکر ہر حال میں اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے(۱) اور زید کا یہ کہنا بیجا اور خلاف شریعت تھا۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۸/۲)

## کیا امام کو عورتوں کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے؟

سوال: (۲۴۱) ایک عورت جماعت میں شریک ہوکر نماز پڑھے، تو امام کو نیت امامت عورت ضرور ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۶۷۶ھ)

**الجواب:** اگر محاذی مرد کے نہ کھڑی ہو تو امام کو اس کی امامت کی نیت ضروری نہیں ہے(۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۹/۲)

---
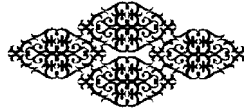
(۱) والإمام ینوي صلاته فقط ، ولا یشترط لصحّة الاقتداء نیّة إمامة المقتدي . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹۳/۲، کتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة ، بحث النّیّة ، مطلب : مضی علیه سنوات وهو یصلّي الظّهر قبل وقتها) ظفیرؒ

(۲) امداد الفتاویٰ میں ہے :

اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا، پس حصول ثواب امامت کے لیے تو امامت کی نیت ضرور ہے۔ رہا صحت صلاۃ مقتدی کے لیے پس اگر مقتدی مرد ہے تو ضرور نہیں اور اگر عورت ہو تو اگر وہ کسی مرد کے محاذی ہے تب اس کی صحت نماز کے لیے نیت امامت ضروری ہے، اور اگر محاذی نہیں تو اس میں اختلاف ہے اور جنازہ میں بالاجماع اور جمعہ اور عیدین میں بناء بر قول صحیح نیت اس کے اقتداء کی شرط نہیں۔
والإمام ینوي صلاته فقط ولا یشترط لصحّة الاقتداء نیة إمامة المقتدي بل لنیل الثّواب ............ لو أمّ رجالاً ............ وإن أمّ نساء فإن اقتدت به المرأة محاذیة لرجل في غیر صلاة جنازة فلا بدّ لصحّة صلاتها من نیة إمامتها ............ و إن لم تقتد محاذیة اختلف فیه ، فقیل : یشترط ، وقیل : لا کجنازة إجماعًا و کجمعة وعید علی الأصحّ. (الدّرّ المختار: ۹۳/۲-۹۴، کتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، بحث النّیّة، مطلب : مضی علیه سنوات وهو یصلّي الظّهر قبل وقتها) والله أعلم. (امداد الفتاویٰ: ۲۰۲/۱، نیت امامت) محمد امین پالن پوری

# نماز کے فرائض کا بیان

## تکبیر تحریمہ مرد اور عورت سب کو کہنا فرض ہے

سوال: (۲۴۲) تکبیر تحریمہ عورت کو بہ وقت نماز کہنا فرض ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۱۱۴ھ)

الجواب: تکبیر تحریمہ عورت اور مرد سب کو کہنا چاہیے اس میں مردوں کی کچھ تخصیص نہیں ہے، كما في عامّة كتب الفقه[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۰/۲)

## گھاس پر نماز درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۴۳) اگر گیاہ وغیرہ بدیں نوع کہ فرہش بہ قدر شبر یا زاید باشد، و بوقت سجدہ صعود و ہبوط می کند، نماز براں جائز است یا نہ؟ (۱۳۳۸/۵۶۵ھ)

ترجمہ سوال: (۲۴۳) اگر گھاس وغیرہ اس طریقے پر ہو کہ اس کی موٹائی ایک بالشت کے بہ قدر یا اس سے زائد ہو اور سجدہ کے وقت دَبتی اُبھرتی ہے، اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: درمختار میں شروط جواز سجدہ سے یہ بھی لکھا ہے: وأن يجد حجم الأرض اور اس کی تشریح علامہ شامی نے یہ فرمائی ہے: أنّ السّاجد لو بالغ لا يتسفّل رأسه أبلغ من ذلك إلخ[۲] (۳۳۷/۱)

---

(۱) من فرائضها الّتي لا تصحّ بدونها التّحريمة قائمًا وهي شرط (الدّرّ المختار ) التّحريمة المراد بها جملة ذكر خالص مثل الله أكبر . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۱۲/۲-۱۱۳، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: قد يطلق الفرض على ما يقابل الرّكن إلخ) ظفیرؒ

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۸۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة .

پس اگر وہ گھاس وغیرہ اس قدر ہو اور ایسے ہوں کہ سجدہ میں سر رکھنے سے دب جائے اور ٹھہر جائے تو سجدہ اور نماز صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۲/۲)

## تندرست آدمی کو چار پائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۴۴) تندرست آدمی کو چار پائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جیسے تخت پر نماز پڑھنا جائز ہے چار پائی پر بھی جائز ہے، بکر کہتا ہے کہ آج تک نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ علماء کے اقوال سے ثابت ہے، اور نہ بہ جز معذور کے کسی کو چار پائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۲۹۱/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** چار پائی پر نماز صحیح ہے، اور چار پائی مثل تخت کے ہے، کیونکہ جب گھٹنے اول چار پائی پر رکھے جائیں گے تو آگے سے سجدہ کی جگہ کھینچ کر سخت ہو جائے گی، اور مثل تخت کے ہو جائے گی، پھر سجدہ میں کچھ حرج نہ ہوگا[1] اور عادت چار پائی پر نماز پڑھنے کی اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ چار پائیوں کا اعتبار نہیں ہوتا، اکثر ناپاک ہوتی ہیں، لیکن جب کہ چار پائی پاک ہو تو پھر کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۰/۲)

**سوال:** (۲۴۵) چار پائی پر نماز اس وقت درست ہے کہ جب چار پائی سخت ہو یا ڈھیلی ہو تب بھی؟ بینوا توجروا (۱۲۶۴/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** چار پائی پر نماز ہر حالت میں درست ہے[1] اگر چہ وہ بہت سخت نہ ہو؛ کیوں کہ اگر ڈھیلی بھی ہے تو جس وقت گھٹنے چار پائی پر ٹھہریں گے اور زور پڑے گا تو سجدہ کی جگہ سخت ہو جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۲/۲)

**سوال:** (۲۴۶) اگر کوئی بہ حالتِ صحت نماز فرض یا نفل چار پائی پر پڑھے تو جائز ہے یا نہ؟ (۴۲۴/ ۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) لو سجد على الحشيشِ أو التِّبن إلخ إن استقرّت جَبهته وأَنفُه ، ويجد حَجْمَهٗ يجوز وإن لم يستقرّ لا . (الفتاوى الهندية : ۱/۷۰، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الأوّل في فرائض الصّلاة) ظفیرؒ

**الجواب:** نماز صحیح ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۳/۴)

## عورتوں کا بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں

**سوال:** (۲۴۷) یہاں رواج ہے کہ عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں، نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۹۵۸ھ)

**الجواب:** جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، پس بلا عذر قوی عورتوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا کسی طرح درست نہیں ہے اور نماز نہیں ہوتی (۲) فقط (۱۵۲/۲)

## کیا اس شخص کے لیے بیٹھ کر نماز جائز ہے جو چلتا پھرتا ہے؟

**سوال:** (۲۴۸) جو شخص چل پھر کر اچھی طرح اپنی ضرورت پوری کر سکے اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۹۵۲ھ)

**الجواب:** اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر نماز فرض پڑھنا درست نہیں ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۴/۲)

---

(۱) وإن صحّ عندنا بشرط كونه على جبهته الخ وبشرط طهارة المكان وأن يجد حجم الأرض (الدّرّ المختار) تفسيره أنّ السّاجد لو بالغ لا يتسفّل رأسه أبلغ من ذلك فصحّ على طنفسة وحصير وحنطة وشعير وسرير وعجلة إن كانت على الأرض. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۸۲/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب فى إطالة الرّكوع للجائي) ظفیرؒ

(۲) من فرائضها الّتي لا تصحّ بدونها التّحريمة إلخ ومنها القيام إلخ في فرض وملحق به إلخ لقادر عليه. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۱۱۲/۲-۱۱۷، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۳) ومنها القيام إلخ في فرض وملحق به كنذر وسنّة فجر في الأصحّ لقادر عليه، وعلى السّجود فلو قدر عليه دون السّجود ندب إيماؤه قاعدًا، وكذا من يسيل جرحه لو سجد (الدّرّ المختار) قوله: (لقادر عليه) فلو عجز عنه حقيقة وهو ظاهر أوحكمًا كما لو حصل له به ألم شديد أوخاف زيادة المرض إلخ فإنّه يسقط. (الدّرّ المختار والشّامي: ۱۱۶/۲-۱۱۷، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث القيام) ظفیرؒ

## قعدہ اخیرہ میں سوجائے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

**سوال:** (۲۴۹) زید نے جماعت سے نماز پڑھی، قعدہ اخیرہ میں سوگیا، اور امام کے ساتھ سلام پھیرا، لیکن مقدار تشہد بعد بیدار ہونے کے نہیں بیٹھا، زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۵۹/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** احوط یہ ہے کہ اعادہ قعدہ کا کیا جاوے، ورنہ نماز نہ ہوگی، اور شیخ ابن ہمام کی تحقیق سے جواز مفہوم ہوتا ہے، اور قواعد فقہیہ سے عدم جواز ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا احوط ثانی ہے۔ والتفصیل في الشّامي (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۳/۲)

## سجدے میں دونوں پاؤں اٹھ جائیں تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۵۰) سجدہ میں اگر دونوں پیر زمین سے اٹھ جائیں تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر تھوڑی دیر تک اٹھے رہیں تو کچھ خلل تو نہیں؟ (۲۱۸۸/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** قدمین کا زمین پر رکھنا سجدہ میں ضروری ہے؛ لیکن اگر زمین پر رکھنے کے بعد پھر دونوں قدم زمین سے اٹھ گئے یا اٹھنے کے بعد پھر زمین پر رکھ لیے تو نماز ہوگئی۔ فقط (۱۵۳/۲-۱۵۴)

**وضاحت:** سجدہ میں دونوں پیروں کی انگلیوں کا؛ یا ایک پیر کی انگلیوں کا؛ یا ایک انگلی کا ایک رکن کے بقدر یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہے اتنی دیر زمین پر لگنا فرض ہے (۲) پس اگر پورے سجدہ میں دونوں

---

(۱) ومنها القعود الأخير والّذي يظهر أنّه شرط لأنّه شرع للخروج (الدّرّ المختار) وبين في الإمداد الثّمرة بأنّه لو أتى بالقعدة نائمًا تعتبر على القول بشرطيّتها لا ركنيتها وعزاه إلى التّحقيق، والأصحّ عدم اعتبارها كما في شرح المنية. (الدّرّ المختار والشّامي: ۲/۱۲۰-۱۲۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث القعود الأخير) ظفیرؒ

(۲) وفيه (أي في شرح الملتقى) يُفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلاّ لم تجز والنّاس عنه غافلون (الدّرّ) وفي ردّ المحتار: قال في البزّازية: والمراد بوضع القدم هنا وضع الأصابع أو جزء من القدم وإن وضع إصبعا واحدة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۸۰-۱۸۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) محمد امین

پیر زمین سے اٹھائے رکھے، ایک رکن کے بقدر بھی زمین سے کوئی انگلی نہ لگی تو نماز نہ ہوگی ـــــ اور دونوں پیروں کی ساری انگلیاں زمین سے لگانا، پھر ان کو ڈھیلا کر کے قبلہ کی طرف متوجہ کرنا اور پیر دبا کر زمین پر رکھنا مسنون ہے ـــ اور ایک رکن کے بقدر انگلیاں زمین پر رکھ کر دونوں پیر زمین سے اٹھالینا مکروہ تحریمی ہے۔

اس مسئلہ میں عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے، لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ دونوں پیر زمین سے اُٹھ گئے تو نماز باطل ہوگئی، یہ صحیح نہیں ہے، پورے سجدہ میں ایک رکن کے بقدر بھی پیروں کی کوئی انگلی زمین سے نہ لگی تو نماز باطل ہوگی، ورنہ نہیں۔ سعید احمد پالن پوری

## نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ہل جائے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۵۱) جس شخص کے داہنے (پاؤں)(۱) کا انگوٹھا نماز میں ہل جائے اپنی جگہ سے، تو نماز میں کچھ فرق آتا ہے یا نہیں؟ اگر امام سے اسی طرح کی حرکت (صادر) ہوجاوے تو مقتدیوں کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۶۷۹/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اس سے نماز میں کچھ خلل اور نقصان نہیں آتا، اور امام (سے) اگر ایسا ہو تو مقتدیوں کی نماز میں اور خود امام کی نماز میں کچھ (نقص) نہیں آتا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۱/۲)
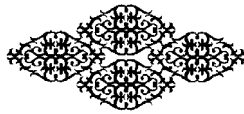
(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ کی رجسٹر نقول فتاویٰ سے تصحیح کی گئی ہے۔۱۲

(۲) حرّرناه في شرح الملتقى وفيه يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلاّ لم تجز (أى السّجدة) والنّاس عنه غافلون (الدّرّ المختار) والحاصل أنّ المشهور في كتب المذهب اعتماد الفرضيّة والأرجح من حيث الدّليل والقواعد عدم الفرضيّة إلخ، ثمّ الأوجه حمل عدم الفرضيّة على الوجوب، والله أعلم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۸۰/۲-۱۸۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفیرؔ

# نماز کے واجبات کا بیان

## سورت ملانا واجب ہے

**سوال:** (۲۵۲) ضم سورت فرض ہے یا واجب؟ اور کس قدر؟ (۱۵۱۴/۴۶-۱۳۴۷ھ)

**الجواب:** واجب ہے بہ قدر تین آیت کے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۸/۲)

## نوافل میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے فرض نہیں

**سوال:** (۲۵۳) نوافل رباعی میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے یا فرض؟ (۲۴۳۴/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** واجب ہے۔ كما في الدّرّ المختار : ولها واجباب إلخ والقعود الأوّل ولو في نفل في الأصحّ إلخ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۴/۲)

**سوال:** (۲۵۴) چار رکعت والی سنت اور نفل میں قعدۂ اولیٰ فرض ہے یا واجب؟ (۱۳۰۲/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** سنن ونوافل رباعی میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے، فرض نہیں ہے۔ كما في الدّرّ المختار في بيان الواجبات: والقعود الأوّل ولوفي نفل على الأصحّ (۲) فقط (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

---

(۱) ولها واجبات إلخ وضمّ أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث آيات قصار .
(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۹/۲-۱۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۹/۲-۱۴۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب واجبات الصّلاة .

قوله : (ولو في نفل) لأنّه وإن كان كلّ شفع منه صلاة على حدة حتّى افترضت القراءة في جميعه ، لكن القعدة إنّما فرضت للخروج من الصّلاة ، فإذا قام إلى الثّالثة تبيّن أنّ ما قبلها لم يكن أوان الخروج من الصّلاة فلم تبق القعدة فريضة. (ردّ المحتار: ۱۴۰/۲) ظفیرؒ

## تشہد؛ نماز میں واجب ہے

**سوال:** (۲۵۵) تشہد نماز میں افضل ہے یا نہیں؟ (۱۷۳۳/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** تشہد یعنی التحیات پڑھنا نماز میں واجب اور ضروری ہے[1] فقط (۱۵۵/۲)

## فرضوں کی دو رکعت خالی اور سنتوں کی سب بھری پڑھی جاتی ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟

**سوال:** (۲۵۶) فرضوں میں (جو)[2] دو رکعت خالی پڑھی جاتی ہیں، اور سنتوں میں بھری، اس میں حکمت کیا ہے؟ (۵۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** فرضوں میں دو رکعت کا خالی رکھنا یا صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا وارد ہوا (ہے)[2] اس وجہ سے ان کو خالی رکھتے ہیں[3] اور سنتوں اور نفلوں میں ہر ایک شفعہ نماز کا علیحدہ ہے، اس واسطے سب رکعتوں کو بھری پڑھنا چاہیے[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۵/۲-۱۵۶)

---

(۱) ومنها قراءة التّشهّد، فإنّها واجبة في القعدتين الأولٰى والأخيرة إلخ فأوجب السّجود بترك التّشهّد في القعدة الأولٰى كما في القعدة الأخيرة وهو ظاهر الرّواية .

(غنية المستملي، ص:۲۵۸، قبل فصل في صفة الصّلاة) ظفیرؔ

(۲) قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) عن أبي قتادة رضي الله عنه قال : كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقرأ في الظّهر في الأوليين بأمّ الكتاب وسورتين ، وفي الرّكعتين الأخريين بأمّ الكتاب ............ وهٰكذا في العصر الحديث ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح ، ص:۷۹، كتاب الصّلاة ، باب القراءة في الصّلاة ، الفصل الأوّل) ظفیرؔ

(۴) وضمّ ...... سورة إلخ في الأوليين من الفرض إلخ ، وفي جميع ركعات النّفل لأنّ كلّ شفع منه صلاة . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۲/۲-۱۳۳، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : واجبات الصّلاة) ظفیرؔ

## چار رکعت فرض میں دو خالی اور دو بھری کیوں ہیں؟

**سوال:** (۲۵۷) چار رکعت فرض میں دو خالی اور دو بھری (کس وجہ سے)(۱) مقرر ہوئی ہیں؟ (۲۰۸/۲۹-۱۳۳۳۰ھ)

**الجواب:** نماز فرض میں دو رکعت بھری اور دو خالی احادیث سے ثابت ہیں، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے(۲) لہٰذا ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے، چوں و چرا اس میں مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۴۸)

**سوال:** (۲۵۸) دو رکعت خالی اور دو رکعت بھری کیوں پڑھی جاتی ہیں؟ (۱۶/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** احادیث اور آثار صحابہؓ سے ایسا ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت میں الحمد اور سورت پڑھی اور آخر کی دو رکعت میں صرف الحمد پڑھی، اس واسطے حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۵)

## کیا ہر مکروہ تحریمی سے نماز کا اعادہ واجب ہے؟

**سوال:** (۲۵۹) ہر مکروہ تحریمی فعل سے نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ (۲۵/۱۷۲۵/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (کس وجہ سے) کی جگہ ''کیوں'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) عن عبد اللّٰہ بن أبي قتادة عن أبیه رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه أنّ النّبيّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم کان یقرأ في الرّکعتین الأولیین من الظّهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورة و یسمعنا الآیة أحیانًا ، ویقرأ في الرّکعتین الأخریین بفاتحة الکتاب. (الصّحیح لمسلم:۱/۱۸۵، کتاب الصّلاة ، باب القراءة في الظّهر والعصر)

(۳) عن أبي قتادة رضي اللّٰہ عنه قال: کان النّبيّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم یقرأ في الظّهر في الأولیین بأمّ الکتاب وسورتین ، وفي الرّکعتین الأُخریین بأمّ الکتاب الحدیث ، متّفق علیه. (مشکاة المصابیح، ص:۷۹، کتاب الصّلاة ، باب القراءة في الصّلاة، الفصل الأوّل)

واکتفی المفترض فیما بعد الأولیین بالفاتحة فإنّها سنّة علی الظّاهر ولو زاد لا بأس به .
(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۹۵، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

**الجواب:** مکروہ تحریمی فعل سے بے شک اعادہ نماز کا واجب ہوتا ہے(۱) اور تفصیل کا اس وقت موقع نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۶/۲)

## بغیر تعدیل ارکان جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۶۰) ایک شخص کی عمر بیس (برس)(۲) کی ہے، اس عرصہ (تک)(۲) اس نے کوئی نماز درست نہیں پڑھی، صرف دو ٹکر مار کر نماز ختم کر دیتا ہے، یہ نمازیں ہوئیں یا نہیں؟ اگر اعادہ کرے تو صرف فرض ہی ادا کرے یا سنت بھی؟ (۵۲/۷۔ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** جو نمازیں تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہیں ہوئیں اگر چہ وہ ہوگئی ہیں، لیکن ان کا(۳) دہرا لینا اچھا ہے(۴) فرض اور وتر کا اعادہ کرلے سنتوں کا اعادہ نہ کرے۔ فقط (۱۵۶/۲)

---

(۱) وكذا كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التّحريم تجب إعادتها (الدّرّ المختار) وفي الشّامي: تنبيه: قيّد في البحر في باب قضاء الفوائت وجوب الإعادة في أداء الصّلاة مع كراهة التّحريم بما قبل خروج الوقت، أمّا بعده فتستحب. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۰/۲-۱۳۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التّحريم تجب إعادتها)

(۲) قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں 'لیکن ان کا' کے بعد 'اعادہ' ہے، مگر رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'اعادہ' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ ۱۲

(۴) ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسّهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا إلخ وهي قرأة فاتحة إلخ وتعديل الأركان. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۹/۲-۱۳۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: واجبات الصّلاة) ظفیرؒ

# سنن وکیفیتِ نماز کا بیان

## فرض سے پہلے اِنِّيْ وَجَّهْتُ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۱) فرض کے قبل اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ إلخ پڑھنا چاہیے؟ (۱۰۶۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** کچھ حرج نہیں، نیت سے پہلے کہہ لے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۹)

## اللہ اکبر کی راء کو اس طرح ادا کرنا کہ لوگ دال محسوس کریں کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۲) زید کا یہ خیال اس کے کہ عام لوگ تکبیر انتقالی نماز میں اللہ أکبر کی 'ر' کو اس قدر کھینچتے ہیں کہ اس کی وجہ سے نماز میں نقصان واقع ہوتا ہے، اللہ اکبر کی 'ر' کو اس طرح خارج کرنا کہ بجائے را کے عام لوگ دال محسوس کریں شرعًا کیسا ہے؟ (۱۶۵۴/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** ایسا نہ کرنا چاہیے، تبدیل حروف جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۳)

## اللہ اکبر کے ہمزہ کو کھینچنا مفسدِ صلاۃ ہے

سوال: (۲۶۳) ایک امام (صاحب)[۲] رکوع وغیرہ میں جاتے وقت آللہ اکبر کہتے ہیں،

---

(۱) نیت کے بعد تکبیر سے پہلے نہ کہے تاکہ نیت اور تکبیر میں اتصال رہے، ہدایہ میں ہے: والأولٰی أن لا یأتي بالتّوجّه قبل التّکبیر لیتّصل النّیّة به هو الصّحیح . (الهدایة: ۱/۱۰۲، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) محمد امین

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

نماز ہوگی یا نہیں؟ (۹۶/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اللہ کے ہمزہ پر اور اسی طرح اکبر کے ہمزہ پر مد کرنا خطا مفسد صلاۃ ہے، اس سے احتراز لازم ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۶)

## نماز میں بجائے اللہ اکبر کے یا اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۶۴) نماز میں بجائے اللہ اکبر، تکبیرات انتقال کے اگر کوئی شخص سہواً یا اللہ ایک دو مرتبہ کہہ دے، تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۱۷/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** یہ جائز ہے، اور اس صورت میں نماز ہو جاتی ہے (۲) فقط (۲/۲۰۱-۲۰۲)

## نیت کے بعد ہاتھ باندھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

**سوال:** (۲۶۵) نماز کی نیت کر کے ہاتھ نیچے کو چھوڑ کر زیر ناف باندھے یا کانوں تک ہاتھ اٹھا کر زیر ناف باندھ لے؟ (۱۹۸/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نیت باندھیں، اور ہاتھ زیر ناف باندھیں (۳) فقط (۲/۱۵۹)

---

(۱) إذا أراد الشّروع في الصّلاة كبّر إلخ بالحذف إذ مدُّ إحدى الهمزتين مفسد ، وتعمُّده كفر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۷-۱۵۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیر

(۲) وصحّ شروعه.........بتسبيح وتهليل وتحميد وسائر كلم التّعظيم الخالصة لهٗ تعالىٰ إلخ (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۲/۱۶۰-۱۶۱، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۳) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھے یا چھوڑ کر پھر باندھے صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ کے بعد اور وتر میں دعائے قنوت کے وقت اسی طرح نماز عید کی پہلی رکعت میں تیسری تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھا کر باندھ لیے جائیں۔ ہاتھ چھوڑ کر پھر باندھنا کسی سے ثابت نہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ ثناء اور قراءت پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے رکھے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک باندھنے کا حکم ہے (کیوں کہ وہ ہاتھ باندھنے کو قیام کی سنت قرار دیتے ہیں) ==

سوال:(۲۶۶) بعد تکبیر تحریمہ قبل ثناء پڑھنے کے کسی قدر ارسال جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبدالحی صاحب نے جائز لکھا ہے۔(۱۷۴۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ووضع الرّجل یمینه علٰی یسارہٖ تحت سرته اٰخذًا رسغها بخنصرہٖ و إبهامه إلخ کما فرغ من التّکبیر بلا إرسال في الأصحّ إلخ ، قوله: (بلا إرسال) هو ظاهر الرّوایة إلخ (۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ ارسال صحیح نہیں ہے (اور خلاف ظاہر الروایہ کے ہے)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۴/۲)

== اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ثناء کے وقت چھوڑنے کا حکم ہے (ان کے نزدیک ہاتھ باندھنا قراءت کے آداب میں سے ہے) إذا أراد الرّجل الدّخول في الصّلاة أخرج کفّیه من کمیه ثمّ رفعهما حذاء أذنیه ثمّ کبّر بلا مدّ ناویًا ...... ثمّ وضع یمینه علی یساره تحت سرّته عقیب التّحریمة بلا مهلة مستفتحًا . یعنی جب مرد نماز شروع کرنے کا ارداہ کرے تو اپنی ہتھیلیاں آستین سے نکالے، پھر ان کو کانوں کے مقابل اٹھائے، پھر تکبیر کہے بلا مد کے نیت کرتے ہوئے، پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے، تحریمہ کے بعد بلا تاخیر کے ثناء پڑھتے ہوئے (نور الایضاح ص:۶۷، کتاب الصّلاۃ)

اور مراقی الفلاح میں ہے: (تحت سرّته عقیب التّحریمة بلا مهلة) لأنّه سنة القیام في ظاهر المذهب ، وعند محمّد سنة القراء ة فیرسل حال الثّناء ، وعندهما یعتمد في کلّ قیام فیه ذکر مسنون کحالة الثّناء والقنوت وصلاة الجنازة ، ویرسل بین تکبیرات العیدین إذ لیس فیه ذکر مسنون . (مراقي الفلاح ص:۲۸۰، کتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة و أرکانها ، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الصّلاة)

فالاعتماد سنّة القیام عندهماحتّی لایرسل حالة الثّناء وعند محمّد سنّة القراء ة حتّی أنّه یرسل حالة قراء ة الثّناء . (الجوهرة النّیّرة: ۶۱/۱، کتاب الصّلاة ،باب صفة الصّلاة ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمہ کامل، ۲/ ۴۲۶ - ۴۲۷ کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، سوال نمبر: ۳۷۷، مطبوعہ: مکتبۃ الاحسان دیوبند) محمد امین پالن پوری

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۶۵/۲-۱۶۶، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في بیان المتواتر والشّاذ .

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

## فرض نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء کے علاوہ دیگر دعائیں پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۲۶۷) بعد تکبیر تحریمہ نماز فرض میں جو بجائے سبحانك اللّٰهمّ دوسری دعائیں کتب صحاح میں وراد ہیں، ان کا پڑھنا نماز فرض میں منفرد کو کیسا ہے؟ (۱۰۳۸/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** حنیفہ نے ان ادعیہ کو نوافل پر محمول کیا ہے، لہٰذا نوافل میں ہی ان کو پڑھے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۴/۲)

## ثناء، تشہد اور دعائے قنوت وغیرہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۶۸) نماز میں ثناء اور تشہد اور درود اور دعا اور دعائے قنوت کے پہلے بسم اللّٰہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۲۷۰/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** بسم اللّٰہ پڑھنا سورۂ فاتحہ کے اوّل اور سورت سے پہلے ہے(۲) تشہد وغیرہ سے

---

(۱) وقرأ كما كبّر سبحانك اللّٰهمّ إلخ مقتصرًا عليه فلا يضمّ وجهت وجهي إلّا في النّافلة إلخ (الدّرّ المختار) لحمل ما ورد في الأخبار عليها فيقرأ ه فيها إجماعًا إلخ وفي الخزائن وما ورد محمول على النّافلة بعد الثّناء في الأصحّ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۸/۲، كتاب الصّلاة باب صفة الصّلاة، مطلب في بيان المتواتر والشّاذ) ظفیرؒ

(۲) ثمّ يقول: سبحانك اللهمّ ...... إمامًا كان مقتديًا أو منفردًا ...... ثمّ التّعوّذ تبع للقراء ة دون الثّناء عند أبي حنيفة ومحمّدٍ رحمهما اللّٰه تعالٰى ...... ثمّ يأتي بالتّسمية. (الفتاوى الهندية: ۷۳/۱-۷۴، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الثّالث في سنن الصّلاة وآدابها وكيفيتها)

ولا تسنّ بين الفاتحة والسّورة مطلقًا ولو سرّية ولا تكره اتّفاقًا (الدّرّ المختار) ولهذا صرّح في الذّخيرة والمجتبٰى بأنّه إن سمّى بين الفاتحة والسّورة المقروء ة سرًّا أو جهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة، ورجّحه المحقّق ابن الهمام وتلميذه الحلبي بشبهة الاختلاف في كونها آية من كلّ سورة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۹/۲-۱۷۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: قراء ة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن)

پہلے بسم اللّٰہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے، لیکن بعض روایات میں تشہد اور دعائے قنوت میں بسم اللّٰہ وارد ہے(۱) اگر پڑھے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۹/۲)

## نماز میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت

**سوال:** (۲۶۹) نماز کے اندر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟ دلائل نقلیہ روانہ فرمائیے۔ (۱۳۳۵/۵۶ھ)

**الجواب:** عن وائل بن حجر رضي اللّٰہ عنه أنّه رأی النّبي صلّی اللّٰہ علیه وسلّم رفع یدیه حین دخل في الصّلاۃ کبّر، ثمّ التحف بثوبه ثمّ وضع یدہ الیمنٰی علی الیسریٰ الحدیث رواہ مسلم . وعن سهل بن سعد قال: کان النّاس یؤمرون أن یضع الرّجل الید الیمنٰی علی ذراعه الیسریٰ في الصّلاۃ رواہ البخاري (۲) ان دونوں حدیثوں سے نماز میں ہاتھ باندھنا معلوم ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۶/۲)

## ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے

**سوال:** (۲۷۰) سینہ پر ہاتھ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۸۲۰/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** عندالحنفیہ سنت ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۲/۲)

---

(۱) عن جابر رضي اللّٰہ عنه قال: کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم یعلّمنا التّشهّد کما یعلّمنا السّورۃ من القرآن: بسم اللّٰہ وباللّٰہ التّحیّات لِلّٰہ والصّلوات الحدیث. (سنن النّسائي: ۱۳۲/۱، کتاب الصّلاۃ ، باب نوع آخر من التّشهّد )

وعبد الرّزاق عن ابن جریج قال : یقول آخرون في القنوت : بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم اللّٰهم لك نصلّي ولك نسجد وإیّاك نعبد ولك نصلّي ونسجد وإلیك نسعی ونحفد الحدیث . (المصنّف للحافظ عبد الرّزّاق :۱۱۹/۳، کتاب الصّلاۃ، باب القنوت ، رقم الحدیث: ۴۹۸۹ ، المطبوعة : دارالقلم ، بیروت ، لبنان)

(۲) مشکاۃ المصابیح، ص:۷۵، کتاب الصّلاۃ ، باب القراءۃ في الصّلاۃ ، الفصل الأوّل .

(۳) وضع الرّجل یمینه علی یسارہٖ تحت سرّته إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۶۵/۲، کتاب الصّلاۃ ، باب صفة الصّلاۃ ، مطلب في بیان المتواتر والشّاذ )ظفیرؒ

سوال: (۲۷۱) حنفیہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھتے ہیں؟ فوق السرہ یا تحت السرہ؟ مفتیٰ بہ اور معمول بہ روایت کیا ہے؟ اولویت کس میں ہے؟ (۱۳۳۵/۳۳۷ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک تحت السرہ والی حدیث ماخوذ بہ اور معمول بہ ہے، فوق السرہ والی حدیث معمول بہ نہیں ہے، اور خلاف اولویت میں نماز ہر طرح ہوجاتی ہے (۱) فقط (۱۷۹/۲)

## ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا

سوال: (۲۷۲) نماز میں تحریمہ باندھنا ناف کے اوپر حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟
(۱۳۳۵/۱۴۶۰ھ)

الجواب: ناف کے اوپر اور نیچے ہاتھ باندھنا دونوں حدیث سے ثابت ہیں، حنفیہ نے حدیث زیر ناف کو معمول بہ بنایا ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۳/۲)

---

(۱) ووضع الرّجل يمينه على يساره تحت سرّته آخذًا رُسغها بخنصره و إبهامه وهو المختار. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۶۵/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في بيان المتواتر والشّاذ) ظفیر

نوٹ: مطبوعہ فتاویٰ میں درج ذیل عبارت جواب کے بعد متن میں ہے، مگر رجسٹر نقول فتاویٰ میں یہ عبارت نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے:

ويضعهما أي الرّجل تحت السّرّة إلخ، قال الشّيخ كمال الدّين بن الهمام: كون الوضع تحت السّرّة أو الصّدر لم يثبت فيه حديث يوجب العمل فيحال على المعهود من وضعهما حال كون قصد التّعظيم في القيام و المعهود في الشّاهد منه تحت السّرّة و ذكر عن على من السّنة في الصّلاة وضع الكفّ على الكفّ ...... تحت السّرّة، رواه أبوداؤد وأحمد واللّفظ له إلخ. (غنية المستملي، ص:۲۶۲، فصل في صفة الصّلاة)

(۲) يضع يمينه على يساره بعد التّكبير إلخ و يضعهما أي الرّجل تحت السّرّة إلخ، و ذكر عن عليٍّ من السّنّة في الصّلاة وضع الكفّ على الكفّ ...... تحت السّرّة رواه أبوداؤد و أحمد واللّفظ له إلخ. (غنية المستملي، ص:۲۶۲، فصل في صفة الصّلاة)

## امام کا بعض تکبیرات کو نہایت بلند آواز سے
## اور بعض کو نہایت پست آواز سے کہنا

سوال:(۲۷۳) نماز پڑھانے میں امام کا قراءت کرنا اور بعض تکبیرات کو اس طرح جہر سے بولنا کہ مسجد سے باہر سڑک تک سنائی دے، اور بعض تکبیرات کو اس طرح آہستہ بولنا کہ دوسری تیسری صف والے بھی نہ سنیں مثلاً تکبیر رکوع آہستہ آواز سے اور تکبیر قومہ بہت زور سے اور تکبیر سجود آہستہ اور تکبیر جلسہ پکار کے، ایسا کرنا سنت ہے یا بدعت (ہے)(۱) یا کیا ہے؟ کیا اسی طرح سے کوئی تکبیر اونچی اور کوئی نیچی قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا اختراعی ہے؟ بینوا توجروا (۷۰۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: امام کو قراءت اور تکبیرات کے جہر میں طریق اوسط کو اختیار کرنا چاہیے، اور قدر حاجت کے موافق جہر کرنا چاہیے، اور یہ فرق اور تفاوت ما بین التّکبیرات کے کہ بعض کو جہر مفرط سے ادا کرنا اور بعض میں قدر حاجت سے بھی کم کر دینا مذموم اور بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے(۲) صرف سلام میں تو فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے سلام کو پہلے سلام سے کچھ

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) ویجهر الإمام وجوبًا بحسب الجماعة فإن زاد علیه أساء (الدّرّ المختار) وفي الزّاهديّ عن أبي جعفر لو زاد علی الحاجة فهو أفضل إلّا إذا أجهد نفسه أو آذیٰ غیره قهستانيّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۲۱، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة)

وجهر الإمام بالتّکبیر بقدر حاجته للإعلام بالدّخول و الانتقال و کذا بالتّسمیع والسّلام وأمّا المؤتمّ والمنفرد فیُسمِع نفسه (الدّرّ المختار) قوله: (بقدر حاجته للإعلام إلخ) وإن زاد کره، ط. قلت: هذا إذا لم یفحش إلخ والزّائد علی قدر الحاجة کما هو مکروه للإمام یکره للمبلغ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۵۱-۱۵۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في التبلیغ خلف الإمام) ظفیرؒ

پست آواز سے کہے۔ کما في الدّرّ المختار: وسنّ جعل الثّاني أخفض من الأوّل إلخ (۱) پس ماسواء اس کے اور کسی جگہ جہر میں تفاوت درجات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۹-۱۸۰)

## جہری نمازوں میں اکیلا آدمی بھی جہر کرسکتا ہے

**سوال:** (۲۷۴) مغرب وعشاء وفجر میں اکیلا آدمی بھی نماز میں جہر کرسکتا ہے یا نہ؟ اور اکیلا آدمی ربّنا لك الحمد بعد سمع اللّٰه کے آہستہ کہے یا پکار کے؟ (۱۰۳۱/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اکیلا آدمی بھی ان نمازوں میں جہر کرسکتا ہے (۲) اور سمع اللّٰه کے بعد ربّنا لك الحمد آہستہ پڑھے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۳)

## سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

**سوال:** (۲۷۵) نماز میں الحمد شریف کے بعد سورت ملانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر سورت ملانی جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۸۹/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** الحمد شریف کے بعد سورت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۱)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۳، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة تكبيرة الافتتاح.

(۲) ويخيّر المنفرد في الجهر وهو فضل ويكتفى بأدناه إن أدّى (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۲۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة) ظفیرؒ

(۳) جهر الإمام بالتّكبير إلخ وكذا بالتّسميع إلخ و أمّا المؤتمّ والمنفرد فيُسمع نفسه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۵۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في التّبليغ خلف الإمام) ظفیرؒ

(۴) لا تسنّ (أي التّسميّة) بين الفاتحة والسّورة مطلقًا ولو سرّية، ولا تكره اتّفاقًا وما صحّحه الزّاهديّ من وجوبها ضعّفه في البحر (الدّرّ المختار) وقال محمّد: ==

سوال:(۲۷۶) نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد اور سورت کے قبل (بسم اللّٰہ)(۱) پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر پڑھی جاوے تو سرًا یا جہرًا؟ (۳۰۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: عبارت درمختار میں یہ ہے: لا تسنّ بین الفاتحة والسّورة مطلقًا ولو سریة ، ولا تکره اتّفاقًا إلخ (۲) اس کا حاصل یہ ہے ابتدائے سورت میں بسم اللّٰہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے، اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے، شامی میں ہے: و لهذا صرّح في الذّخيرة و المجتبیٰ بأنّه إن سمّی بین الفاتحة والسّورة المقروء ة سرًّا أو جهرًا کان حسنًا عند أبي حنیفةؒ ، و رجّحه المحقّق ابن الهمام إلخ (۲) فقط (۱۷۸/۲)

سوال:(۲۷۷) امام پر ہر رکعت میں ضم بسم اللّٰہ ؛ الحمد اور سورت کے ساتھ واجب ہے یا نہ؟ اور امام اور منفرد کے لیے مستحب صورت عند الحنفیہ کیا ہے؟ (۱۷۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: وذکر في المحیط: المختار: قول محمّد ، وهو أن یسمّی قبل الفاتحة وقبل کلّ سورة في کلّ رکعة (ردّ المحتار) وفي الدّرّ المختار: وکما تعوّذ سمّی إلخ سرًّا في أوّل کلّ رکعة إلخ، لا تسنّ بین الفاتحة والسّورة مطلقًا ولو سرّیة، ولا تکره اتّفاقًا إلخ ، قال في الشّامي: ولهٰذا صرّح في الذّخيرة والمجتبیٰ بأنّه إن سمّی بین الفاتحة والسّورة

== تسنّ إن خافت لا إن جهر إلخ و ذکر في المصفّی أنّ الفتویٰ علی قول أبي یوسف أنّه یسمّی في أوّل کلّ رکعة و یخفیها و ذکر في المحیط المختار قول محمّد وهو أن یسمّي قبل الفاتحة وقبل کلّ سورة في کلّ رکعة إلخ ، قوله: (ولا تکره اتفاقًا ) ولهٰذا صرّح في الذّخيرة والمجتبیٰ بأنّه إن سمّی بین الفاتحة والسّورة المقروء ة سرًّا أو جهرًا کان حسنًا عند أبي حنیفة و رجّحه المحقّق ابن الهمام وتلمیذه الحلبيّ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۹/۲-۱۷۰، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : قراء ة البسملة بین الفاتحة والسّورة حسن ) ظفیرؔ

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۹/۲-۱۷۰، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : قراء ة البسملة بین الفاتحة والسّورة حسن .

المقروء ة سرًّا أو جهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة ورجّحه المحقّق ابن الهمام إلخ(۱)
ان سب عبارات سے واضح ہوا کہ امام کو الحمد سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھنا سنت ہے، اور بعض وجوب کے قائل ہیں، اور سورت سے پہلے اگر چہ مسنون نہیں ہے لیکن مکروہ بھی نہیں ہے، بلکہ مستحب اور بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۳-۱۸۴)

سوال: (۲۷۸) خلاصۃ الفتاویٰ جلد اوّل، ص:۵۲ میں ہے: والكلام في التّسمية على وجوه، منها: ...... ومنها: أنّه يأتي بها في أوّل الصّلاة لا غير في رواية الحسن عن أبي حنيفةؒ وفي رواية أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ تأتي بها في أوّل كلّ ركعة. وعن محمّد يأتي بها في أوّل كلّ ركعة وعند افتتاح كلّ سورة إلّا إذا كانت صلاة يجهر فيها بالقراء ة لا يأتي الإمام بالتّسميّة بين الفاتحة والسّورة عندنا (۲) اب ان اقوال میں سے کس قول پر فتویٰ دیا جاوے اور عمل کیا جاوے؟ (۳۳۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کا فیصلہ صاحب درمختار نے اس طرح کیا ہے۔ وكما تعوّذ سمّى إلخ سرًّا في أوّل كلّ ركعة ولو جهرية، لا تسنّ بين الفاتحة والسّورة مطلقًا ولو سرّيةً ولا تكره اتّفاقًا. قوله: (ولا تكره اتّفاقًا) ولهٰذا صرّح في الذّخيرة والمجتبٰى بأنّه إن سمّى بين الفاتحة والسّورة المقروء ة سرًّا أو جهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفةؒ ورجّحه المحقّق ابن الهمام إلخ (۳) (شامي) پس معلوم ہوا کہ مابین فاتحہ اور سورت کے بھی بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے، اگر چہ سنت موکدہ نہیں ہے، جیسا کہ اوّل ہر رکعت میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۹۴-۱۹۵)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۶۹-۱۷۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: قراء ة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن.

(۲) خلاصة الفتاوى مع مجموعة الفتاوى، ۱/۵۲-۵۳، كتاب الصّلاة، سنن الصّلاة، المطبوعة: نول كشور لكهنؤ.

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۶۹-۱۷۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: قراء ة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن.

## سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی

سوال: (۲۷۹) نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد اور سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے یانہیں؟ اگر پڑھی جاوے تو سراً یا جہراً؟ صاحب ہدایہ تسمیہ کو ابتدائے سورت میں منع کرتے ہیں، اور صاحب درمختار مستحب کہتے ہیں، ان دونوں میں سے کون صحیح اور قابل عمل ہے؟ اور دوسرے کا کیا جواب؟ اور نیز فاتحہ کے ابتداء میں تسمیہ کا حکم اس کے موافق ہے یا مخالف؟ مخالف ہے تو کیوں؟
(۹۴۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: عبارت درمختار یہ ہے: لا تسنّ بين الفاتحة والسّورة مطلقًا ولو سرّية، ولا تكره اتّفاقًا إلخ (۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے سورت میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے، اور محققین نے یہ راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے، شامی میں ہے: ولهٰذا صرّح في الذّخيرة والمجتبىٰ بأنّه إن سمّى بين الفاتحة والسّورة المقروءة سرًّا أوجهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة و رجّحه المحقّق ابن الهمام إلخ (۱) (بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی۔ وأمّا الموضع الرّابع فإنها تخفي عندنا الخ عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان يسرّ ببسم الله الرّحمٰن الرّحيم. (غنية المستملي، ص:۲۶۸-۲۶۹، فصل في صفة الصّلاة۔ ظفیرؔ) (۱۸۲/۲)

## سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ دیر خاموش رہنا

سوال: (۲۸۰) امام نے نماز کی نیت باندھی، اور بعد فاتحہ کے کچھ خاموشی کے بعد قراءت شروع کی، نماز میں کیا نقص ہوا؟ (۱۶۲۶/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر بہ قدر آمین کہنے کے اور بسم اللہ سراً کہنے کے سکوت کیا، اور قراءت میں تاخیر کی،

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۹/۲-۱۷۰، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن.

تو نماز میں کچھ نقص نہیں ہوا(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۳/۲)

## رکوع اور سجدے میں کتنی مرتبہ تسبیح پڑھنی چاہیے؟

**سوال:** (۲۸۱) نماز میں تسبیحات رکوع وسجود دس مرتبہ اور تین مرتبہ سے زیادہ کہنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا مستحسن؟ قومہ میں ربّنا لك الحمد کہنا سمع الله لمن حمده کے بعد مستحسن ہے یا نہیں؟ جلسہ میں ربّ اغفر لي و ارحمني وعافني واهدني وارزقني کہنا مستحسن ہے یا نہیں؟ (۱۸۸۱/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** تین مرتبہ تسبیح رکوع وسجود سے سنت تسبیح ادا ہو جاتی ہے، اور فرائض میں تخفیف کا حکم ہے، اس لیے بہ رعایت مقتدیان زیادہ تطویل نہ کرنی چاہیے، جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے بعض صحابہ کو تطویل قراءت کرنے سے أفَتَّانٌ أنْتَ؟ (۲) فرمایا، حالانکہ قراءت افضل اجزائے صلاۃ ہے، لیکن تین سے زیادہ ہونے کو حنفیہ مکروہ نہیں فرماتے (۳) اور سمع الله لمن حمده کے بعد ربّنا

---

(۱) وأمّن إلخ الإمام سرًّا كمأموم و منفرد (الدّرّ المختار) إن سمّى بين الفاتحة والسّورة المقروء ة سرًّا أو جهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۷۰/۲-۱۷۲ كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: قراء ة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن) ظفیرؔ

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال : كان معاذ بن جبل رضي الله عنهما يصلّي مع النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ثمّ يأتي فيؤمّ قومه ...... فقال: يا معاذ! أفتّان أنت ؟ الحديث ( مشكاة المصابيح، ص:۷۹، كتاب الصّلاة ، باب القراء ة في الصّلاة، الفصل الأوّل )

(۳) و يقول في ركوعهٖ : ” سبحان ربّي العظيم“ ثلاثًا ، و ذلك أدناه فلو ترك التّسبيح أصلاً أو أتى بهٖ مرّةً واحدةً يجوز و يكره ........... ويقول في سجودهٖ : ”سبحان ربّي الأعلىٰ“ ثلاثًا ، وذلك أدناه كذا في المحيط . و يستحبّ أن يزيد على الثّلاث في الرّكوع و السّجود بعد أن يختم بالوتر كذا في الهداية . فالأدنىٰ فيهما ثلاث مرّات ، والأوسط خمس مرّات ، والأكمل سبع مرّات كذا في الزّاد ، و إن كان إمامًا لا يزيد على وجه يمل القوم كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية : ۷۴/۱-۷۵، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الثّالث في سنن الصّلاة وآدابها وكيفيتها) ظفیرؔ

لك الحمد کہنا بھی مستحب ہے(۱) اسی طرح جلسہ میں رب اغفرلي إلخ کہنا جائز ومستحسن ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ ادعیہ واذکار نوافل میں پڑھے، اور فرائض میں تخفیف رکھے(۲) جیسا کہ امر فلیخفّف الحدیث (۳) اس کو مقتضی ہے۔ وإذا أراد اللّٰه بعبد خیرًا یفقّهه في الدّین (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۵۶-۱۵۸)

---

(۱) فإن كان إمامًا یقول:'' سمع اللّٰه لمن حمده'' بالإجماع ، وإن كان مقتدیًا یأتي بالتّحمید ولا یأتي بالتّسمیع بلاخلاف ، وإن كان منفردًا الأصحّ أنّه یأتي بهما كذا في المحیط . وعلیه الاعتماد كذا في التّتارخانیّة. وهو الأصحّ هٰكذا في الهدایة ، ثمّ في الرّوایة الّتي تجمع یأتي بالتّسمیع حال الارتفاع ، و إذا استویٰ قائمًا قال: ''ربّنا لك الحمد'' كذا في الزّاهديّ ، وهو الصّحیح كذا في القنیة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۷۴، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الثّالث في سنن الصّلاة وآدابها وكیفیتها) ظفیر

(۲) والسّنّة فیه أن یرفع رأسه حتّٰی یستوي جالسًا، ولیس في هذا الجلوس ذكرمسنون عندنا هٰكذا في الجوهرة النّیّرة . (الفتاوی الهندیة : ۱/۷۵، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الثّالث في سنن الصّلاة و آدابها و كیفیتها) ظفیر

قال أبو یوسف : سألت الإمام أ یقول الرّجل إذا رفع رأسه من الرّكوع و السّجود اللّٰهمّ اغفرلي ؟ قال : یقول :''ربّنا لك الحمد'' وسكت إلخ ، أقول : بل فیه إشارة إلی أنّه غیر مكروه إذ لو كان مكروهًا لنهٰی عنه كما ینهی عن القراءة في الرّكوع والسّجود وعدم كونه مسنونًا لا ینافي الجواز كالتّسمیّة بین الفاتحة والسّورة ، بل ینبغي أن یندب الدّعاء بالمغفرة بین السّجدتین خروجًا من خلاف الإمام أحمد لابطاله الصّلاة بتركه عامدًا، ولم أر من صرّح بذلك عندنا لكن صرّحوا باستحباب مراعاة الخلاف واللّٰه أعلم. (ردّ المحتار: ۲/۱۸۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي ) ظفیرؒ

(۳) عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: إذا صلّی أحدكم للنّاس فلیخفّف ، فإنّ فیهم السّقیم والضّعیف والكبیر ، وإذا صلّی أحدكم لنفسه فلیطوّل ما شاء ، متّفق علیه . (مشكاة المصابیح، ص:۱۰۱، كتاب الصّلاة ، باب ما علی الإمام ، الفصل الأوّل) ظفیرؒ

(۴) عن معاویة رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : من یرد اللّٰه به خیرًا الحدیث. ( مشكاة المصابیح، ص:۳۲، كتاب العلم ، الفصل الأوّل)

## رکوع اور سجدے کی تسبیح میں وبحمده کا اضافہ درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۸۲) زید [اپنی نماز] (۱) فرض ونفلوں میں رکوع کے اندر سبحان ربّي العظيم وبحمده اور سجدہ میں سبحان ربّي الأعلیٰ و بحمده پڑھتا ہے، خالد کہتا ہے: وبحمده پڑھنا کسی کتاب حنفی میں نہیں ہے، اور نہ فقہاء نے لکھا ہے، اور نہ حدیث سے ثابت ہے، آیا خالد حق پر ہے یا زید؟ (۱۵/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** احادیث میں تسبیح رکوع وسجود میں ایسا ہی وارد ہوا ہے جیسا کہ خالد کہتا ہے، اور فقہائے حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (۲) باقی اگر وبحمده کی زیادتی کردی جائے؛ کچھ مضائقہ نہیں ہے، یہ کچھ اختلاف کرنے کی بات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۷-۱۶۸)

## رکوع کی تسبیح میں عظیم کے بجائے کریم کہنا درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۸۳) جو شخص سبحان ربّي العظيم کے الفاظ کو ادا نہ کرسکے، بلکہ رکوع میں بجائے سبحان ربّي العظيم کے سبحان ربّي العجيم پڑھے، اس کو بجائے عظیم کے سبحان ربی الکریم کی تعلیم دینا درست ہے یا نہیں؟ (۴۸۵/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** اس صورت میں بجائے سبحان ربّي العظيم کے سبحان ربّي الكريم کی تعلیم درست ہے، تاوقتیکہ وہ عظیم کا [تلفظ] (۳) درست کرے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۰-۱۷۱)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں [اپنی نماز] کی جگہ ''اپنے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ويضع يديه معتمِدًا بهما على ركبتيه إلخ ، و يسبّح فيه و أقلّه ثلاثًا (الدّرّ المختار) السّنّة في تسبيح الرّكوع " سبحان ربّي العظيم" . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۱۷۳-۱۷۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبيل مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفیر

(۳) مطبوعہ فتاوی میں [تلفظ] کی جگہ ''لفظ'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) السّنّة في تسبيح الرّكوع " سبحان ربّي العظيم" إلّا إن كان لا يحسن الظّاء فيُبدِّلُ به الكريمَ لئلّا يجري على لسانه "العزيمُ" فتفسد به الصّلاة ؛ كذا في شرح درر البِحار فليحفظ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۷۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ،قبيل مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفیرؒ

## قیام میں دونوں قدم کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہیے؟

سوال: (۲۸۴) نماز میں قیام کی حالت میں درمیان دونوں پیروں کے چار انگشت فرق رکھنا کیسا ہے؟ اگر کم وبیش ہوجائے تو نماز میں کچھ خلل تو نہ ہوگا؟ (۱۳۱۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** فقہا نے لکھا ہے کہ چار انگشت کا فاصلہ پیروں میں بہ حالت قیام رکھنا بہتر ہے، اگر کچھ کم وبیش ہوگیا تو نماز صحیح ہے، کچھ کراہت نہیں ہے، (شامی: جلد اوّل) وینبغي أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید إلخ لأنّه أقرب إلی الخشوع [1] (شامي) فقط (۱۵۳/۲)

## رکوع میں مرد دونوں ٹخنے ملائے یا جدا رکھے؟

سوال: (۲۸۵) رکوع میں دونوں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس پر عامل ہو تو اس کو منع کرنا جائز ہے یا نہ؟ (۲۸۷۸/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** أقول وباللّٰه التّوفیق: شامی میں ہے: ویکره القیام علی أحد القدمین في الصّلاة بلا عذر، وینبغي أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید، لأنّه أقرب إلی الخشوع، هٰکذا روی عن أبي نصر الدّبوسي أنّه کان یفعله، کذا في الکبریٰ، و ما روی أنّهم ”ألصقوا الکعاب بالکعاب“ أرید به الجماعة أي قام کلّ واحدٍ بجانب الآخر، کذا في فتاویٰ سمرقند إلخ [1] (شامي: ۱/ ۲۹۹) اس روایت سے یہ امر معلوم ہوا کہ حالتِ قیام میں ہر دو قدم کے درمیان میں چار انگشت کا فاصلہ ہونا چاہیے اور یہ کہ الصاق کعاب بالکعاب کے معنی محاذاۃ کے ہیں جو کہ احادیث: سوّوا صفوفکم وتراصُّوا وسدّوا الخلل وغیرها [2] سے مستفاد ہے،

(۱) ردّ المحتار: ۱۱۶/۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث القیام.

(۲) عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه و سلّم: سوّوا صفوفکم الحدیث، و عنه رضي اللّٰه عنه ...... فقال: أقیموا صفوفکم و تراصُّوا الحدیث.

وعن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: توسطوا الإمام وسدّوا الخلل، رواه أبوداؤد. (مشکاة المصابیح، ص: ۹۷-۹۹، کتاب الصّلاة، باب تسویة الصّف)

پس جب کہ حالت قیام میں چار انگشت کا فاصلہ قدمین میں رکھنا چاہیے تو رکوع میں بھی اسی حالت پر رہنا چاہیے، بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت الصاق، محاذاۃ وتسویۂ صف سے حاصل ہوجاتی ہے، اور تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع اور سجود میں الصاق کعبین حقیقۃً متعذر رہے، یا بہت تکلف اور (حرکات)(۱) سے ہوتا ہے، ایڑیوں کو ملایا جاسکتا ہے، مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں کے ملانے سے کعبین نہیں ملتے، البتہ محاذاۃ کعبین پوری طرح اس میں حاصل ہوجاتی ہے اور یہی مقصودِ شارع علیہ السلام معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اور اس کی زیادہ تحقیق اور تفصیل معہ نقل عبارات مولانا میرک شاہ صاحب، مدرس مدرسہ ہذا نے دوسرے پرچہ پر لکھی ہے اس کو ملاحظہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب:** أقول وباللّٰه التّوفیق: یہ مسئلہ الصاقِ کعبین کا اگرچہ متأخرین حنفیہ کی کتب میں (مذکور)(۲) ہے، لیکن ائمۂ مذہب اور متقدمین حنفیہ کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں پائی جاتی، چنانچہ متقدمین کی کتب معتبرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کو سب سے پہلے زاہدی نے مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے، پھر اس سے قہستانی نے جامع الرموز اور شرح کیدانی میں اور حلبی نے شرح منیہ میں اور ابن نجیم نے بحر اور تمرتاشی —— تلمیذ صاحب بحر —— نے نهج القضاء میں نقل کیا ہے اور چونکہ کسی قسم کی تردید بھی نقل کرتے ہوئے نہ کی اس وجہ سے اس کو معمول بہ سمجھا گیا؛ چنانچہ صاحب بحر وصاحب درمختار نے صیغۂ جزم سے اسے نقل کیا، ادھر سے بعض فقہاء کے کلام سے اور توارث وتعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریج ہی سنت ہونا چاہیے؛ چنانچہ سعایہ میں مذکور ہے: ورأیت کلامًا للشّیخ محمّد حیات السّندي یقتضي إثبات سنّیة التّفریج و نفي سنّیة الإلصاق اهـ(۳) ان حالات کو دیکھ کر فقہائے متأخرین کی عبارت یا مؤول ہوگی یا مرجوح، طوالع الأنوار شرح الدّرّ المختار میں شیخ محمد عابدؒ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے الصاق کعبین سے

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (حرکات) کی جگہ ''دقت'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) السّعایة في کشف ما في شرح الوقایة: ۲/۱۸۰-۱۸۱، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة المطبوعة: مکتبة شیخ الهند دیوبند.

محاذاۃ کعبین مراد لی ہے، اوراس میں علامہ رحمتی کے قول سے استیناس بھی کرلیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:
**قوله: وإلصاق كعبيه أي حالة الرّكوع ، قال الشّيخ الرّحمتي : مع بقاء تفريج مابين القدمين، قلت: لعلّه أراد من الإلصاق المحاذات، وذلك بأن يحاذي كلّ من كعبيه لآخر فلا يتقدم أحدهما على الآخر** (۱) یہ تو متاخرین کے اس قول کی تاویل کی صورت ہے جو **طوالع الأنوار شرح الدّرّ المختار** میں مذکور ہے، اور جن فقہاء نے اس کی تاویل کا ارادہ نہیں کیا ہے وہ اس کو قول مرجوح اور زاہدی کے اوہام میں درج کرتے ہیں، **كما في السّعاية نقلاً عن تعليق الشّيخ أبي الحسن السّندي على الدّرّ المختار: هذه السّنة إنّما ذكرها من المتأخّرين تبعًا للمجتبىٰ ، وليس لها ذكر في الكتب المتقدّمة ولم يرد في السّنة على ما وقفنا عليه وكان بعض مشائخنا يرى أنّه من أوهام صاحب المجتبىٰ وكأنّهم توهّموا ممّا ورد أنّ الصّحابة كانوا يهتمّون بسدّ الخلل في الصّفوف حتّى يضمّون الكعاب والمناكب و لايخفى أنّ المراد هٰهنا إلصاق كلّ كعب كعبَ صاحبه ، لا كعبه مع الكعب الآخر اهـ** (۱) خلاصہ یہ کہ دونوں ٹخنوں کو رکوع میں بالکل ملادینا جیسے کہ مجتبیٰ اور اس کے اتباع کی کتب میں واقع ہوا ہے، اپنے ظاہر مفہوم پر محمول نہیں، اور اگر ظاہر مفہوم پر ہی محمول ہو تو صاحب مجتبیٰ کے اوہام میں سے ہوگا، لیکن سعایہ میں شق اول کو اختیار کیا ہے اور رکوع میں الزاق کعب بکعب کی سنیت کی نفی کو دلائل عدیدہ سے ثابت کیا ہے فلیراجع، کتبہ میرک شاہ۔ (۲/۲۰۲-۲۰۴)

**سوال: (۲۸٦)**: **إلصاق الكعبين** یعنی ایک پیر کا ٹخنہ دوسرے پیر کے ٹخنہ سے ملانا مراد ہے یا محاذات میں رکھنا؟ غرض **إلصاق الكعبين** کا کیا مطلب اور کیا مراد ہے؟ (۲۵۲۵/۱۳۴۱ھ)

**الجواب**: شامی باب صفۃ الصلاۃ میں یہ عبارت بھی موجود ہے جس سے مطلب الصاق کعبین کا حل (۲) ہوجاتا ہے: **وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد، لأنّه أقرب إلى الخشوع، هٰكذا روى عن أبي نصر الدّبوسي أنّه كان يفعله ، كذا في الكبرىٰ ، وما روى**

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔
(۲) مطبوعہ فتاوی میں (حل) کی جگہ ''حاصل'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

أنّهم ''ألصقوا الكعاب بالكعاب'' أريد به الجماعة أي قام كلّ واحدٍ بجانب الآخر كذا في فتاویٰ سمرقند إلخ (۱) پس ہوسکتا ہے کہ مراد الصاق کعبین سے محاذات میں رکھنا ایک کعب کا دوسرے کعب سے ہو جیسا کہ الصاق کعب بالکعب مقتدیوں کے بارے میں آثار صحابہ میں وارد ہے۔ فقط (۳/۳۵۷-۳۵۸)

**سوال:** (۲۸۷) الصاق کعبین رکوع کی حالت میں مسنون ہے یا نہیں؟ اور درمختار باب السّنن میں جو روایت اور بحث اس کے متعلق ہے وہ روایت قابل عمل ہے یا نہیں؟ (۱۷۲۲/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** اس پر عمل کرنا درست ہے کیونکہ علامہ شامی کو کلام صرف اس میں ہے کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ باقی جواز بلکہ استحباب میں کچھ شبہ معلوم نہیں ہوتا، اور چونکہ سنت ہونا اس کا ثابت نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی الصاق کعبین نہ کرے تو اس پر کچھ ملامت نہیں ہے۔ فقط (۲/۲۰۰-۲۰۱)

**سوال:** (۲۸۸) الصاق کعبین در رکوع و سجود سنت است یا چہ آیا الصاق قدمین خود مراد است یا الصاق کعب بہ کعب غیر مراد است؟ (۴۷۲/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** في الدّرّ المختار: و يسنّ أن يلصق كعبيه، قال في الشّامي: قال السّيّد أبو السّعود: و كذا في السّجود أيضًا إلخ (۲) پس ظاہر ایں ست کہ کعبین [خود] (۳) را باہم ملصق کند، وممکن است کہ مراد محاذات کعبین باشد و از ارجاع ضمیر در کعبیہ بسوئے مصلی احتمال ثالث ساقط شد یعنی ضم کعب خود بہ کعب غیر مراد نخواہد شد۔ (۳/۳۳۶-۳۳۷)

**ترجمہ: سوال:** (۲۸۸) الصاق کعبین رکوع اور سجدہ میں سنت ہے یا کیا؟ آیا اپنے دونوں پیروں کو ملانا مراد ہے یا ایک (مقتدی) کے ٹخنے کو دوسرے (مقتدی) کے ٹخنے سے ملانا مراد ہے؟

**الجواب:** درمختار میں ہے: اور مسنون ہے رکوع میں اپنے دونوں ٹخنوں کا ملانا، شامی میں ہے:

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۱۱۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث القيام.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۷۴، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، قبل مطلب في إطالة الرّكوع للجائي.

(۳) 'خود' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔ ۱۲

سیدابوالسعود نے فرمایا: اوراسی طرح سجدے میں بھی الخ۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اپنے دونوں ٹخنوں کو آپس میں ملاوے، اور ممکن ہے کہ مراد (الصاق کعبین سے) محاذات میں رکھنا ہو، اور کعبیہ میں ضمیر کونمازی کی طرف لوٹانے سے تیسرا احتمال ساقط ہوگیا، یعنی خود کے ٹخنوں کو دوسرے کے ٹخنوں کے ساتھ ملانا مراد نہیں ہوسکتا۔

## رکوع، سجود اور قیام میں دونوں پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اور فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۹) فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر کسی دعا کا پڑھنا ثابت ہے؟ رکوع سجود اور قیام میں دونوں پیروں میں کتنا فاصلہ رہنا چاہیے؟(۱) (۱۴۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنا: بسم اللّٰہ الّذي لآ إلٰہ إلاّ ھو الرّحمٰن الرّحیم، اللّٰھمّ أذھب عنّي الھمّ والحزن حصن حصین میں حدیث اس بارے میں منقول ہے(۲) اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ملانا رکوع اور سجدہ میں کتب فقہ میں مسنون لکھا ہے(۳): ویسنّ أن یلصق کعبیہ (الدّرّ المختار) قال السّیّد أبو السّعود: وکذا في السّجود أیضًا(۴) (شامي) باقی

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) وکان صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم إذا صلّی وفرغ من صلاتہ مسح یمینہ علی رأسہ وقال بِسْم اللّٰہ الّذي لآ إلٰہ إلاّ ھو الرّحمٰن الرّحیم اللّٰھمّ أذھب عنّي الھَمّ والحُزن ر، طس، ی. (الحصن الحصین، ص:۱۰۷، المنزل الثّالث، بیان أدعیۃ دبر الصّلاۃ، المطبوعۃ: المطبع الیوسفي، فرنگی محلی) ظفیرؒ

(۳) بہشتی زیور کے حاشیہ میں ہے: گو درّ مختار میں یہ حکم مطلق ہے، مگر قواعد سے یہ حکم عورتوں کے لیے مخصوص معلوم ہوتا ہے لکونہ أسترلھنّ وورود أمر الضّمّ ومثلہ لھنّ، باقی مردوں کے لیے یہ حکم نہیں، وہ ٹخنے جدا رکھیں۔ کما یظھر من کلام الطّحاويّ في معاني الآثار، صفحہ:۱۳۶، سطر:۱، ج:۱۔ (بہشتی زیور:۲/ ۱۷ فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان) محمد امین پالن پوری

(۴) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/ ۱۷۴، کتاب الصّلاۃ، باب صفۃ الصّلاۃ، قبل مطلب في إطالۃ الرّکوع للجائي.

حالت قیام میں شامی میں (یہ) لکھا ہے کہ قدمین میں چار انگشت کا فاصلہ ہونا چاہیے، وینبغي أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۱/۲)

## بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع کس طرح کیا جائے؟

**سوال:** (۲۹۰) اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع کرنے کی کیا حد ہے؟ (۱۳۴۰/۹۹۲ھ)

**الجواب:** قال في الشّامي: ولو کان یصلّی قاعدًا ینبغي أن یحاذي جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرّکوع اهـ قلت: ولعلّه محمول علی تمام الرّکوع وإلاّ فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرّأس أي مع إنحناء الظّهر (إلخ)(۲) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کمال رکوع یہ ہے کہ پیشانی رکبتین کے مقابل ہوجاوے۔ فقط (۱۷۴/۲)

**سوال:** (۲۹۱) بیٹھ کر نماز پڑھنے سے رکوع کی حالت میں سرین کو ایڑی سے اوپر اٹھانا چاہیے یا نہیں؟ یا سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے؟ (۱۳۴۲/۸۴۶ھ)

**الجواب:** سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے، اور کمال رکوع کا ایسی حالت میں یعنی بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے میں یہ ہے کہ رکوع میں پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہوجائے، لیکن اگر تھوڑا سا بھی سر کو جھکا دیوے گا کمر کی انحناء کے ساتھ تو یہ بھی کافی ہے، شامی میں برجندی سے منقول ہے: ولو کان یصلّي قاعدًا ینبغي أن یحاذي جبهته قدّام رکبتیه لیحصل الرّکوع اهـ. قلت: ولعلّه محمول علی تمام الرّکوع وإلاّ فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرّأس أي مع انحناء الظّهر(۳) (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۸/۲)

**سوال:** (۲۹۲) اگر نشستہ نمازی خواند بحالت رکوع برداشتن سرین ضرور است یا نہ؟ (۱۳۳۴-۳۳/۱۲۱۹ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۱۶/۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث القیام.

(۲) ردّ المحتار: ۱۱۹/۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث الرّکوع والسّجود.

نوٹ: مطبوعہ فتاوی میں (الخ) کی جگہ ''لہٰذا'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲۔

(۳) ردّ المحتار ۱۱۹/۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث الرّکوع والسّجود.

**الجواب:** ضروری نیست۔قال في ردّ المحتار: ولو كان يصلّي قاعدًا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الرّكوع أهـ، قلتُ: ولعلّه محمول على تمام الرّكوع وإلاّ فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرّأس أي مع انحناء الظّهر إلخ [1] (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۱/۲-۱۵۲)

**ترجمہ سوال:** (۲۹۲) اگر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو تو رکوع کی حالت میں سرین کا رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب:** ضروری نہیں ہے۔قال في ردّ المحتار: ولو كان يصلّي قاعدًا إلخ.

## بیٹھ کر نماز پڑھنا کب درست ہے؟ اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

**سوال:** (۲۹۳)......(الف) بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا شرطیں ہیں؟ ہمارے مدرسہ کے مدرس مولوی (علی حیدر) [2] کہتے ہیں کہ جو لوگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور چوتڑ اٹھا کر سجدہ کرتے ہیں، ان کی نماز نہیں ہوتی، بلکہ عورتوں کی طرح سجدہ کرنا چاہیے۔

(ب) بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟ (۴۶۸/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** (الف) یہ قول ان کا غلط ہے، مردوں کو عورتوں کی طرح نماز نہ پڑھنی چاہیے، مردوں کو سجدہ میں پچھلا حصہ اٹھانا چاہیے۔

(ب) نوافل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی بلا عذر بھی اجازت ہے، اور فرائض وواجبات میں بلا عذر اجازت نہیں ہے، اور سنن مؤکدہ کو بھی بلا عذر بیٹھ کر نہ پڑھے [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۹/۲-۱۶۰)

---

(۱) الشّامي: ۱۱۹/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، بحث الرّكوع والسّجود.

(۲) قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ويتنفّل مع قدرته على القيام قاعدًا لا مضطجعًا إلاّ بعذر (الدّرّ المختار) قوله: (و يتنفّل إلخ) أي في غير سنّة الفجر في الأصحّ كما قدّمه المصنّف بخلاف سنّة التّراويح لأنّها دونها في التأكّد فتصحّ قاعدًا و إن خالف المتوارث إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۲۱/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل) ظفیرؒ

**سوال:** (۲۹۴) من صلّى قاعدًا لا يرفع الإليتين في الرّكوع والسّجود فإنّ رفع الإليتين فيهما تفسد صلاته إلخ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۶۱۲ھ)

**الجواب:** یہ روایت خلاف قواعد ہے، اور بے اصل ہے، اور کسی کتاب معتبر میں نہیں ہے۔ بلکہ کتب فقہ میں جو عام حکم سجدہ کے بارے میں ہے: و يظهر عضديه و يباعد بطنه عن فخذيه (۱) (درمختار) یہ حکم سجدہ مصلی قائم اور قاعد دونوں کو شامل ہے، اور رفع الیتین اس میں لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۱/۲)

## رکوع میں تطبیق کرنے کی روایت

**سوال:** (۲۹۵) مولوی ثناء اللہ اپنی کتاب اہل حدیث کا مذہب کے ص: ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ رکوع کے وقت چوں کہ تطبیق کرتے تھے، دونوں ہاتھوں کو زانو پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے۔ لہٰذا یہ (سند) (۲) صحیح ہے یا لغو؟ (۱۳۳۹/۲۲۸ھ)

**الجواب:** یہ قصہ تطبیق فی الرکوع کا صحیح ہے، اس کی تاویل علماء نے یہ فرمائی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا نسخ ان کو معلوم نہ ہوا ہو یا ان کا مذہب تخییر کا ہو والتّفصيل في الكتب (۳) فقط (۱۶۹/۲-۱۷۰)

---

(۱) تنوير الأبصار مع ردّ المحتار: ۱۸۵/۲-۱۸۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة إلخ

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (سند) کی جگہ ''سنت'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) عن أبي عبد الرّحمٰن السُّلمي قال: قال لنا عمر بن الخطّاب رضي الله عنه إنّ الرُّكَب سُنَّتْ لكم فَخُذُوا بالرُّكَب إلخ، والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم و التّابعين ومن بعدهم لا اختلاف بينهم في ذلك إلّا ما روى عن ابن مسعود وبعض أصحابه أنّهم كانوا يُطبِّقون، والتّطبيق منسوخ عند أهل العلم. قال سعد بن أبي وقّاص: كنّا نفعل ذلك فنُهينا عنه، و أُمرنا أن نضع الأَكُفَّ على الرُّكَب. (جامع التّرمذي: ۵۹/۱، أبواب الصّلاة، باب ما جاء في وضع اليدين على الرّكبتين في الرّكوع) ظفیر

ترجمہ وتشریح: ابوعبدالرحمٰن سُلمی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا: ''بیشک تمہارے لیے گھٹنے پکڑنا مسنون کیا گیا ہے، لہٰذا رکوع میں گھٹنوں کو پکڑو''۔

==

## سبحان ربی العظیم کوپُر نہیں پڑھا تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۲۹۶) عامی لوگ نماز میں تسبیح رکوع سبحان ربّي العظيم کوپُر نہیں پڑھتے، نماز ہوتی ہے یا نہ؟ (۱۶۱۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** نماز ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۵)

## ربّنا لك الحمد کے ساتھ اللّٰهم کہے یا نہیں؟

**سوال:** (۲۹۷) امام جب سمع الله لمن حمده کہے تو مقتدی صرف ربّنا لك الحمد کہے یا(۱) اللّٰهمّ بھی زیادہ کرے؟ اور احسن کیا ہے؟ (۱۵۱۳/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** امام جب سمع الله لمن حمده کہے تو مقتدی صرف ربّنا لك الحمد کہے، اور اگر اللّٰهمّ بھی بڑھادیوے تو بہتر ہے، حدیث شریف میں دونوں وارد ہیں (۲) اور بعض احادیث میں واو کی زیادتی بھی وارد ہے، یعنی اللّٰهمّ ربّنا ولك الحمد، پس جو لفظ کہہ لیوے کافی ہے اور سنت ادا ہوجاتی ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۲-۱۶۳)

---

== تمام ائمہ کے نزدیک رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر گھٹنوں پر اس طرح رکھی جائیں کہ گویا اُن کو پکڑ رکھا ہے، اور تطبیق منسوخ ہے، اور وہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر گھٹنوں کے بیچ میں داخل کرنے کا نام ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تلامذہ کو نماز پڑھائی اور تطبیق کی، کسی نے یہ بات حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا: ہم پہلے ایسا کیا کرتے تھے، مگر بعد میں اس سے روک دیئے گئے، اور ہم حکم دیئے گئے کہ ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھیں۔ محمد امین پالن پوری

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (یا) کی جگہ ''اور اگر'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إذا قال الإمام : سمع الله لمن حمده فقولوا : اللّٰهمّ ربّنا لك الحمد؛ فإنّه من وافق قوله قول الملائكة ، غفر له ما تقدّم مِن ذنبه متّفق عليه . (مشكاة المصابيح ، ص:۸۲، كتاب الصّلاة ، باب الرّكوع، الفصل الأوّل)

(۳) ويكتفي بالتّحميد المؤتم وأفضله اللّٰهمّ ربّنا ولك الحمد ثمّ حذف الواو ثمّ حذف اللّٰهمّ فقط. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۷۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفیرؒ

## رکوع کر کے سیدھا کھڑا نہیں ہوا اور سجدے میں چلا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۹۸) بعض لوگ رکوع کر کے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے سجدہ میں چلے جاتے ہیں نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۱۱۵۷/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** اگر رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے نہ ہوں تو اس میں ترکِ واجب ہوتا ہے، اور وہ نماز قابل اعادہ ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۵۵)

## دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا واجب ہے

سوال: (۲۹۹) بہت لوگ سجدہ سے چار انگل اٹھ کر دوسرا سجدہ کرتے ہیں، ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۱۵۷/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** بہ قول بعض محققین اس میں ترکِ واجب (واجب کو ترک کرنا) ہے، اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۵۵)

## قومہ میں ہاتھ باندھنا ثابت نہیں

سوال: (۳۰۰) رسالہ اتمام الخشوع بھیجتا ہوں، ملاحظہ فرما کر تصدیق وتنقید سے مطلع فرمایا جاوے۔ (۱۴۳/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) ولها واجبات إلخ ، وهي ...... قراءة فاتحة الكتاب إلخ و تعديل الأركان أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الرّكوع والسّجود ، وكذا في الرّفع منهما على ما اختاره الكمال (الدّرّ المختار) قوله: (وكذا في الرّفع منهما) أي يجب التّعديل أيضًا في القومة من الرّكوع والجلسة بين السّجدتين، وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة أيضًا إلخ حتّى لو تركها أو شيئًا منها ساهيًا يلزمه السّهو، ولو عمدًا يكره أشدّ الكراهة ، ويلزمه أن يعيد الصّلاة إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۲۹-۱۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : واجبات الصّلاة) ظفيرؔ

**الجواب:** بندہ نے رسالہ اتمام الخشوع کو دیکھا، کوئی حدیث صریح اس بارے میں نقل نہیں کی گئی، جس سے بعد الرکوع صراحۃً ہاتھ باندھنا معلوم ہو، بلکہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ جو صفحہ: ۷ کتاب مذکور میں منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: **أنّه كان إذا قام إلى الصّلاة وضع يمينه على الشّمال ، فلا يزال كذلك حتّى يركع** سے معلوم ہوا کہ وضع یمین علی الشمال قبل الرّکوع تک ہوتا تھا، بہرحال حنفیہ کثرھم اللّٰہ تعالیٰ اور جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ بعد الرکوع ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں، پھر تعجب ہے کہ آپ بندہ کی رائے دریافت کرتے ہیں، بندہ کی رائے خلاف (۱) اپنے ائمہ اور جمہور کے کیسے ہوسکتی ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۶-۱۷۷)

## رفع یدین کرنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۰۱) رفع یدین کرنا کیسا ہے؟ (۲۴۶/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** رفع یدین سوائے تکبیر اولیٰ کے حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے، اس واسطے کہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں کرتے تھے۔ **عن البراء بن عازب رضي اللّٰه عنه قال: كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا كبّر لافتتاح الصّلاة رفع يديه ، حتّى يكون إبهاماه قريبًا من شحمتي أذنيه ثمّ لا يعود** (۲) **وعن الأسود، قال: رأيت عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه يرفع يديه في أوّل تكبيرة ثمّ لا يعود ...... قال أبو جعفر: فهٰذا عمر رضي اللّٰه عنه لم يكن يرفع يديه أيضًا إلّا في التّكبيرة الأولٰى في هٰذا الحديث ، وهو حديث صحيح ، وفعل عمر هذا وترك أصحاب رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إيّاه على ذٰلك دليل صحيح أن ذٰلك هو الحقّ الّذي لا ينبغي لأحد خلافه** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۷-۱۷۸، اور ۲/۱۵۸) (۴)

---

(۱) اس عبارت کو رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) شرح معانی الآثار: ص:۱۶۲، **كتاب الصّلاة ، باب التّكبير للرّكوع والتّكبير للسّجود والرّفع من الرّكوع هل مع ذلك رفع أم لا ؟**

(۳) شرح معانی الآثار: ص:۱۶۴، **كتاب الصّلاة ، باب التّكبير للرّكوع والتّكبير للسّجود إلخ .**

(۴) یہ سوال وجواب اور مطبوعہ فتاوی جلد ۲/ ۱۵۸، سوال نمبر: ۲۶۳ کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے سوال: ۲۶۳ کو حذف کردیا ہے۔

## رفع یدین کے منسوخ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

سوال: (۳۰۲) رفع یدین سوائے سات جگہ کے جو منسوخ ہے کیا دلیل ہے؟

(۱۳۳۵/۲۴۶ھ)

الجواب: رفع یدین سوائے سات جگہ کے منسوخ ہے۔ والدّلیل المجمل للکلّ ما روی عن النّبيّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم أنّه قال: لا ترفع الأیدي إلّا في سبع مواطن ، وعدَّ منها تکبیرةَ الافتتاح ، وتکبیرة القنوت، والعیدین ، وذکر الأربع في الحجّ ، کذا في الهدایة ، ثمّ هٰذا عندنا، وقال الشّافعيؒ : یرفع یدیه عند الرّکوع والرّفع منه ، لأنّه علیه السّلام فعل ذلك ، ولنا: ما روینا ، وما رواہ محمول علی الابتداء ، وکذا نقل عن ابن زبیرؓ، فإنّه رأی رجلاً یفعل هٰذا ، فقال له: لا تفعل ، لیس هٰذا بشيء فإنّه شيء فعله رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم . ثمّ ترك ، کذا في الهدایة والکفایة[۱] وقد روی الطّبراني بسندہٖ عن ابن أبي لیلیٰ عن الحکم عن المقسم عن ابن عبّاس عنه علیه الصّلاة والسّلام[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۷۸/۲، اور ۱۵۸/۲)[۳]

## رفع یدین نہ کرنے کی ایک صحیح حدیث

سوال: (۳۰۳) روایت کی وکیع نے اعمش سے (اس)[۴] نے مسیّب بن رافع سے (اس)

---

(۱) تلاش بسیار کے باوجود بعینہٖ یہ عبارت ہمیں نہیں ملی، البتہ ردو بدل کے ساتھ مختلف کتابوں میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیں: رد المحتار: ۱۸۹/۲، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، الهدایة : ۱۱۰/۱، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ،فتح القدیر : ۳۱۶/۱، اور العنایة مع فتح القدیر : ۳۱۷/۱۔ محمد امین

(۲) فتح القدیر: ۳۱۶/۱، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة .

(۳) یہ سوال وجواب اور مطبوعہ فتاوی جلد ۱۵۸/۲، سوال نمبر: ۲۶۴ کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے سوال: ۲۶۴ کو حذف کردیا ہے۔

(۴) سوال میں قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔

نے تمیم بن طرفہ سے (اس) نے جابر بن سمرہ سے (کہ کہا:) آئے ہم لوگوں کے پاس رسول اللہ ﷺ اور ہم لوگ اپنے ہاتھ اٹھاتے (تھے) نماز میں، تو فرمایا کہ کیا حال ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ ہاتھ اٹھاتے ہو نماز میں جیسے دم ہو سرکش گھوڑے کی؟ اطمینان سے رہو نماز میں(۱) یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے؟ (۱۳۳۵/۲۴۶ھ)

**الجواب:** اس میں اختلاف ہے، اور تحقیق اس کی فتح القدیر میں اس طرح ہے: عن جابر بن سمرة رضي اللّٰه عنه قال: دخل علينا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم والنّاس رافِعوا أيديهم ، قال زهير: أراه قال: في الصّلاة ، فقال: ما لي أراكم رافعي أيديكم؟ كأنّها أذناب خَيْلٍ شُمُسٍ ، اسكنوا في الصّلاة (۱) یہ حدیث صحیح ہے، اور یہ حدیث مطلقًا حالت صلاۃ میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۰/۲)

## سجدہ کا مسنون طریقہ

**سوال:** (۳۰۴) سجدہ میں ران اور پنڈلی کو کتنا کشادہ کیا جائے؟ کیا زاویہ قائمہ بنانا چاہیے یا کیا؟ (۱۳۳۸/۱/۱۹۱ھ)

**الجواب:** درمختار میں ہے: ويظهر عضديه في غير زحمة ويباعد بطنه عن فخذيه ، ليظهر

---

(۱) أخرجه الإمام أبو الحسين مسلم بن الحجّاج بن مسلم القشيري رحمه اللّٰه تعالى بلفظ : عن الأعمش عن المسيّب بن رافع عن تميم بن طرفة عن جابر بن سمرة رضي اللّٰه عنه قال : خرج علينا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فقال: ما لي أراكم رافعي أيديكم؟ كأنّها أذناب خَيْلٍ شُمُسٍ ، اسكنوا في الصّلاة (الصّحيح لمسلم :۱/۱۸۱، كتاب الصّلاة ،باب الأمر بالسّكون في الصّلاة و النّهي عن الإشارة باليد و رفعها عند السّلام إلخ)

وأخرجه الإمام سليمان بن الأشعث أبو داؤد السّجستاني رحمه اللّٰه بلفظ : عن جابر بن سمرة رضي اللّٰه عنه قال : دخل علينا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم والنّاس رافِعوا أيديهم ، قال زهيرٌ: أراه قال: في الصّلاة، فقال: ما لي أراكم رافعي أيديكم؟ كأنّها أذناب خَيْلٍ شُمُسٍ، اسكنوا في الصّلاة. (سنن أبي داؤد، ص:۱۴۳، كتاب الصّلاة، باب في السّلام)

كلّ عضو بنفسه إلخ (۱) پس معلوم ہوا کہ سجدہ میں سنت اسی قدر ہے، اور زاویہ قائمہ بنانا ضروری نہیں ہے، اور یہ بھی جب ہے کہ جماعت میں نہ ہو، تنہا ہو یا امام ہو، ورنہ ایسا فعل نہ کرے جس سے دوسرے مقتدیوں کو ایذاء ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۳-۱۶۴)

## عورت سجدہ اور جلسہ میں پاؤں کیسے رکھے؟

سوال: (۳۰۵) عورت کو سجدہ وجلسہ میں پاؤں کیسے رکھنے چاہئیں؟ (۶۲۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: عورت کے لیے کھڑا کرنا قدمین کا سنت نہیں ہے۔ في الشّامي: أنّها لا تنصب أصابع القدمين (۲) پس سجدہ اور جلسہ میں پیروں کو کھڑا نہ کرے، اور جلسہ تشہد وغیرہ میں تورُّک کرے (یعنی سُرین پر بیٹھے) في الشّامي: وتتورك في التّشهّد إلخ (۳) فقط (۲/۱۸۱، اور ۲/۱۶۰-۱۶۱) (۴)

## عورتیں سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں کس طرح رکھیں؟

سوال: (۳۰۶) عورتیں سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں کھڑی رکھیں یا بچھادیں؟ (۱۷۰۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: عورتوں کے حق میں پاؤں کی انگلیاں کھڑا کرنا مشروع نہیں ہے۔ و ذكر في البحر أنّها لا تنصب أصابع القدمين إلخ (۵) (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۴)

## عورتوں کا سجدہ میں پاؤں داہنی جانب نکالنا ثابت ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۷) ہندوستان میں عورتیں سجدہ کی حالت میں دونوں پیر داہنی جانب نکال

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۸۵-۱۸۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي .

(۲) ردّ المحتار: ۲/۱۸۷، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي.

(۳) ردّ المحتار: ۲/۱۸۶، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في إطالة إلخ .

(۴) یہ سوال وجواب اور مطبوعہ فتاوی جلد ۲/۱۶۰، سوال نمبر: ۲۶۹ کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے سوال: ۲۶۹ کو حذف کردیا ہے۔

(۵) ردّ المحتار: ۲/۱۸۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة .

دیتی ہیں، لیکن یہ امر کسی کتاب میں باوجود تتبع نظر سے نہیں گذرا، روایت عالم گیری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں عورت کو پیر بٹھا لینا چاہیے، کھڑے نہ کرے، داہنی طرف نکالنا ثابت نہیں ہوتا؛ تحقیق کیا ہے؟ (۱۶۶۸/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** اس بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے اور جو روایات نقل فرمائی ہیں ایسا ہی شامی میں ہے(۱) اور کبیری شرح منیہ میں ہے: **وأمّا المرأة فإنّها تنخفض أي تتطامن وتسفّل في السّجود وتلزق بطنها بفخذيها وتضمّ ضبعيها، وهٰذا تفسير الانخفاض وذلك لأنّ مبني أمرها على السّتر فكان السّنّة في حقّها ما كان أستر من الهيئات إلخ** (۲) پس غالباً اس وجہ سے کہ پیروں کو باہر نکالنے میں تسفل اور انخفاض اور انضمام زیادہ ہوسکتا ہے اور تورک فی التشہد کے لیے تمہید ہے؛ اس لیے یہ معمول (بہ ہو) (۳) باقی اس سے زیادہ اس کی تحقیق احقر کو بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۱-۱۷۲)

## عورتیں کس طرح سجدہ کریں؟

**سوال:** (۳۰۸) عورتوں کو مردوں کی طرح سجدہ کرنا چاہیے یا کس طرح؟ (۱۰۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** عورتوں کو اپنے بدن اور اعضاء کو سجدہ وغیرہ میں خوب ملانا چاہیے (۴) مردوں کی طرح کھل کر نہ کرنا چاہیے، یہ مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۸-۲۰۹)

---

(۱) والمرأة تنخفض فلا تُبدي عضديها وتُلصِق بطنها بفخذيها ؛ لأنّه أستر (الدّرّ المختار) وفي الشّامي : وذكر في البحر أنّها لا تنصب أصابع القدمين . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۸۶-۱۸۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي)

(۲) غنية المستملي ، ص:۲۸۰، فصل في صفة الصّلاة .

(۳) مطبوعہ فتاوی میں (معمول بہ ہو) کی جگہ 'معمول ہوا' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) والمرأة تنخفض فلا تبدي عضديها وتلصق بطنها بفخذيها لأنّه أستر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۸۶، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؔ

## دوسری رکعت کے لیے اٹھتے ہوئے گھٹنوں پر سہارا لینا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۳۰۹) سہارا لینا سجدے سے اٹھتے وقت بلا عذر جائز ہے یا مکروہ؟ اور گھٹنوں پر سہارا لینا یعنی اعتماد علی الرکبۃ اگرچہ جائز ہے لیکن اس کا ترک مستحب ہے یا نہیں؟ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **لا يعتمد على الأرض بل يعتمد على الرّكبة وترك الاعتماد مستحبّ إلخ** (۱) اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ اور اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۳۱۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** درمختار میں ہے: **و يكبّر للنّهوض على صدور قدميه بلا اعتماد و قعود استراحةٍ إلخ** شامی میں ہے: **قوله: (بلا اعتمادالخ ) أي على الأرض ، قال في الكفاية : أشار به إلى خلاف الشّافعيّ في موضعين: أحدهما يعتمد بيديه على ركبتيه عندنا وعنده على الأرض إلخ** (۲) (شامي: ۱/۳۴۰) پس معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا اعتماد علی الرکبتین ہے اور مذہب امام شافعی رحمہ اللہ **اعتماد على الأرض** ہے؛ لہٰذا بلا عذر اعتماد علی الارض نہ کرے، بلکہ اعتماد علی الرکبتین کر کے اٹھے، اور عالمگیریہ میں جو یہ مذکور ہے **وترك الاعتماد مستحب** (۱) اس کا مطلب یہی ہے کہ ترک اعتماد علی الارض مستحب ہے۔ (۱۸۵/۲)

## پہلے قعدہ کے بعد اٹھتے ہوئے گھٹنوں پر سہارا لینا

**سوال:** (۳۱۰) دوسری رکعت میں بعد قعدہ کے جب کھڑا ہو تو ہاتھ بدستور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہو یا زمین پر سہارا دے کر کھڑا ہو؟ (۱۰۵۴/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** ہاتھ گھٹنوں اور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہونا بہتر ہے، اور اگر بہ ضرورت زمین پر رکھ کر کھڑا ہو تو یہ بھی درست ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۰/۲)

---

(۱) لا يعتمد على الأرض بيديه عند قيامه و إنّما يعتمد علىٰ ركبتيه هكذا في المحيط، وترك الاعتماد مستحبّ إلخ. (الفتاوى الهندية : ۱/۷۵، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الثّالث في سنن الصّلاة و آدابها و كيفيتها)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۸۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة .

## جلسۂ استراحت درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۳۱۱) (نماز میں)(۱) دوسجدوں کے ختم کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۸۵/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** حنفیہ کے نزدیک جلسۂ استراحت سجدہ کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لیے اٹھنے کے وقت نہیں ہے (۲) ایسا نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۱/۲)

## سجدے سے اٹھتے ہوئے سیدھا کھڑا ہونا سنت کے مطابق ہے

**سوال:** (۳۱۲) غیر مقلد یہ کہتے ہیں کہ حنفی لوگ جو سجدہ سے سر اٹھانے کے ساتھ ہی سیدھے کھڑے ہوجاتے ہیں (یہ)(۳) غیر مشروع ہے، اوراس سے نماز خلل پذیر ہوتی ہے، بلکہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ بیٹھنا بھی چاہیے، یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۸۰/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** اس کا جواب صاحب ہدایہ نے مختصر الفاظ میں اس طرح دیا ہے: و لنا حديث أبي هريرة رضي الله عنه : أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم كان ينهض في الصّلاة على صدور

---

(۱) 'نماز میں' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) ويكبّر للنّهوض على صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس (الدّرّ المختار) قوله: (بلا اعتماد) أي على الأرض قال في الكفاية: أشار به إلى خلاف الشّافعيّ في موضعين: أحدهما يعتمد بيديه على ركبتيه عندنا وعنده على الأرض والثّاني الجلسة الخفيفة. قال شمس الأئمّة الحلوانيّ : الخلاف في الأفضل حتّى لو فعل كما هو مذهبنا لا بأس به عند الشّافعيّ ، ولو فعل كما هو مذهبه لا بأس به عندنا ، كذا في المحيط اهـ . قال في الحلية : والأشبة أنّه سنّة أو مستحبّ عند عدم العذر، فيكره فعله تنزيهًا لمن ليس به عذر اهــ. وتبعه في البحر و إليه يشير قولهم: لا بأس فإنّه يغلب فيما تركه أولىٰ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۸۸- ۱۸۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

قدميه ، وما رواه محمول على حالة الكبر إلخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۵-۲۰۶)

**سوال:** (۳۱۳) رسول اللہ ﷺ کا طاق رکعتوں میں جلسہ استراحت نہ کرنا یا کرنے سے منع کرنا؟ (ثابت ہے یا نہیں؟) (۲) (۱۳۱۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** عن أبي هريرة رضي الله عنه قال كان النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ينهض في الصّلاة على صدور قدميه (۳) اور بہت سے صحابہ سے بھی منقول ہے۔ كذا في شرح المنية (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۶-۱۸۷)

## سجدۂ شکر اور سجدۂ مناجات کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۳۱۴) سجدۂ شکر کا کیا حکم ہے؟ اور بعد صلاۃ کرنا چاہیے یا کس وقت؟ اور بعد نماز بلا وجہ سجدہ کرنا کیسا ہے؟ (۱۲۰۷/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** سجدۂ شکر عند تجدد النعمۃ مستحب ہے۔ وفي الدّرّ المختار: وسجدة الشّكر مستحبّة (۵) اور بعد نماز کے بلا وجہ مکروہ ہے (۶) كما فيه أيضًا: لكنّها تكره بعد الصّلاة ، لأنّ

---

(۱) الهداية :۱/۱۱۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة .

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں سجدہ سے اٹھتے ہوئے سیدھے اپنے دونوں پاؤں کے سرے پر کھڑے ہو جاتے تھے، سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ دیر بیٹھتے نہیں تھے، باقی جس روایت میں بیٹھ کر کھڑے ہونے کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کے بڑھاپے کا واقعہ ہے کہ اپنے ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل کی صورت نکل آتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفیرؒ

(۲) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۳) أخرجه التّرمذي في جامعه:۱/۶۴، أبواب الصّلاة ، باب كيف النهوض من السجود ؟

(۴) غنية المستملي، ص:۲۸۱، فصل في صفة الصّلاة .

(۵) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۵۲۱-۵۲۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة ، مطلب في سجدة الشّكر .

(۶) اس کو سجدۂ مناجات کہتے ہیں اور وہ بدعت ہے۔ شامی میں ہے: قوله:(فمكروه) الظّاهر أنّها تحريمية؛ لأنّه يدخل في الدّين ما ليس منه . (ردّ المحتار: ۲/۵۲۲، كتاب الصّلا ة ، باب سجود التّلاوة ، مطلب في سجدة الشّكر) سعید احمد پالن پوری

الجهلة يعتقدونها سنّة أو واجبة و كلّ مباح يؤدّي إليه فمكروه إلخ(۱) فقط (۱۶۲/۲)

## دوسجدوں کے درمیان دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۳۱۵) سجدتین کے درمیان یہ دعا پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اللّٰهمّ اغفرلي وارحمني إلخ. (۱۳۳۹/۶۹۴ھ)

**الجواب:** یہ دعا مابین السّجدتین جائز ہے، اور حدیث میں وارد ہے، دعا یہ ہے: اللّٰهمّ اغفرلي وارحمني و عافني و اهدني و ارزقني و ارفعني و اجبرني(۲) فقط (۱۷۱/۲)

## التحیات میں انگشت وسطی اور انگوٹھے کا حلقہ کرنا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا سنت ہے

**سوال:** (۳۱۶) التحیات میں کلمۂ شہادت کے اوپر انگلی کا حلقہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۰۸۹ھ)

**الجواب:** التحیات میں انگشت وسطی اور انگوٹھے کا حلقہ کرنا اور انگشت سبابہ سے اشارہ کرنا سنت ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۱/۲-۱۶۲)

**سوال:** (۳۱۷) نزدیک امام اعظمؒ کے بہ وقت تشہد وسطی اور ابہام کا حلقہ کرکے اور خنصر و بنصر کو

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۲۱/۲-۵۲۲، کتاب الصّلاة، باب سجود التّلاوة، مطلب في سجدة الشّكر.

(۲) عن ابن عبّاس رضي الله عنهما قال: كان النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يقول بين السّجدتين: اللّٰهمّ اغفرلي وارحمني واهدني وعافني وارزقني، رواه أبو داؤد والتّرمذي.
(مشكاة المصابيح، ص:۸۴، کتاب الصّلاة، باب السّجود و فضله، الفصل الثّاني) ظفیرؒ

(۳) لكن المعتمد إلخ أنّه يشير لفعله عليه الصّلاة والسّلام (الدّرّ المختار) فهو صريح في أنّ المفتیٰ به هو الإشارة بالمسبّحة مع عقد الأصابع إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۹۱/۲-۱۹۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، قبيل مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفیرؒ

بند کر کے اشارہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۳۵/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اشارہ بالسبابہ کی تشہد میں یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے کہ ابہام اور وسطی کا حلقہ کرے اور بنصر اور خنصر کو بند کرے، کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کو لکھا ہے، اور یہ جائز ہے، شامی میں ہے: فلذا قال في منية المصلّي: فإن أشار يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى بالإبهام إلخ (۱) اور درمختار میں نقل کیا ہے: الصّحيح أنّه يشير بمسبّحته وحدها يرفعها عند النّفي ويضعها عند الإثبات إلخ (۱) یعنی انگشت سبابہ کو لآ إله کے ساتھ اٹھائے اور إلاّ اللّٰه پر رکھ دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۹۱-۱۹۲)

## التحیات میں انگشت شہادت اٹھانے کی وجہ

**سوال:** (۳۱۸) التحیات (میں) (۲) انگشت شہادت اٹھانے کا کیا سبب ہے؟ (۱۵۴۵/ ۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** التحیات میں بہ وقت کلمہ شہادت انگشت سبابہ سے توحید کا اشارہ ہوتا ہے، تاکہ جیسا کہ زبان سے أشهد أن لآ إله إلاّ اللّٰه إلخ کہا جاتا ہے، جس کا مطلب (اللہ کی) (۳) توحید کا اقرار ہے، اسی طرح عملاً بھی افعال جوارح سے اس کو ظاہر کیا جائے۔ فقط (۲/۱۷۱)

**وضاحت:** حنفیہ کے نزدیک نفی کے ساتھ انگلی سے اشارہ کیا جاتا ہے اور اثبات پر اشارہ ختم کر دیا جاتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اثبات کے وقت اشارہ کیا جاتا ہے، پھر وہ اشارہ آخر تک باقی رکھا جاتا ہے، پس انگلی کے اشارہ سے توحید کی طرف اشارہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک زبان سے کلی نفی کے وقت (یعنی لا الٰہ کہتے وقت) فعل سے (یعنی شہادت کی انگلی اٹھا کر) توحید کا استثناء کیا جاتا ہے، پھر جب اثبات آتا ہے تو انگلی رکھ دی جاتی ہے۔ ۱۲ سعید احمد

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۱۹۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، قبل مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد.

(۲) مطبوعہ فتاوی میں 'میں' کے بعد 'بہ وقت کلمہ شہادت' ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'بہ وقت کلمہ شہادت' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ ۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

# تشہد میں انگلی اٹھانا سنت ہے

سوال: (۳۱۹) تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا مسنون ہے یا نہیں؟ (۵۹۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: روایات متعلق رفع سبابہ (یہ ہیں)[1]: في الدّرّالمختار: لكنّ المعتمد ما صحّحه الشّرّاح، ولا سيّما المتأخّرون كالكمال والحلبيّ والبهنسيّ والباقاني وشيخ الإسلام الجدّ وغيرهم أنّه يشير لفعله عليه الصّلاة والسّلام، ونسبوه لمحمّد والإمام بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار المفتى به عندنا أنّه يشير (باسطًا أصابعه كلّها، وفي الشّرنبلالية عن البرهان الصّحيح:) أنّه يشير بمسبّحته وحدها، يرفعها عند النّفي ويضعها عند الإثبات، و احترز بالصّحيح عمّا قيل لا يشير لأنّه خلاف الدّراية والرّواية[2] (الدّرّ المختار) اورشامی میں ہے: وفي المحيط أنّها سنّة، يرفعها عند النّفي ويضعها عند الإثبات، و هو قول أبي حنيفة و محمّد و كثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولىٰ اهـ فهو صريح في أنّ المفتى به هو الإشارة بالمسبّحة مع عقد الأصابع الخ.[2]

وقال في الشّرح الكبير: قبض الأصابع عند الإشارة هو المروي عن محمّد في كيفية الإشارة، وكذا عن أبي يوسف في الأمالي، وهٰذا فرع تصحيح الإشارة، وعن كثير من المشائخ لا يشير أصلاً وهو خلاف الدّراية والرّواية، فعن محمّدؒ أنّ ما ذكره في كيفية الإشارة قول أبي حنيفةؒ اهـ. ومثله في فتح القدير.

وفي القهستاني: وعن أصحابنا جميعًا أنّه سنّة فيحلق إبهامه اليمنىٰ و وسطاها ملصقًا رأسها برأسها و يشير بالسّبّابة اهـ[2] (الشّامي: ۱/۳۲۴) (ان روایات سے معلوم ہوا کہ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا مسنون ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کے سروں کو ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ ظفیرؒ) (۲/۱۸۰-۱۸۱)

---

(۱) 'یہ ہیں' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۹۱-۱۹۳، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد.

**سوال:** (۳۲۰) رفع سبابہ اس طرف حنفی نہیں کرتے، اور امام صاحب کا ایک قول نہ کرنے کا حجت پکڑتے ہیں؟ (۱۵۳۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** رفع سبابہ کے متعلق درمختار اور شامی نے پوری تفصیل فرمادی ہے، اور رفع کو راجح کردیا ہے، اور بہت سی کتب سے اس کو نقل کیا ہے، اس کے بعد مقلد کو خلاف کی گنجائش نہیں ہے، موطأ میں امام محمد رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ یہی قول ہمارا اور ہمارے استاد ابوحنیفہؒ کا ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۸/۲)

**سوال:** (۳۲۱) سرحد کے علماء تشہد میں انگشت اٹھانے سے منع کرتے ہیں کہ یہ فعل نماز میں نہ کیا جاوے، مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ فعل کرنا نماز میں سنت سے ثابت ہوا ہے، لہٰذا جس طور پر اشارہ ثابت ہوا ہے بہ سند صحیح تحریر فرماویں۔ (۱۱۳/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** صحیح عندالحنفیہ یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور اس کے خلاف کو خلاف روایت اور درایت لکھا ہے، درمختار میں متعدد کتب کے حوالہ سے اشارہ بالسبابہ کی تصحیح فرمائی ہے۔ **حيث قال بعد نقل قول عدم الإشارة: لكنّ المعتمد ما صحّحه الشّراح ، و لا سيّما المتأخّرون كالكمال والحلبي والبهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنّه يشير لفعله عليه الصّلاة و السّلام ، ونسبوه لمحمّد والإمام، بل في متن دررالبحار وشرحه غرر الأذكار: المفتى به عندنا أنه يشير إلخ ، و في الشّرنبلالية عن البرهان: الصّحيح أنّه يشير بمسبّحته إلخ ، واحترز بالصّحيح عمّا قيل: لايشير، لأنّه خلاف الدّراية والرّواية إلخ ، وفي العيني عن التّحفة: الأصحّ أنّها مستحبّة وفي المحيط: سنّة[۲] (الدّرّ المختار)**[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۴/۲)

---

(۱) قال محمّد: وبصنيع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله (الموطأ للإمام محمّد، ص: ۱۰۸-۱۰۹ ، كتاب الصّلاة ، باب العبث بالحصى في الصّلاة وما يكره من تسويته)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹۱/۲-۱۹۳، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد .

سوال: (۳۲۲) نماز میں انگشت شہادت کا اٹھانا کثرت احادیث سے ثابت ہے، مگر فقہاءؒ معلوم نہیں کیوں منع فرماتے ہیں اور حرام کہتے ہیں، اگر مذہب حنفیہ میں جائز ہو تو تحریر فرمایئے۔

(۵۱۰/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** فقہائے محققین حنفیہ نے بھی راجح اشارہ بالسبابہ کو فرمایا ہے، اور اسی پر فتوی اور عمل ہے، درمختار میں ہے بعد نقل روایت منع کے: **لكنّ المعتمد ما صحّحه الشّراح ، ولا سيّما المتأخّرون كالكمال والحلبي والبهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنّه يشير لفعله عليه الصّلاة والسّلام، ونسبوه لمحمّد والإمام، بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار: المفتى به عندنا أنه يشير باسطًا أصابعه كلّه، وفي الشّرنبلالية عن البرهان: الصّحيح أنّه يشير بمسبّحته وحدها إلخ ، وفي الشّامي: فهو صريح في أنّ المفتى بهٖ هو الإشارة بالمسبّحة مع عقد الأصابع على الكيفية المذكورة إلخ** [1] (شامي: ۱/۳۴۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۹-۱۹۰)

سوال: (۳۲۳) متون میں رفع سبابہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اور یہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱۵۱۶/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** درمختار میں اس کی تفصیل دیکھ لیں، اس میں بعض متون سے بھی رفع سبابہ نقل کیا ہے، اور رفع سبابہ کی تصحیح کی ہے، اور امام محمدؒ نے اس کو اپنا اور امام ابوحنیفہؒ کا قول لکھا ہے۔ (۲/۲۰۱)

سوال: (۳۲۴) تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے؟ علمائے احناف میں اختلاف ہے، بعض مستحب فرماتے ہیں اور خلاصہ کیدانی میں حرام لکھا ہے، وہ معتبر ہے یا نہیں؟ (۲۵۱۶/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** معتبر فقہاء نے رفع سبّابہ کو سنت لکھا ہے۔ اور درمختار میں چند کتب کا حوالہ دے کر اس کو سنت ثابت کیا ہے، اور عدم رفع کو خلاف روایت ودرایت لکھا ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ نے موطأ میں مذہب امام اعظمؒ کا رفع سبّابہ کا لکھا ہے، پس خلاصہ کیدانی وغیرہ کے حوالہ سے اس کو حرام کہنا غلط ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۹۱-۱۹۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد .

اور تفصیل اس کی کتب فقہ میں موجود ہے، درمختار، شامی، فتح القدیر وغیرہ کو دیکھنا چاہیے(۱) خلاصہ کیدانی کے قول کا اس بارے میں اعتبار نہ کیا جاوے، اس نے صریح غلطی کی ہے کہ فعل سنت کو حرام لکھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۲-۱۷۳)

## رفع سبّابہ کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کا مسلک اور اس کا جواب

**سوال:** (۳۲۵) جواب: (۲۵۱۶/۱۳۳۹ھ، یعنی سوال نمبر: ۳۲۴) موصول ہوا، مخالفین نے الحمدللہ تسلیم کیا، مگر یہ کہا کہ کیدانیؒ وغیرہ کے قول کو (تو) تمام علماء نے رد کیا، مگر حضرت مجدّد الف ثانی سرہندیؒ نے مکتوب: ۳۱۲، میں {مشرّح} لکھا ہے، بل کہ مکتوب کے حاشیہ پر قول امام محمد در بارہ رفع سبّابہ کو رد کیا ہے، اور عدم رفع کو ترجیح دی ہے؛ شرعًا اس کا کیا جواب ہے؟ (۲۶۵۸/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد امجاد میں سے ہی بعض حضرات نے یہ تحقیق کی ہے کہ رفع سبّابہ سنت سے ثابت ہے؛ اس لیے اس پر عمل کرنا چاہیے اور جب کہ بہت سے فقہاء محققین حنفیہ نے رفع سبّابہ کو ترجیح دی ہے اور اختیار کیا ہے؛ تو مقلدین حنفیہ کو اپنے فقہاء کے قول کو لینا چاہیے جیسا کہ خود حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں بہت جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے کہ احکام شریعت میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے قول کو لینا ضروری ہے، اس میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی اور دیگر اولیاء کبار اور مجتہدین فی الطریقہ کا قول معتبر نہیں اور ان کی تقلید جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۳-۱۷۴)

**سوال:** (۳۲۶) تشہد میں رفع سبابہ کے متعلق علمائے احناف کا کیا مذہب ہے؟ آیا سنت ہے یا واجب یا مستحب؟ اور کس وقت سے کس وقت تک رفع کیا جاوے؟ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف کیوں فرماتے ہیں، اور حلقہ بنانا کیسا ہے؟ (۱۳۹۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** صحیح یہ ہے کہ رفع سبابہ تشہد میں سنت ہے، اور امام محمد علیہ الرحمہ نے موطأ میں فرمایا ہے:

---

(۱) حوالہ ؛ کتاب الصلاۃ کے سوال نمبر: (۳۱۹) کے جواب میں گذر چکا۔۱۲

وھو قولي وقول أبي حنیفة رحمة اللہ (۱) اور مستحب یہ ہے کہ نفی پر اٹھاوے اور اثبات پر رکھ دے وفي المحیط أنّھا سنّة، یرفعھا عند النّفي و یضعھا عند الإثبات ، و ھو قول أبي حنیفة ومحمّد و کثرت بہِ الآثار و الأخبار ، فالعمل بہٖ أولیٰ اھـ(۲)

اور حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے بر بناء علی المتون عدم رفع کو راجح سمجھا ہے، لیکن جمہور فقہاء و محدثین نے اس کے خلاف کی تصحیح فرمائی ہے، اور شراح نے متون کی روایت کو صحیح اور مفتی بہ نہیں سمجھا ہے، اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اَتباع اور خلفاء نے بھی قول امام ربانی کی تاویل فرمائی ہے (اور اس پر عمل نہ کیا، چنانچہ حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس کی تحقیق فرمائی ہے)(۳) اور اشارہ سبابہ کا سنت ہونا ثابت فرمایا ہے، اور حلقہ کرنا ابہام اور وسطیٰ سے اور قبض کرنا خنصر اور بنصر کو اور اشارہ کرنا مسبحہ سے سنت ہے۔ وصفتھا : أن یحلق من یدہ الیمنیٰ عند الشّھادة الإبھامَ والوسطیٰ و یقبض البنصر و الخنصر ، و یشیر بالمسبّحة إلخ(۴) (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۴-۲۰۵)

سوال: (۳۲۷) اکثر کتب فقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ التحیات میں انگلی سبابہ کا اٹھانا سنت و موجب ثواب ہے، اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی بھی اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں، لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اس فعل کو مکتوبات نمبر:۳۱۲/ میں حرام فرماتے ہیں، ان دونوں حضرات میں سے کس کا قول معتبر و مستند ہے؟ (۱۳۴۵/۱۱۰۹ھ)

---

(۱) قال (عبد اللہ بن عمر): کان رسول اللّٰہ صلّی اللہ علیه و سلّم إذا جلس في الصّلاة وضع کفّه الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض أصابعه کلّھا، وأشار بإصبعه الّتي تلي الإبھام ...... قال محمد: وبصنیع رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم نأخذ وھو قول أبي حنیفة رحمه اللّٰہ . (الموطأ للإمام محمّد ، ص:۱۰۸-۱۰۹ ، کتاب الصّلاة ، باب العبث بالحصی في الصّلاة وما یکرہ من تسویتہٖ)

(۲) ردّ المحتار: ۲/۱۹۲، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبل مطلب مھمّ في عقد الأصابع عند التّشھّد .

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔

(۴) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۹۲، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة .

**الجواب:** اس میں صحیح ومستند یہ ہے کہ اشارہ بالسبابہ تشہد میں سنت ومستحب ہے، جمہور امت اسی طرف ہیں، اور درمختار میں عدم رفع سبابہ کی روایت نقل کر کے پھر اس کے خلاف کو بہت روایات اور دلائل سے سنت ہونا ثابت کیا ہے، اور (امام)[1] محمدؒ نے موطأ میں اپنا اور امام صاحب کا سنیت رفع سبابہ کا مذہب نقل کیا ہے[2] اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی طرف سے بعض نے ان کی اولاد امجاد میں سے اور ان کے خلفاء نے معذرت فرمائی ہے (کہ)[1] بر بناء بعض روایات حنفیہ حضرت مجدد صاحب نے ایسا فرمایا ہے، لیکن امر محقق یہ ہے کہ رفع سبابہ سنت ہے، اس کو ترک نہ کیا جاوے۔ هٰذا خلاصة ما فصّله وحقّقه العلماء المحقّقون من الأحناف ، فلا إشكال ، فإن اختلاف الأمّة رحمة من الله المتعال. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۶)

## تشہد میں انگلی اٹھا کر کس وقت گرانی چاہیے؟

**سوال:** (۳۲۸) نماز میں التحیات پڑھتے وقت جو انگلی أشهد أن لا إلٰه إلاّ اللّٰه کے وقت اٹھائی جاتی ہے وہ کس وقت گرانی چاہیے؟ (۲۲۹۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** شرح منیہ میں امام حلوانی سے نقل کیا ہے کہ لا إلٰه پر انگشت کو اٹھائے اور إلاّ اللّٰه پر رکھ دے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۹)

## تشہد میں انگلیوں کا حلقہ کب تک باقی رکھنا چاہیے؟

**سوال:** (۳۲۹) نماز کے اندر قعدہ میں جب انگشت شہادت اٹھاتا ہے، تو اور چار انگلیوں کو بند کرنا ہوتا ہے، بعد تشہد کے تا سلام ان انگلیوں کو ویسا ہی رکھنا چاہیے یا کھول کر؟ (۲۵۳۸/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** لآ إلٰه إلاّ اللّٰه کہنے کے وقت جب کہ عقد اصابع یا ان کا حلقہ کر لیا ہے، تو پھر اس کو

---

(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) حوالہ گذشتہ جواب کے حاشیہ میں گذر چکا۔

(۳) وصفة الإشارة عن الحلوائي : أنّه يرفع الإصبع عند النّفي و يضعها عند الإثبات إشارةً إليهما. (غنية المستملي في شرح منية المصلّي : ص:٢٨٦، فصل في صفة الصّلاة)

فارغ ہونے تک ویسا ہی رکھنا چاہیے۔ کما نقل الشّامي عن المحیط: أنّها سنّة ، یرفعها عند النّفي ویضعها عند الإثبات ، و هو قول أبي حنیفة و محمّد و کثرت بهٖ الآثار والأخبار ، فالعمل بهٖ أولٰی اهـ. فهو صریح في أنّ المفتی بهٖ هو الإشارة بالمسبّحة مع عقد الأصابع علی الکیفیّة المذکورة(۱) (شامی جلد اوّل) اس طرح کی متعدد عبارتیں ہیں کہ جن میں عقد اصابع و اشارہ کے بعد اس کے کھولنے کا ذکر نہیں؛ جوکہ اس کی صریح دلیل ہے کہ بعد عقد کھولنا مناسب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۲/۲)

## دائیں ہاتھ کی انگشت نہ اٹھا سکتا ہو تو کیا کرے؟

**سوال:** (۳۳۰) ایک شخص داہنے ہاتھ کی انگلی شہادت اٹھانے سے مجبور ہے، تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھاتا ہے، زید منع کرتا ہے؟ (۱۳۵۷/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا تو وہ انگشت نہ اٹھائے، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۲/۲)

## درود میں سیدنا کا اضافہ کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۳۱) جو درود شریف بعد تشہّد کے نماز میں پڑھا جاتا ہے، اور بدون لفظ سیّدنا مروی ہے، آیا بلا سیّدنا پڑھنا چاہیے یا اضافہ لفظ سیّدنا (کا)(۳) کیا جائے؟ (۱۰۷/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۹۲/۲، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد .

(۲) الصّحیح أنّه یشیر بمسبّحته وحدها یرفعها عند النّفي (الدّرّ المختار) قوله : (بمسبّحة وحدها) فیکره أن یشیر بالمسبّحتین کما في الفتح وغیره (الدّرّ المختار و ردّالمحتار: ۱۹۲/۲ کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفیرؒ

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

**الجواب:** اضافہ لفظ سیّدنا میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا ہے بلا لفظ سیّدنا ویسا ہی بہتر ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۸-۱۶۹)

## نماز کے درود میں اللّٰهم بارك علىٰ أزواجه وذرّيّاته کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۳۲) ایک صاحب نے لکھا ہے کہ نماز میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اس میں لفظ أزواج وذرّيّات کا اور بڑھا دے، اس میں زیادہ ثواب ہے، مثلاً اللّٰهم بارك علىٰ أزواجه و ذرّيّاته إلخ . یہ بڑھانا درست ہے یا نہیں؟ (۲۹۱۶/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** جس قدر معمول ہے وہی کافی ہے، اگرچہ بڑھا دینے میں بھی کچھ حرج نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۷)

## نماز کے آخری قعدہ میں مختلف دعائیں پڑھنا درست ہے

**سوال:** (۳۳۳) اگر کوئی شخص قعدۂ نماز میں کبھی کوئی دعا اور کبھی کوئی دعا پڑھے، تو عند الحنفیہ

---

(۱) وصلّى على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم إلخ ، وندب السّيادة لأنّ زيادة الإخبار بالواقع عين سلوك الأدب فهو أفضل من تركه ، ذكره الرّمليّ الشّافعيّ وغيره ، وما نقل لا تسوّدوني في الصّلاة فكذب (الدّرّالمختار) قال: سئل محمّد عن الصّلاة على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم فقال يقول : اللّٰهمّ صلّ علىٰ محمّد وعلىٰ آل محمّد إلخ ، وهي الموافقة لما في الصّحيحين وغيرهما إلخ ، واعتُرض بأن هذا مخالف لمذهبنا لما مرّ من قول الإمام من أنّه لو زاد في تشهّده أونقص فيه كان مكروهًا، قلتُ: فيه نظر فإنّ الصّلاة زائدة على التّشهّد ليست منه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۹۶-۱۹۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة مطلب في جواز التّرحّم على النّبيّ ابتداءً ) ظفیرؒ

(۲) ولذا قال في شرح المنية: والإتيان بما في الأحاديث الصّحيحة أولىٰ إلخ . (ردّ المحتار: ۲/۱۹۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، مطلب في جواز التّرحّم على النّبيّ ابتداءً) ظفیرؒ

ممانعت تو نہیں ہے؟ (۱۳۳۹/۴۶۸ھ)

**الجواب:** کچھ ممانعت نہیں ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۰/۲)

## نماز کے سلام میں وبرکاتہ کا اضافہ درست نہیں

**سوال:** (۳۳۴) السّلام علیکم و رحمة اللّٰه پر نماز ختم کر دینا چاہیے یا لفظ برکاتہ بھی پڑھا جائے؟ (۱۳۴۱/۱۲۹۷ھ)

**الجواب:** صرف لفظ السّـلام عـليكم و رحمة اللّٰه کہنا سنت ہے(۲) کما في الأنوار السّاطعة عن منية المصلّي : وأن يقول السّلام عليكم و رحمة اللّٰه مرّتين إلخ(۳) اور اسی طرح (۴) حدیث میں بھی وارد ہے(۵) صرف ابوداؤد کی ایک روایت میں وبرکاتہ کا لفظ بھی

---

(۱) وصلّى على النّبيّ عليه السّلام إلخ و دعا بما يشبه ألفاظَ القرآن و الأدعيّة الماثورة لما روينا من حديث ابن مسعود قال له النّبيّ عليه السّلام ثمّ اختر من الدّعاء أطيبَها وأعجبَها إليك . (الهداية: ۱/۱۱۲-۱۱۳، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) ويقول السّلام عليكم ورحمة اللّٰه، ولايقول في هذا السّلام أي في سلام الخروج من الصّلاة سواء كان عن اليمين أواليسار وبركاته. (غنية المستملي، ص:۲۹۳،فصل في صفة الصّلاة )

(۳) الأنوار السّاطعة في المذاهب الأربعة ، ص:۳۸، باب سنن الصّلاة ، المطبوعة : المطبعة الأميريّة ، مصر .

(۴) مطبوعہ فتاوی میں 'اسی طرح' کے بعد 'اور' ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'اور' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۵) عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه عن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه و سلّم أنّه كان يُسلّم عن يمينه و عن يساره السّلام عليكم ورحمة اللّٰه ، السّلام عليكم و رحمة اللّٰه. (جامع التّرمذي :۱/۶۵، أبواب الصّلاة ، باب ما جاء في التّسليم في الصّلاة و سنن أبي داؤد، ص:۱۴۳، كتاب الصّلاة باب في السّلام)

وارد ہوا ہے (۱) مگر حنفیہ کے یہاں روایت مشہورہ ہی مسنون ہے، وبرکاتہ کے زائد کرنے کی ضرورت نہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۶/۲)

## سلام میں صرف چہرہ پھیرے سینہ نہ پھیرے

**سوال:** (۳۳۵) نماز سے خروج کے لیے سلام پھیرتے وقت قبلہ سے فقط منہ ہی پھیرے یا سینہ بھی؟ (۱۲۸۱/۴۶-۱۳۴۷ھ)

**الجواب:** صرف منہ پھیرنا دونوں طرف سلام کے ساتھ کافی ہے (۳) فقط (۲۰۷/۲)

## جس نے امام کی اقتداء سلام پھیرنے کے قریب کی ہو وہ تشہد پڑھے یا نہیں؟

**سوال:** (۳۳۶) جس شخص نے امام کی اقتداء سلام پھیرنے کے (قریب) (۴) کی ہو تو کیا

(۱) عن علقمة بن وائل عن أبيه رضي الله عنه قال: صلّيتُ مع النّبيّ صلّى الله عليه و سلّم فكان يسلّم عن يمينه السّلام عليكم و رحمة الله و بركاته و عن شماله السّلام عليكم و رحمة الله (سنن أبي داؤد، ص:۱۴۳، كتاب الصّلاة، باب في السّلام)

(۲) ثمّ يسلّم إلخ قائلاً: السّلام عليكم ورحمة الله هو السّنّة إلخ، و أنّه لا يقول هنا وبركاته وجعله النّوويّ بدعة، و ردّه الحلبيّ وفي الحاوي أنّه حسن (الدّرّ المختار) قوله: (و ردّه الحلبيّ)......حيث قال في الحلية شرح المنية بعد نقله قول النّووي إنّها بدعة، و لم يصحّ فيها حديث بل صحّ في تركها غيرُ ما حديث ما نصّه: لكنّه متعقّب في هذا، فإنّها جاء ت في سنن أبي داؤد من حديث وائل بن حجر بإسناد صحيح، وفي صحيح ابن حبّان من حديث عبد اللّه بن مسعود رضي الله عنه ثمّ قال اللّهمّ إلاّ أن يجاب بشذوذها و إن صحّ مخرجها إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۱۱-۲۱۳، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة) ظفیرؔ

(۳) وتحويل الوجه يمنة ويسرة للسّلام.

ولها آداب تركه لا يوجب إساءة ولا عتابًا ...... لكن فعله أفضل إلخ وإلى منكبه الأيمن والأيسر عند التّسليمة الأولى والثّانية لتحصيل الخشوع. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۴-۱۵۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة باب صفة الصّلاة) ظفیرؔ

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (قریب) کی جگہ ''وقت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲۔

بعد سلام امام اس کو تشہد پورا کرنا ضروری ہے؟ (۲۱۳۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** شامی صفحہ: ۳۳۳ جلد ا میں ہے کہ مختار اس صورت میں یہ ہے کہ تشہد پورا کر کے کھڑا ہو، اور اگر پورا نہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو یہ[1] جائز ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۴/۲-۱۶۵)

## دعائے ماثورہ پڑھنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو مقتدی کو کیا کرنا چاہیے؟

**سوال:** (۳۳۷) اگر امام نے سلام پھیر دیا اور مقتدی نے صرف التّحیّات اور[3] درود ہی پڑھا ہے دعا نہیں پڑھی، تو کیا مقتدی کو بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیے یا دعا پڑھ کر؟ (۱۶۵۱/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** اس صورت میں مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیر دیویں[4] فقط (۱۶۹/۲)

## امام سلام پھیر دے اور مقتدی کی کچھ دعا باقی ہو تو مقتدی کیا کرے؟

**سوال:** (۳۳۸) امام سلام پھیر دے اور مقتدی کی کچھ دعا باقی ہو، تو فوراً امام کے ساتھ سلام

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں 'جائز' سے پہلے 'بھی' تھا؛ لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'بھی' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۲) وشمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في أثناء التّشهّد الأوّل أو الأخير فحين قعد قام إمامه أو سلّم ، ومقتضاه أنّه يتمّ التّشهد، ثمّ يقوم ولم أره صريحًا ثمّ رأيته في الذّخيرة ناقلاً عن أبي اللّيث المختار عندي أنّه يتمّ التّشهّد وإن لم يفعل أجزاه (ردّ المحتار: ۱۷۶/۲، كتاب الصّلاة باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفیرؒ

(۳) مطبوعہ فتاوی میں 'اور' کے بعد 'صرف' تھا؛ لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'صرف' نہیں ہے: اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۴) ولو سلّم (الإمام) والمؤتمّ في أدعية التّشهّد تابعه، لأنّها سنّة ، والنّاس عنه غافلون (الدّرّ المختار) قوله: (في أدعية التّشهّد) يشمل الصّلاة على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۷۷/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفیرؒ

پھیر دے یا ختم کر کے؟[۱] (۱۰۵۴/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اگر تھوڑی سی دعا باقی رہی ہے تو جلدی سے پورا کر کے کچھ بعد میں سلام پھیرے، تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۵/۲)

## امام التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جاوے یا مقتدی پہلے پڑھ چکا تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۳۳۹) اگر امام قعدہ اولیٰ میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہو گیا اور مقتدی کی باقی ہے، تو وہ کیا کرے؟ اور اگر مقتدی پہلے پڑھ چکے ہیں تو خاموش بیٹھا رہے یا کیا کرے؟ (۲۸۳۵/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** مقتدی پوری کر کے اٹھے[۳] اور اگر مقتدی پہلے پڑھ چکا تو خاموش رہے[۴]

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں 'کر کے' کے بعد 'سلام پھیرے' تھا؛ لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'سلام پھیرے' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۲) مقتدی کے تشہد پورا ہونے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو مقتدی اپنا تشہد پورا کر کے سلام پھیرے، مگر درود شریف اور دعائے ماثورہ پوری ہونے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو مقتدی کے لیے امام کی متابعت واجب ہے۔ والحاصل أن متابعة الإمام في الفرائض و الواجبات من غير تأخير واجبة ، فإن عارضها واجب لا ينبغي أن يفوته ، بل يأتي به ثم يتابعه ...... بخلاف ما إذا عارضها سنّة ، لأن ترك السنة أولى من تأخير الواجب ...... و متقضٰى هذا أنه يجب إتمام التّشهّد . ( ردّ المحتار : ۱۷۷/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي)

و لو سلم قبل أن يأتي المقتدي بالصّلاة و الدّعوات فإنّه يتابعه لأنّها سنة ...... لأن ترك السنّة أولى من تأخير الواجب( غنية المستملي : ۴۵۴، كتاب الصّلاة ، فصل في الإمامة)

محمد امین پالن پوری

(۳) لو رفع الإمام رأسه إلخ قبل أن يتمّ المأموم التّسبيحات الثّلاث وجب متابعته إلخ بخلاف سَلامه أو قيامه لثالثة قبل إتمام المؤتم التّشهّد فإنّه لا يتابعه بل يتمّه لوجوبه ولو لم يتمّ جاز (الدّرّ المختار) أي صحّ مع كراهة التّحريم إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۷٦/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفیرؒ

(۴) ولا يزيد في الفرض على التّشهّد في القعدة الأولٰى إجماعًا إلخ ، ولو فرغ المؤتم قبل إمامه سكت اتّفاقًا . (ردّ المحتار: ۱۹۴/۲-۱۹۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفیرؒ

یا کلمۂ آخر کا تکرار کرتا رہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۶-۲۰۷)

## سلام کے بعد امام دائیں بائیں گھوم سکتا ہے خواہ مقتدی کم ہوں یا زیادہ

سوال: (۳۴۰) یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں کہ جب تک امام کے ساتھ دس یا اور کوئی عدد مخصوص کے مقتدی نہ ہوں تو بعد سلام نماز کے دائیں بائیں گھوم کر نہ بیٹھے؟ (۲۲۸/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے۔ کما في الشّامي : قوله : (ولو دون عشرة) أي أنّ الاستقبال مطلق لا تفصيل فيه بين عدد و عدد إلخ ، ولا يلتفت إلى ما ذكره بعض شرّاح المقدّمة من أنّ الجماعة إن كانوا عشرة يلتفت إليهم إلخ ، فإنّ هذا الّذي ذكره لا أصل له في الفقه إلخ(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۴-۱۸۵)

## فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے دیر تک دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۴۱) فرائض کے بعد سنن اور نوافل سے پہلے دعا میں اللّٰهمّ أنت السّلام إلخ سے زیادہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دیگر ادعیہ نقل کر کے ان کا پڑھنا اولیٰ لکھا ہے، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ (۱۶۶۴/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) کلمۂ آخر کا یعنی أشهد أن لآ إلٰه إلاّ اللّٰه وأشهد أنّ محمّدًا عبده ورسوله کو بار بار پڑھتا رہے، یہ تشہد پر زیادتی نہیں، بلکہ تشہد ہی ہے، اس لیے اس کو دہرانے میں کوئی حرج نہیں، اور فقہاء کرام نے تشہد پر زیادتی سے منع فرمایا ہے، اس سے مراد قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعا پڑھنا ہے، شامی میں ہے: قوله: (سكت اتّفاقًا) لأنّ الزّيادةَ على التّشهّد في القعود الأوّل غير مشروعة كما مرّ فلا يأتي بشيء من الصّلوات والدّعاء (حوالۂ سابقہ) محمد امین پالن پوری

(۲) ردّ المحتار: ۲/۲۲۰ ، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبيل فصل في القراءة .

**الجواب:** ان ادعیہ واذکار کا پڑھنا بعد نماز فرض کے قبل سنن رواتب جائز اور مستحب ہے، اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور بعض فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ بعد فرائض کے اللّٰھمّ أنت السّلام إلخ سے زیادہ نہ پڑھے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے، اور نہ غرض اس سے تحدید ہے، اور اگر بعض فقہاء کی بوجہ ظاہر بعض روایت حدیث کی یہ رائے ہو بھی تو دیگر اکثر فقہاء بہ وجہ روایاتِ کثیرہ احادیث کے دیگر اذکار وادعیہ ماثورہ جائز ومستحب فرماتے ہیں(۱) جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۰)

(۱) ویکرہ تأخیر السّنّة إلّا بقدر اللّٰھمّ أنت السّلام إلخ قال الحلواني :لابأس بالفصل بالأوراد، واختاره الکمال إلخ ویستحبّ أن یستغفر ثلاثًا ویقرأ آیة الکرسيّ والمعوّذات إلخ ویدعو ویختم بسبحان ربّك(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۹، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة فصل کیفیّة صلاة ، مطلب فیما لو زاد علی العدد الوارد في التّسبیح عقب الصّلاة)ظفیرؒ

(۲) والأولٰی : أن یأتي بھذه الأذکار قبل الرّواتب ، فإنّه جاء في بعض الأذکار ما یدلُّ علی ذلك نصًّا، کقولہٖ :" مَن قال قبل أن ینصرفَ و یَثْنِيَ رِجلیه من صلاة المغرب والصّبح : لا إلٰه إلّا اللّٰه إلخ "، وکقول الرّاوي:"کان إذا سلّم من صلاته یقول بصوته الأعلٰی:لآ إلٰه إلّا اللّٰه إلخ" قال ابن عبّاس : " کنتُ أعرف انقضاء صلاة رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم بالتّکبیر " وفي بعضھا ما یدلّ ظاھرًا ، کقولہٖ : " دبر کلّ صلاة ".

وأمّا قول عائشة : " کان إذا سلّم لم یقعد إلّا مقدار ما یقول : اللّٰھمّ أنت السّلام ، فیحتمل وجوھًا :

منھا : أنّه کان لا یقعد بھیئة الصّلاة إلّا ھٰذا القدر ، و لکنّه کان یتیامن ، أو یتیاسر ، أو یقبل علی القوم بوجھه ، فیأتي بالأذکار ، لئلّا یظنّ الظّانّ : أنّ الأذکار من الصّلاة .

ومنھا أنّه کان حینًا بعد حین : یترك الأذکار ، غیرَ ھذه الکلمات ، یعلّمھم أنّھا لیست فریضةً و إنّما مقتضی : " کان " وجودُ ھذه الفعل کثیرًا ، لا مرّةً ولا مرّتین ، لا المواظبة .

والأصل في الرّواتب : أن یأتي بھا في بیتہٖ ، والسِّرُّ في ذلك کلّه أن یقع الفصل بین الفرض والنّوافل بما لیس من جنسھما ، وأن یکون فصلاً معتدّا به ، یدرك بادی الرّأی ، وھو قول عمر رضي اللّٰه عنه لمن أراد أن یشفع بعد المکتوبة : ==

..........................................................................................

== ”اجلس فإنّه لم يهلك أهل الكتاب إلاّ أنّه لم يكن بين صلواتهم فصلٌ“ فقال النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ”أصاب اللّٰه بك يا ابن الخطّاب !“ وقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم: ”اجعلوها في بيوتكم“ واللّٰه أعلم . (حجّة اللّٰه البالغة مع رحمة اللّٰه الواسعة:۳/۴۵۵)

تشریح: بہتر یہ ہے کہ مذکورہ اذکار سنتوں سے پہلے کر لیے جائیں، کیوں کہ بعض روایات میں اس کی صراحت ہے۔ جیسے عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص فجر اور مغرب کی نماز سے پھرنے اور پیر موڑنے سے پہلے کہے: لآ إلٰه إلاّ اللّٰه آخر تک“ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ”آپ ﷺ نماز کے بعد بلند آواز سے کہتے تھے: لآ إلٰه إلاّ اللّٰه آخر تک“ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا پورا ہونا تکبیر سے پہچانا کرتا تھا یعنی آپ ﷺ سلام پھیرتے ہی زور سے تکبیر کہتے تھے، اور بعض روایات بہ ظاہر اس پر دلالت کرتی ہیں، جن میں آیا ہے کہ ”ہر نماز کے پیچھے“ یہ اذکار کرے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تھے تو بس اتنی دیر بیٹھتے تھے کہ کہیں: اللّٰهمّ أنت السّلام ومنك السّلام ، تباركت يا ذا الجلال والإكرام ۔ اس قول کی چند توجیہیں ہوسکتی ہیں:

پہلی توجیہ: صدیقہ کی مراد یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نماز کی ہیئت پر صرف اتنی دیر بیٹھتے تھے۔ پھر نشست بدل لیتے تھے۔ دائیں جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی جانب رُخ پھیر لیتے تھے تا کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ اذکار بھی نماز میں شامل ہیں۔

دوسری توجیہ: یا صدیقہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ گاہ بہ گاہ آپ ﷺ دیگر اذکار چھوڑ دیتے تھے، صرف اللّٰهمّ أنت السّلام پڑھ کر اٹھ جاتے تھے، اور آپ ﷺ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ اذکار فرض نہیں ہیں۔

اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ كان تو مواظبت پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ كان کا مقتضی یہ نہیں ہے، اس کا مفہوم کسی عمل کا بہ کثرت پایا جانا ہے، یعنی صرف ایک بار یا دوبار نہ پایا جانا۔

اور سنتوں میں اصل یہ ہے کہ ان کو گھر میں ادا کیا جائے، آنحضرت ﷺ کا معمول یہی تھا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بنو عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے اس میں مغرب پڑھی، نماز کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ نوافل پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ گھروں کی نماز ہے“ اور دوسری روایت میں ہے کہ ”لازم کرو تم اس نماز کو گھروں میں“ (مشکاۃ، حدیث:۱۱۸۲، باب السنن) ==

**سوال:** (۳۴۲) بہشتی گوہر میں ہے: مسئلہ: جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں جیسے ظہر، مغرب، عشاء، ان کے بعد بہت دیر تک دعا نہ مانگے، بلکہ مختصر دعا مانگ کر (ان سنتوں)(۱) کے پڑھنے میں مشغول ہوجاوے، اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، جیسے فجر، عصر ان کے بعد جتنی دیر تک چاہے دعا مانگے (۲) یہ صورت شرعًا کیسی ہے؟ (۱۳۴۲/۴۴۷ھ)

**الجواب:** اوفق بالا حادیث یہ صورت ہے جو کہ بہشتی گوہر سے منقول ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں، جیسے فجر وعصر، ان میں حسبِ روایت نورالایضاح عمل کرے (۳) اور جن فرائض

== اوران دونوں باتوں کی حکمت یعنی سلام پھیرتے ہی اذکار کرنے کی اور گھر جاکر سنتیں ادا کرنے کی یہ ہے کہ فرض اور نفل کے درمیان ایسی چیز سے فصل ہوجائے جو دونوں کی جنس سے نہ ہو، اور یہ کہ یہ فصل معتد بہ ہو، جو سرسری نظر ہی میں محسوس کرلیا جائے، ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے فرض نماز کے بعد متصلاً نوافل شروع کرنے چاہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کود کر کھڑے ہوئے، ان کا شانہ ہلایا اور فرمایا: ''اہل کتاب اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فصل نہیں رہا تھا'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! اللہ تعالیٰ آپ کو صائب الرائے بنائیں'' یعنی آپؓ نے صحیح تنبیہ کی (مشکاۃ، حدیث: ۹۷۲) (رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ: ۳/۴۵۴-۴۵۵، باب (۱۰) نماز کے اذکار اور مستحب ہیئتیں، سلام کے بعد ذکر ودعا)

(۱) قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کی تصحیح اختری بہشتی گوہر سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) اختری بہشتی گوہر مع اختری بہشتی زیور، حصہ: ۱۱، ص: ۳۲-۳۳، فرض نماز کے بعض مسائل، مسئلہ نمبر: ۷۔

(۳) عن شمس الأئمّة الحلوانيّ أنّه قال: لا بأس بقراء ة الأوراد بين الفريضة والسّنّة، فالأولى تاخير الأوراد عن السّنّة، فهذا ينفي الكراهة، ويخالفه ما قال في الاختيار: كلّ صلاة بعدها سنّة يكره القعود بعدها و الدّعا بل يشتغل بالسّنّة كي لا يفصّل بين السّنّة و المكتوبة، وعن عائشة رضي اللّه عنها أنّ النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم كان يَقعُد مقدار ما يقول: اللّهمّ أنت السّلامُ إلخ كما تقدّم فلا يزيد عليه أو على قدره، ثمّ قال الكمال: ولم يثبت عنه صلّى اللّه عليه وسلّم الفصل بالأذكار الّتي يواظب عليها في المساجد في عصرنا من قراء ة آية الكرسي والتّسبيحات و أخواتها ثلاثًا وثلاثين وغيرها. (مراقي الفلاح على نور الإيضاح مع حاشية الطّحطاوي: ۳۱۲-۳۱۳، كتاب الصّلاة، فصل في صفة الأذكار)

کے بعد [سنتیں](۱) ہیں ان کے بعد امام اور مقتدیان مختصر دعا مانگ کر سنتیں ادا کریں (۲) خواہ فصل بالاَوراد کر کے بعد میں سنتیں پڑھیں، اور پھر اجتماعًا دعا کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ دعا اجتماعًا ایک ہی بار ہے، پھر دوبارہ بعد السنن مقتدیوں کو امام کی دعا کا انتظار کرانا اور اس کا التزام کرنا ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۹۷)

**سوال:** (۳۴۳) فرضوں کے بعد دعا مانگنا جائز ہے [یا نہ؟] (۳) اگر جائز ہے تو کتنی دیر تک؟

(۱۱۸۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** دعا مانگنا تمام فرضوں اور نمازوں کے بعد جائز و مستحب ہے، جس قدر مناسب ہو دعا کریں، مگر جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد زیادہ دیر نہ کریں، دعا سے فارغ ہو کر سنتیں پڑھ لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۰)

## فرض نماز کے بعد سنتوں میں کس قدر تاخیر کرنا چاہیے؟

**سوال:** (۳۴۴) امام کو بعد نماز فرض کس قدر مقدار سے آیت الکرسی پڑھتے رہنا چاہیے؟ امام دیر تک بیٹھا پڑھتا رہے، کیا مقتدی کو اس کی پیروی لازم ہے یا دعا پڑھ کر سنت میں مشغول ہو جائے؟

(۸۵۰/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** بعد فرض کے قبل سنت اگر آیت الکرسی وتسبیحات بعد الصلاۃ وغیرہ اَوراد مختصرہ پوری کر کے سنت پڑھے، تو کچھ حرج نہیں ہے، اور وقت کی کچھ مقدار معین نہیں ہے، لیکن زیادہ

(۱) مطبوعہ فتاوی میں [سنتیں] کی جگہ 'سنن' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وفي الحجّةِ : الإمامُ إذا فرغَ من الظّهر والمغرب والعشاء يشرع في السّنّة ، ولا يشتغلُ بأدعيةٍ طويلةٍ كذا في التّتارخانية. (الفتاوی الهندية : ۱/۷۷، كتاب الصّلاة ،الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الثّالث في سنن الصّلاة وآدابها وكيفيتها) ظفیرؔ

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

تاخیر نہ کرے(۱) اگر زیادہ اَوراد پڑھنے ہوں تو بعد سنت کے پورا کرلیوے، یہ بہتر ہے، اور امام اگر دیر تک بیٹھا پڑھتا رہے تو مقتدیوں کو اس کا اتباع لازم نہیں ہے، ان کو اختیار ہے کہ وہ خواہ فوراً یا کچھ پڑھ کر سنتیں پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۶۵-۱۶۶)

## مقتدی کا امام سے پہلے دعا مانگ کر چلا جانا کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۴۵) نماز پڑھ کر امام سے پہلے دعا مانگ کر بھاگ جانا کیسا ہے؟ (۴۲۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** بے شک یہ فعل اگر بلا ضرورت شرعی ہو تو خلاف سنت اور مکروہ ہے، اور اس کی عادت کر لینا گناہ ہے۔ قال علیه الصّلاة و السّلام: إنّما جعل الإمام لیؤتمّ به(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

**اضافہ:** في المشكاة عن أنس رضي الله عنه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم حضّهم على الصّلاة ونهاهم أن ينصرفوا قبل انصرافه من الصّلاة، رواه أبو داؤد. (مشكاة المصابيح، ص:۸۸، كتاب الصّلاة، باب الدّعاء في التّشهّد، الفصل الثّاني)

(۱) ويكره تأخير السّنّة إلّا بقدر اللّهمّ أنت السّلام إلخ، قال الحلواني: لابأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال، قال الحلبيّ: إن أريد بالكراهة التّنزيهيّة ارتفع الخلاف (الدّرّ المختار) فكان معناها انّ الأولٰى أن لا يقرأ قبل السّنّة ولو فعل لا بأس، فأفاد عدم سقوط السّنّة بذلك، حتّى إذا صلّى بعد الأوراد تقع سنّة لا على وجه السّنّة، ولذا قالوا: لو تكلّم بعد الفرض لا تسقط، لكن ثوابها أقلّ فلا أقلّ من كون قراءة الأوراد لا تسقطها إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۱۸-۱۱۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: هل يفارقه الملكان؟) ظفیرؔ

(۲) عن عائشة أمّ المؤمنين رضي الله عنها أنّها قالت: صلّى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم في بيته وهو شاكٍ، فصلّى جالسًا وصلّى وراءه قوم قيامًا، فأشار إليهم أن اجلسوا، فلمّا انصرف قال: إنما جعل الإمام ليوتمّ به الحديث. (صحيح البخاري: ۱/۹۵، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليوتمّ به، و فيه أيضًا عن أنس بن مالك رضي الله عنه: ۱/۵۵، كتاب الصّلاة، باب الصّلاة في السّطوح والمنبر والخشب)

مگر یہ بیٹھنے کا حکم نماز کے دوران تھا اور وہ بھی مرض وفات کے واقعہ سے منسوخ ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

وقدوة المشائخ شیخ عبد الحق دهلويؒ در أشعة اللّمعات: ص:۴۴۷. فرموده: ”نہی کرداز یں کہ برگردند پیش از برگشتن وے ﷺ از نماز خود چنانکہ پیشتر از حضرت سلام بدہند واز نماز برآیند یا بعداز سلام دادن پیشتر ازاں کہ آں حضرت برخیزد و برخیزند و بروند ومنتظر ذکر و دعا نشینند و نہی بر معنی اوّل تحریمی است و بر ثانی تنزیہی“ (۱) انتہی ۔جمیل الرحمٰن (۲/ ۱۶۸)

## بعد نماز لآ إله إلاّ الله بلند آواز سے کہنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۴۶) بعد جماعت فرضوں کے سلام پھیرتے ہی لآ إلٰه إلاّ الله بہ آواز بلند کہنا کیسا ہے؟ (۲۱۰۳/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** یہ بھی جائز ہے، لیکن خفیۃ پڑھنا افضل ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۱۶۹)

## سلام کے بعد والی دعا میں مقتدی کی شرکت کا حکم

**سوال:** (۳۴۷) مقتدی کو امام کے سلام کے بعد دعا میں اقتداء و شرکت ضروری ہے یا مستحب؟ (۱۰۵۴/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** مستحب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۱۹۰)

## نماز پنج گانہ کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا اور چہرے پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے

**سوال:** (۳۴۸) بعد نماز پنج گانہ دعا کے واسطے ہاتھ اٹھانا سنت ہے یا بدعت؟ زید نے دعا اس غرض سے ترک کردی کہ اس بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے، یہ فعل کیسا ہے؟ (۱۱۹۲/ ۱۳۴۲ھ)

---

(۱) أشعة اللّمعات: ص:۱/ ۲۰۸، کتاب الصّلاة ، باب الدّعاء في التّشهّد ، الفصل الثّاني .

(۲) وعن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم كان يقول في دبر كلّ صلاة مكتوبة: لآ إله إلاّ الله وحده لاشريك له الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۸۸، كتاب الصّلاة ، باب الذّكر بعد الصّلاة ، الفصل الأوّل) ظفیرؒ

الجواب: نماز پنج گانہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنت نبویہ ہے، حصن حصین جو معتبر کتاب حدیث کی ہے اس میں احادیث مرفوعہ دعا میں ہاتھ اٹھانے اور بعد دعا کے مُنہ پر ہاتھ پھیرنے کی موجود ہیں، ان کو دیکھ لیا جائے(۱) نمازوں کے بعد دعا کا مسنون ہونا بھی اس میں مذکور ہے(۲) پس زید کا یہ فعل ترک دعا بعد الصّلوات خلافِ سنت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۹۸-۱۹۹)

## امام کی دعا پر مقتدی ’آمین‘ کہے یا اپنی دعا مانگے؟

سوال:(۳۴۹) بعد جماعت کے جو دعا امام کے ساتھ مانگتے ہیں، اس میں آمین کہنا چاہیے یا جو مرضی ہو دعا مانگے؟(۳۰۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جو دعا چاہے مانگے، یہ ضرور نہیں کہ امام کی دعا پر آمین کہے(۳) فقط (۲/۲۰۱)

## عمامہ کے بغیر نماز پڑھنا درست ہے

سوال:(۳۵۰) رسول اللہ ﷺ سے یا علماء سے بدون عمامہ کے نماز پڑھنا ثابت ہے یا نہیں ہے؟(۸۴۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) عن مالك بن يسار رضي الله عنه قال:قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم:إذا سألتم اللّٰهَ فاسئلوه ببطون أكُفّكم ولا تسئلوه بظهورها، وفي رواية ابن عبّاس قال: سلوا اللّٰهَ ببطون أكُفّكم و لا تسئلوه بظهورها،فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم ، رواه أبوداؤد .

وعن عمر رضي الله عنه قال:كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم إذا رفع يديه في الدّعاء لم يحطّهما حتّى يمسح بهما وجهه ، رواه التّرمذي . (مشكاة المصابيح، ص:۱۹۵، كتاب الدّعوات ، الفصل الثّاني)ظفیرؒ

(۲) ودُبر الصّلوات المكتوبات ، ت، س (أي التّرمذي و النّسائي ) (الحصن الحصين : ص:۱۹، المنزل الأوّل ، بيان أحوال الإجابة ، المطبوعة : نول كشور ، لكهنؤ )

(۳) ثمّ يسلم إلخ مع الإمام إلخ ويدعو ويختم بسبحان ربّك (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۱- ۲۱۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، فصل كيفيّة صلاة )ظفیرؒ

**الجواب:** أو کلّکم یجد ثوبین (۱) وغیرہ احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ عمامہ ضروریات صلاۃ یا امامت سے نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۸)

## خشوع نہ ہونے کی صورت میں نماز کا اعادہ کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۵۱) اگر نماز میں خشوع نہ ہو اور اعادہ کرلے تو کچھ حرج تو نہیں؟ یا غیر اللہ کا خیال آنے سے نیت توڑ دے؟ نفل میں ایسا کرنا کیسا ہے؟ (۴۵۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** اعادہ نہ کرے، اور نیت بھی نہ توڑے، ایسا کرنے سے شیطان کو زیادہ موقع وسوسہ کا ملتا ہے، اس لیے نفل میں بھی نہ کرے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۷۵)

## ایک چٹائی پر مرد وعورت نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

**سوال:** (۳۵۲) ایک چٹائی پر مرد وعورت خواہ منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ برابر کھڑے ہو کر نماز ادا کریں، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ (۶۷۶/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اگر ہر ایک اپنی اپنی نماز علیحدہ پڑھتا ہے تو نماز صحیح ہے، مگر اجنبی عورت کے برابر کھڑا ہونا برا ہے (۳) اور اگر نماز میں شرکت ہے تو نماز نہ ہوگی۔ والتّفصیل في کتب

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نادى رجل النّبيَّ صلّى الله عليه وسلّم: فقال : أ يصلّي أحدنا في ثوب واحد؟ فقال: أو كلّكم يجد ثوبين . (الصّحيح لمسلم:۱/۱۹۸، كتاب الصّلاة ، باب الصّلاة في ثوب واحد وصفة لبسه)

(۲) فلو اشتغل قلبه بتفكّر مسئلة مثلاً في أثناء الأركان فلا تستحبّ الإعادة ،و قال البقّالي: لم ينقص أجره إلاّ إذا قصر. (ردّ المحتار: ۲/۸۵، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة ، مطلب في حضور القلب والخشوع) ظفیرؒ

(۳) فمحاذاة المصلّية لمصلّ ليس في صلاتها مكروهة لا مفسد (الدّرّ المختار) قوله: (ليس في صلاتها) بأن صلّيا منفردين أو مقتديا أحدهما بإمام لم يقتد به الآخر شرح المنية . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۷۳، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في الكلام على الصّفّ الأوّل) ظفیرؒ

الفقہ(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۱-۱۸۲)

## جو شخص قرآن نہ پڑھ سکتا ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟

سوال: (۳۵۳) جو شخص نماز نہ سیکھ سکے، وہ کیا کرے؟ (۱۰۶۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** قراءت سیکھنے کی کوشش کرتا رہے، اور افعال صلاۃ ادا کرتا رہے، اور چاہیے کہ امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہوکر نماز ادا کرے، جب قراءت وغیرہ سیکھ لے اس وقت نماز باقاعدہ پڑھے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۰۹)

---
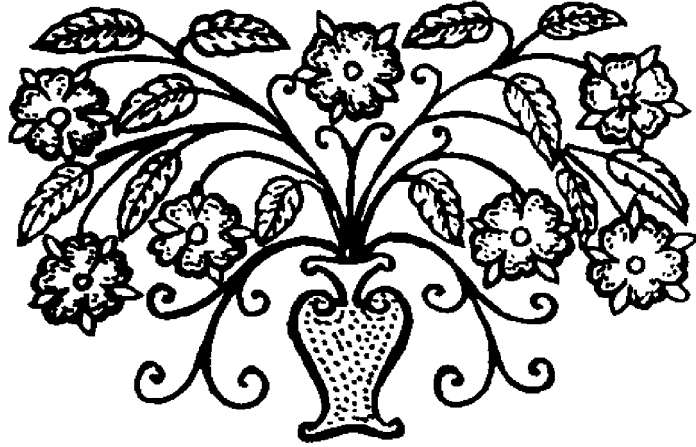
(۱) وإذا حاذته ولو بعضو واحد...... امرأة و لو أمة مشتهاة إلخ ولا حائل بينهما في صلاة إلخ مطلقة ...... مشتركة ...... تحريمة ...... وأداء إلخ فسدت صلاته . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۷۰-۲۷۴، باب الإمامة) ظفیرؔ

(۲) وذكر التّمرتاشيّ يجب أن لايترك الأمي اجتهاده آناء ليله و نهاره ليتعلّم قدر ما يجوز بهِ الصّلاة فإن قصر لم يعذّر عند الله تعالىٰ . (غنية المستملي، ص:۴۴۸، فصل في الإمامة)

ولايلزم العاجزعن النّطق كأخرس وأمي تحريك لسانهٖ وكذا في حقّ القراء ة هو الصّحيح لتعذّر الواجب فلا يلزم غيره إلّا بدليل ، فتكفي النّيّة لكن ينبغي أن يشترط فيها القيام . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۵۹-۱۶۰، كتاب الصّلاة ، باب آداب الصّلاة ، مطلب في حديث : الأذان جزم) ظفیرؔ

# نماز کے آداب

## تشہد کی حالت میں نگاہ کہاں رکھیں؟

**سوال:** (۳۵۴) تشہد کی حالت میں کس جگہ نگاہ رکھیں؟ (۱۰۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** آدابِ نماز میں سے ہے کہ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ نظر رکھے، اور حالت رکوع میں پشت قدم کی طرف، اور حالت سجود میں ناک کے کنارہ کی طرف، اور حالت قعود وتشہد میں اپنی گود کی طرف الخ (۱) (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۰۸-۲۰۹)

## بیٹھ کر نماز پڑھے تو حالت قعود ورکوع میں نگاہ کہاں رکھے؟

**سوال:** (۳۵۵) جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے وہ بیٹھنے کی حالت میں اپنی نظر کس جگہ رکھے؟ اور جب رکوع کرے تو کہاں نظر کرے؟ (۲) (۱۱۴۳/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے، بیٹھنے کی حالت میں اس کے لیے فقہاء نے یہ مستحب لکھا ہے کہ حجر کی طرف نظر کرے اور حجر کے معنی کئی ہیں، گود کے بھی ہیں اور پہلو وغیرہ کے ہیں، اور شامی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اپنا کرتہ وغیرہ جو سامنے ہے اس کو دیکھے، غرض یہ ہے کہ جس میں خشوع حاصل ہو اور ایک طرف نظر ہو اور ادھر ادھر نہ ہو وہ امر کرے، اور یہ بھی شامی میں ہے کہ اندھیرے میں اور نابینا

---

(۱) نظره إلى موضع سجوده حال قيامه وإلى ظهر قدميه حال ركوعه وإلى أرنبة أنفه حال سجوده وإلى حجره حال قعوده. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۴-۱۵۵، كتاب الصّلاة آداب الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

آدمی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا خیال کرے (۱) اس کے بعد واضح ہو کہ فقہاء نے بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے کے لیے بحالت رکوع کوئی مقام نظر کے لیے معین نہیں کیا، لہٰذا اس کے لیے یہی مستحب ہوگا کہ رکوع میں جہاں نظر پڑے وہیں نظر رکھے اور متوجہ الی اللہ ہو، اصل حکم یہی ہے کہ تمام نماز اس طرح پڑھے گویا اللہ کو دیکھتا ہے۔ کما ورد: أن تعبداللّٰہ کأنّك تراہ الحدیث(۲) (۲/۲۱۴-۲۱۵)

## نماز میں سجدہ افضل ہے یا قیام؟

**سوال:** (۳۵۶) نماز میں سجدہ افضل ہے یا نہیں؟ (۱۹۳/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** نماز میں سجدہ و رکوع و قیام سبھی فرض ہیں (۳) بعض اعتبار سے سجدہ افضل ہے، اور بعض اعتبار سے قیام افضل ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۵۱)

(۱) نظرہ إلی موضع سجودہ حال قیامہٖ إلخ و إلی حجرہٖ حال قعودہ (الدّر المختار) قولہ : (وإلی حجرہٖ )......ما بین یدیك من ثوبك قاموس، وقال أیضًا : الحجر مثلثة : المنع وحضن الإنسان ، والمناسب ھنا الأوّل لأنّہ فسرالحضن بما دون الإبط إلی الکشح أوالصّدر والعضدان إلخ، قولہ: (لتحصیل الخشوع)علّة للجمیع لأنّ المقصودالخشوع وترك التّکلّف إلخ، وإذا کان في الظّلام أو کان بصیرًا یحافظ علی عظمة اللّٰہ تعالٰی لأنّ المدار علیھا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۵۴-۱۵۵، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، آداب الصّلاة)ظفیرؒ

(۲) عن عمر بن الخطّاب رضي اللّٰہ عنہ ...... قال: فأخبرني عن الإحسان ، قال: أن تعبد اللّٰہ کأنّك تراہ الحدیث. (مشکاة المصابیح: ص:۱۱ ، کتاب الإیمان، الفصل الأوّل)

(۳) من فرائضھا الّتي لا تصحّ بدونھا التّحریمة قائمًا إلخ ، ومنھا القیام بحیث لو مدّ یدیہ لاینال رکبتیہ إلخ في فرض إلخ لقادر علیہ إلخ ، ومنھا القراء ة لقادر علیھا إلخ ، ومنھا الرّکوع إلخ ، ومنھا السّجود إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۲/۱۱۲-۱۱۹، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة )ظفیرؒ

(۴) وکثرة الرّکوع والسّجود أحبّ من طول القیام کما في المجتبیٰ إلخ وإن مذھب الإمام أفضلیة القیام. (أیضًا: ۲/۳۹۷-۳۹۸، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في السّنن والنّوافل)ظفیرؒ

# قراءت کا بیان

## اگر آمین اس طرح کہے کہ ایک دو آدمی سن لیں تو کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۵۷) اگر کوئی شخص نماز میں آمین ایسے طور سے کہے ایک دو آدمی قریب کے سن لیں، تو عندالاحناف نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ (۱۹۴۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** عندالحنفیہ آمین آہستہ کہنا سنت ہے، لیکن اگر ایک دو آدمی برابر کے سن لیں تو وہ جہر نہیں، وہ بھی آہستہ میں داخل ہے۔ **كما قال في درّ المختار: وأدنى المخافتة إسماع نفسه ومن بقربه ولو سمع رجل أو رجلان ؛ فليس بجهر إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۲/۲)

## بلند آواز سے آمین کہنا درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۳۵۸) (ہم)[2] مسلمانان حنفی نے پیش امام سے سوال کیا کہ کیا ہم حنفی بھی بہ آواز بلند آمین کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ ہاں کہہ سکتے ہو۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں؟ (۵۶۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** یہ جواب اس امام کا صحیح نہیں ہے جب کہ عندالحنفیہ آمین کو آہستہ کہنا اور اخفاء کرنا

---

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۲۳-۲۲۴، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة .**

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا ہے۔ ۱۲

سنت ہے تو امر خلاف سنت کا امر کرنا امام مذکور کو درست نہیں ہے اور حنفیوں کو یہ حکم ماننا اس امام کا درست نہیں ہے، بلکہ آمین آہستہ کہنی چاہیے، جیسا آیت: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (سورۂ اَعراف، آیت: ۵۵) اور حدیث اخفاء آمین سے ثابت ہے(۱) اور آمین بالجہر کی تاویل کی گئی ہے کہ یا بغرض تعلیم ہے کما ثبت عنه عليه السّلام الجهر بالقراء ة في بعض الصّلوات الّتي يقرأ فيها سرًّا، یا محمول ہے ابتداء پر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۰/۳)

## نمازوں میں آمین آہستہ کہنا مسنون ہے

سوال: (۳۵۹) آمین آہستہ کہنا مسنون ہے یا جہر سے؟ (۱۳۳۵/۲۴۶ھ)

**الجواب:** آمین آہستہ کہنا مسنون ہے حنفیہ کے نزدیک(۲) عن علقمة بن وائل رضي الله عنه عن أبيه: أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قرأ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾ فقال: آمين وخفض بها صوته، ولما اختلف في الحديث عدل صاحب الهداية إلى ما روى عن ابن مسعود أنّه كان يخفى فإنّه يفيد أنّ المعلوم منه عليه السّلام الإخفاء. قلت: مع أنّه الأصل في الدّعاء لقوله تعالىٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ ولا شكّ أن آمين دعاء، فعند التّعارض ترجّح الإخفاء بذٰلك و بالقياس على سائر الأذكار و الأدعية و لأن آمين ليس من القرآن إجماعًا، فلا ينبغي أن يكون فيه صوت القرآن كما لا يجوز كتابته في المصحف(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۷/۲)

---

(۱) عن وائل عن حجر رضي الله عنه قال: صلّى بنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، فلمّا قرأ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾ قال: آمين، وأخفىٰ بها صوته الحديث. (آثار السّنن: ۹۶/۱، كتاب الصّلاة، باب ترك الجهر بالتّأمين، المطبوعة: أحسن المطابع، عظيم آباد) ظفیرؒ

(۲) وأمّن ...... الإمام سرًّا كمأموم ومنفرد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۱/۲-۱۷۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: قراء ة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن) ظفیرؒ

(۳) اس عبارت کا حوالہ ہمیں نہیں ملا۔

## بلند آواز سے آمین کہنا مسنون نہیں

**سوال:** (۳۶۰) آمین آواز سے کہنا کیسا ہے؟ (۳۲/۵-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** آمین بالجہر حنفیہ کے نزدیک مسنون نہیں ہے[1] جیسا کہ قرآن شریف میں ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ (سورۂ اَعراف، آیت: ۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۶)

## آمین اور تحمید میں جہر کرنا خلاف سنت ہے

**سوال:** (۳۶۱) اگر کوئی مقتدی حنفی آمین بالجہر کہے یا ربّنا لك الحمد بلند آواز سے کہے، تو نماز اس کی بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۷۲۵ھ)

**الجواب:** قال في الدّرّ المختار في بيان سنن الصّلاة : والثّناء والتّعوّذ ، والتّسمية ، والتّأمين وكونهنّ سرًّا إلخ[2] وفيه أيضًا: وكذا بالتّسميع والسّلام، وأمّا المؤتمّ والمنفرد فيسمع نفسه إلخ[2] وفيه أيضًا: ترك السّنّة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا بل إساءة إلخ ، وقالوا: الإساءة أدون من الكراهة[3] وفي الشّامي: الإساءة أفحش من الكراهة إلخ[3] ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ جہر بالتامین والتحمید عند الحنفیہ خلاف سنت ہے، اور مرتکب اس کا مسیئ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۱۹۷-۱۹۸)

## آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے آمین بالجہر و بالاخفاء ثابت ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۳۶۲) رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ سے آمین بالجہر و آمین بالاخفاء ثابت ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۷۰۴ھ)

---

(۱) حوالہ اگلے جواب میں آرہا ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۱-۱۵۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في التّبليغ خلف الإمام .

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۴۹-۱۵۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في قولهم الإساءة دون الكراهة .

**الجواب:** احادیث میں آمین بالجہر اور آمین بالاخفاء دونوں مروی ہیں، (صحابہ) (۱) اور ائمہ مجتہدین میں بعض نے آمین بالجہر کو راجح فرمایا ہے، اور بعض نے آمین بالسر کو راجح فرمایا (۲) چنانچہ امام ابوحنیفہؒ آمین بالسر کو سنت فرماتے ہیں، اور آمین بالجہر کو تعلیم اور ضرورت پر محمول فرماتے ہیں، جیسا کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے نماز سری میں کوئی آیت جہر سے پڑھی کہ مقتدیوں کو معلوم ہوجاوے کہ آپ فلاں سورت پڑھ رہے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تائید آیت قرآنی سے بھی ہوتی ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۵۵) والبحث فيه طويل (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۶۲-۲۶۳)

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) عن وائل بن حجر رضي الله عنه قال : كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم إذا قرأ: ﴿ولا الضّالين﴾ قال : آمين ، رفع بها صوته . رواه أبو داؤد والتّرمذيّ وآخرون وهو حديث مضطرب .

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : كان النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم إذا فرغ من قراءة أمّ القرآن رفع صوته ، وقال : آمين . رواه الدّار قطني و الحاكم وفي إسناده لينٌ. (آثار السّنن:۱/۹۲-۹۳، باب الجهر بالتّأمين)

قال عطاء : آمين دعاء ، وقد قال الله تعالىٰ :﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلّى الله عليه و سلّم يعلّمنا يقول : لا تبادروا الإمام إذا كبّر فكبّروا وإذا قال:﴿ولا الضّالّين﴾ فقولوا : آمين ، وإذا ركع فاركعوا إلخ ، رواه مسلم.قال النّيموي: يستفاد منه أنّ الإمام لايجهر بآمين .(آثار السّنن:۱/۹۴-۹۵)

وعن وائل بن حجر رضي الله عنه قال: صلّى بنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فلمّا قرأ : ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضّالّين﴾ قال : آمين و أخفى بها صوته ...... رواه أحمد والتّرمذيّ و أبو اداؤد ............ وآخرون وإسناده صحيح وفي متنه اضطراب. (آثار السّنن: ۱/۹۶-۹۹، باب ترك الجهر بالتّأمين ، المطبوعة : أحسن المطابع، عظيم آباد) ظفیر

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں 'طویل' کے بعد فاكتف على هٰذا الدّليل ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں یہ عبارت نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

# آمین بالجہر وبالسر کی تحقیق

سوال: (۳۶۳) آمین بالجہر اور بالاخفاء میں تحقیق کیا ہے؟ اور اگر غیر مقلدین آمین بالجہر کہیں تو حنفیوں کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے یا نہیں؟ اور اس (کے)(۱) بارے میں حنفیوں اور غیر مقلدوں میں ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد بانٹ دی جاوے؛ غیر مقلدین ہماری مسجد میں نہ آویں، اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مسجدیں نہ بانٹی جائیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

(۱۳۳۴/۱۲۱۴-۳۲ھ)

**الجواب:** حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ آمین کو آہستہ کہنا چاہیے، فقہائے حنفیہ اخفائے آمین کو مسنون فرماتے ہیں، اور حدیث میں اخفائے آمین بھی وارد ہوا ہے۔ شرح منیہ میں ہے: وقد روي أحمد وأبويعلى والطّبرانيّ والدّار قطني والحاكم في المستدرك من حديث شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر بن العنبس عن علقمة بن وائل عن أبيه: أنّه صلّى مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، فلمّا بلغ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾ قال: 'آمين' وأخفى بها صوته، وقال الشّافعيّ وأحمدؒ: يجهر الإمام والمأموم بـ' آمين'، لما روى ابن ماجة: كان عليه الصّلاة والسّلام إذا تلا: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾ قال: 'آمين'، حتّى يسمع من في الصّفّ الأوّل فيرتجّ المسجد، قلنا: تعارض روايتا الجهر و الإخفاء في فعله، فيرجّح الإخفاء بإشارة قوله: ' فإنّ الإمام يقولها ' و بأنّه الأصل في الدّعاء، وآمين دعاء فإن معناه استجب إلخ (۲) اس عبارت سے واضح ہے کہ علمائے حنفیہ حدیث اخفائے آمین کو ترجیح دیتے ہیں، اور ان کے نزدیک سنت اخفائے آمین ہے، مگر چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے لہٰذا حنفیہ کو بھی تعصب نہ کرنا چاہیے، غیر مقلدین کے آمین بالجہر کہنے سے حنفیوں کی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا، لیکن غیر مقلدوں کو بھی تعصب نہ کرنا چاہیے، ہرگاہ اخفائے آمین بھی حدیث شریف میں وارد ہے، اور وہ راجح بھی ہے، تو اپنے خیال پر ہٹ کیوں کرتے ہیں؟

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) غنية المستملي، ص:۲۶۹، فصل في صفة الصّلاة.

رہا یہ کہ حنفیہ کی مسجدوں میں غیر مقلدین کا آنا اگر موجب فساد وفتنہ ہو، تو ان کو روک دیا جاوے کہ حنفیوں کی مسجدوں میں نماز نہ پڑھیں جیسا کہ روافض کو روک سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۰-۲۱۱)

## آمین بالسر کی حدیث کس درجہ کی ہے؟

**سوال:** (۳۶۴) مخالفین کہتے ہیں کہ احادیث آمین بالخفاء معلول ومجروح [معلوم ہوتی] (۱) ہیں، لہٰذا آمین بالجہر کہنا اولیٰ ہے، اور کہتے ہیں کہ خود حنفیہ نے کہا ہے کہ آمین بالجہر احادیث قویہ سے ثابت ہے، اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟ امید کہ کوئی حدیث قوی تحریر فرمائیں، اور باعث ترجیح بھی تحریر فرمائیں۔ (۱۹۷۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** حدیثیں دونوں طرح کی موجود ہیں، یعنی اخفاء وجہر دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں، لیکن احادیث اخفاء کو ترجیح ہے بہ سبب قول اللہ تعالیٰ کے ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً الآية﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۵۵) اور حدیث صحیح بھی موجود ہے: إنکم لا تدعون أصمّ ولا غائبًا (۲) اور فرمایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے: أربع یخفیهنّ الإمام وذکر من جملتها التّعوّذ والتّسمية وآمین (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۹)

## فرائض میں آمین اور دوسرے دعائیہ کلمات کا سورتوں کے آخر میں کہنا درست نہیں

**سوال:** (۳۶۵) علاوہ آخر سورۂ فاتحہ میں آمین بہ [صوتِ] (۴) خفی کہنے کے سورۂ بقرہ کے

---

(۱) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ اور درست کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) عن أبي موسی الأشعريّ رضي اللہ عنه قال: کنّا مع رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم في سفر فجعل النّاس یجهرون بالتّکبیر، فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم: یا أیها النّاس! أربعوا علی أنفسکم إنّکم لا تدعون الحدیث. (مشکاۃ المصابیح، ص:۲۰۱، کتاب أسماء اللہ تعالیٰ، باب ثواب التّسبیح والتّحمید إلخ، الفصل الأوّل.

(۳) الهدایة:۱/۱۰۳، کتاب الصّلاۃ، باب صفة الصّلاۃ.

(۴) مطبوعہ فتاوی میں [صوت] کی جگہ ''صورت'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

آخر میں آمین، بنی اسرائیل کے آخر میں تکبیر، سورۂ مُلك کے آخر میں اللّٰھمّ ربّنا و ربّ العالمین، سورۂ قیامة والمرسلات والتّین کے (اواخر)[1] میں کلمات مشہورہ مسنونہ، سورۂ والضّحٰی سے آخر قرآن تک ہر سورت کے آخر میں تکبیر، بعض آیات کے آخر میں کچھ الفاظ بہ طریق مسنون اثنائے تلاوت کہے جاتے ہیں، جیسے سورۂ طٰہٰ میں ﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اللّٰھمّ زدني علمًا و إیمانًا و یقینًا فرمایا کرتے تھے[2] وغیرہ وغیرہ، پس نماز ہائے فریضہ ونافلہ میں امام ومنفرد یہ کلمات عندالاحناف آہستہ مثل آمین سورۂ فاتحہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۶۲۷/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** عند الحنفیہ یہ اذکار نوافل میں یا منفرداً خارج عن الصلاۃ پر محمول ہیں، فرائض و جماعت نفل میں درست نہیں ہے۔ کذا في شرح المنیة: لا بأس للمتطوّع المنفرد أن یتعوّذ بـاللّٰـه من النّار إلخ وإن کان المصلّي المنفرد في الفرض یکره له ذٰلك إلخ ، وأمّا الإمام والمقتدي فلا یفعل ذلك السّوال والتّعوّذ لا في الفرض ولا في النّفل إلخ[3] (صفحہ: ۳۴۵ شرح منیہ کبیری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۲۵)

## آیات کا جواب نماز میں دینا درست نہیں

**سوال:** (۳۶۶) غیر مقلد جو آیات کا جواب دیتے ہیں مثلاً سبّح اسم ربّك الأعلٰی کا جواب سبحان ربّي الأعلی دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** مذکورہ فی السوال کا جواب عندالحنفیہ نماز میں دینا جائز نہیں ہے، جواب نہ دینا چاہیے البتہ خارج نماز سے اگر کوئی آیت مذکورہ پڑھے تو جواب دینا مسنون ومستحب ہے، اور حضور سرور عالم

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (اواخر) کی جگہ ''آخر'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وکان ابن مسعود رضي اللّٰه عنه إذا قرأ هذه الآیة قال : اللّٰهم زدني إیمانًا و یقینًا . (معالم التنزیل : ۳/ ۲۱ ، تفسیر سورة طه ، الآیة : ۱۱۴)

(۳) غنیة المستملي، ص: ۳۱۱ ، فصل في صفة الصّلاة .

ﷺ سے اکثر یہ جوابات خارج صلاۃ میں ہی منقول ہیں(۱) نماز میں اگر کہیں وارد ہے تو وہ تعلیم کے لیے ہے یا ابتدائے اسلام میں تھا جب تک کہ نماز میں زیادہ قیود نہ تھے، مثلاً باتیں کر لیتے تھے، اپنی چھوٹی ہوئی رکعتیں جلدی پڑھ کر امام سے مل جاتے تھے وغیرہ وغیرہ، رفتہ رفتہ یہ امور ممنوع ہوگئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۴-۲۵۵)

## بلند آواز سے آمین کہنے والے کی جماعت میں شرکت کا حکم

سوال: (۳۶۷) ہم مذہب حنفی کے ہمراہ شامل صف نماز ہوکر کسی شخص کا پکار کے آمین کہنا ہمارے لیے موجب فساد نماز یا کراہت نماز ہے یا نہیں؟ اگر باعث کراہت ہے تو کونسی کتاب میں لکھا ہے؟ (۲۱۰۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: فساد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۹۶)

## آمین بالجہر اور رفع یدین سنت ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۶۸) آمین بالجہر و رفع یدین سنت ہے کہ نہیں؟ (۲۱۰۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک یہ سنت نہیں، بلکہ آہستہ آمین کہنا اور رفع یدین نہ کرنا سنت ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۹۶)

---

(۱) عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان إذا قرأ " سبّح اسم ربّك الأعلىٰ" قال : سبحان ربّي الأعلىٰ ، رواه أحمد و أبو داؤد. ( مشكاة المصابيح: ۸۱، كتاب الصّلاة ، باب القراءة في الصّلاة ، الفصل الثّاني)

قال المظهر: عند الشّافعي يجوز مثل هذه الأشياء في الصّلاة وغيرها ، و عند أبي حنيفة لا يجوز إلّا في غيرها، قال التّورپشتي وكذا عند مالك يجوز في النّوافل اهـ.(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/۵۳۹، كتاب الصّلاة ، باب القراءة في الصّلاة ، الفصل الأوّل، رقم الحديث:۸۵۹)

(۲) وأمّن......الإمام سرًّا كمأموم ومنفرد إلخ (۲/۱۷۱-۱۷۲) وفيه أيضًا: ولا يسنّ......رفع يديه إلّا في......تكبيرة افتتاح إلخ .(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۱۸۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة) ظفیرؔ

## بلند آواز سے آمین کہنے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال: (۳۶۹) بعض معلم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے بعد آمین پکارنا ناجائز ہے، اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی ناجائز ہے، جو حکم شرعًا ہو تحریر فرماویں، اور ہاتھ کہاں باندھیں؟
(۱۲۸۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: امام کے پیچھے بے شک سورۂ فاتحہ نہ پڑھنی چاہیے، جیسا کہ حدیث صحیح مسلم میں ہے: وإذا قرأ فأنصتوا [۱] کہ جب امام پڑھے تم چپ رہو، اور ہاتھ زیر ناف باندھے، کما ظاهر في الحديث اور آمین بالجہر نہ کہیں، آہستہ کہیں لأنّه دعاء، والدّعاء بالإخفاء، قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۹)

## فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تحقیق

سوال: (۳۷۰) (کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین) [۲] مندرجہ ذیل طریق سے نماز پڑھنے کے بارے میں از روئے قرآن وحدیث وفعل صحابہ رضی اللہ عنہم:

(الف) خلف امام سورہ فاتحہ پڑھنا۔

(ب) آمین بلند آواز سے پکارنا۔

(ج) رفع یدین کرنا۔

(د) ہاتھ سینہ پر باندھنا، بیّنوا توجروا (۱۳۷۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف) امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا نص قطعی اور احادیث صحیحہ سے ممنوع ہے، قرآن شریف میں ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا الآية﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴) اور حدیث مسلم میں ہے: وإذا قرأ فأنصتوا [۱] اور دوسری روایات میں

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔

من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة الحديث (۱) أو كما قال صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

(ب) آمین میں اخفاء مسنون و مستحب ہے، اگر چہ پکار کر کہنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے، لیکن طریق سنت یہ ہے کہ آمین کو آہستہ کہا جائے، لأنّه دعاء و قال اللّٰه تعالىٰ : ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ﴾ (سورہ اعراف، آیت:۵۵) والأحاديث متعارضة فتعيّن المصير إلى الأصل وهو الإخفاء(۲)

(ج) رفع یدین سوائے تکبیر افتتاح کے منسوخ ہو گیا ہے، جیسا کہ روایت كان فترك (۳) اس پر دال ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: عن علقمة قال: قال لنا ابن مسعود رضي اللّه عنه: ألا أصلّي بكم صلاةَ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ؟ فصلّى ، ولم يرفع يديه إلّا مرّة واحدة مع تكبير الافتتاح (۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر فعل آپ کا ترک رفع یدین ہے سوائے تکبیر افتتاح کے۔

(د) ہاتھ نیچے ناف کے باندھنے چاہئیں، قال في الهداية : ويعتمد بيده اليمنىٰ على اليسرىٰ تحت السّرّة لقوله عليه السّلام: إنّ من السّنّة وضع اليمين على الشّمال تحت السّرّة إلخ ، ولأن الوضع تحت السّرّة أقرب إلى التّعظيم (۵) وفي حديث إبراهيم النّخعيّ ما يدلّ عليه روى أبو حنيفة عن حمّاد عن إبراهيم النّخعيّ أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم

---

(۱) عن جابر رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة. (آثار السّنن۱/ ۸۷، كتاب الصّلاة ، باب في ترك القراء ة خلف الإمام في الجهريّة)

(۲) تعارض روايتا الجهر و الإخفاء في فعله ، فيرجّح الإخفاء بإشارة قوله فإن الإمام يقولها و بأنّه الأصل في الدّعاء و آمين دعاء فإن معناه استجب. (غنية المستملي ، ص:۲۶۹، فصل في صفة الصّلاة)

(۳) اس روایت کا حوالہ ہمیں نہیں ملا۔

(۴) مشكاة المصابيح، ص:۷۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، الفصل الثّالث .

(۵) الهداية:۱/۱۰۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة .

کان یعتمد بیده الیمنیٰ علی الیسریٰ تواضعًا إلخ[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۷-۱۸۸)

سوال: (۳۷۱) آمین بالجہر اور فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین حنفیہ کے نزدیک جائز ہے یانہیں؟ اور اُن مسائل میں حنفیہ کے دلائل کیا ہیں؟[۲] (۱۵۷۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (۱) آمین بالجہر (۲) اور فاتحہ خلف الامام (۳) اور رفع یدین عندالحنفیہ جائز نہیں، اور دلائل ان مسائل کے حنفیہ کے پاس بہت ہیں، اور آیات اور احادیث اس بارے میں موجود ہیں جو بہت سی کتابوں اور رسالوں میں شائع ہوچکی ہیں، آمین کے بارے میں وأخفیٰ بها صوته[۳] وارد ہے، اور قراءت خلف الامام کی ممانعت میں وإذا قرأ فأنصتوا، مسلم کی روایت میں موجود ہے[۴] اور رفع یدین کے بارے میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے، قال لنا ابن مسعود رضي الله عنه: ألا أصلّي بكم صلاةَ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم؟ فصلّى، ولم يرفع يديه إلّا مرّة واحدة مع تكبير الافتتاح[۵] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۲)

## امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں

سوال: (۳۷۲) قراءت خلف الامام میں کیا قول ہے؟ (۲۴۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک امام کے پیچھے قراءت فاتحہ جائز نہیں ہے۔ عن أنس رضي الله عنه قال: صلّى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ثمّ أقبل بوجهه، فقال: أتقرؤون

---

(۱) تلاش بسیار کے باوجود ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ ہدایہ کے حاشیہ میں ہے: بدليل ما روى أبو حنيفة عن حمّاد عن إبراهيم النّخعي أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم أمرنا أن نأخذ شمائلنا بأيماننا، فحينئذ يكون الحديث موافقًا للمدّعىٰ. (الهداية مع الدّراية: ۱/۱۰۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، رقم الهامش: ۱۸)

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۴) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۵) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۰) کے چھٹے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

والإمام یقرأ ؛ فسکتوا، فسألهم ثلاثًا، فقالوا: إنّا لنفعل هذا ، قال : فلا تفعلوا. قال عليّ رضي اللّٰه عنه:من قرأ خلف الإمام فلیس علی الفطرة. عن عبد اللّٰه بن دینار عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: یکفیك قراء ة الإمام. (قال أبو جعفر: ) فهٰؤُلآء جماعة من أصحاب رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم، قد أجمعوا علیٰ ترك القراء ة خلف الإمام[1]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۷،اور۲/۲۵۳)(۲)

سوال:(۳۷۳)امام کے پیچھے قراءت جائز ہے یانہیں؟(۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مذہب میں (امام کے پیچھے)(۳) مقتدیوں کوسورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھناممنوع ہے(۴) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ضروری فرماتے ہیں،مگر حنفیوں کوامام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب اس بارے میں اختیار کرنا جائز نہیں ہے،حدیث مسلم شریف میں (ہے) (۳):وإذا قرأ فأنصتوا (۵) یعنی جب امام پڑھے تو چپ رہو،دوسری حدیث میں ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے(۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۶)

سوال:(۳۷۴)امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا کیا حکم ہے؟(۳۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** امام کے پیچھے الحمد اورسورت کچھ نہ پڑھنی چاہیے،جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

---

(۱) شرح معاني الآثار:۱/۱۵۹-۱۶۰ کتاب الصّلاة ، باب القراء ة خلف الإمام .

(۲) یہ سوال و جواب اور مطبوعہ فتاوی جلد۲/۲۵۳،سوال نمبر:۴۶۹ کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے ایک کو حذف کردیا ہے۔

(۳) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۴) والمؤتم لا یقرأ مطلقًا ولا الفاتحة في السّریّة اتّفاقًا ...... فإن قرأ کره تحریمًا ...... بل یستمع إذا جهر ، و ینصت إذا أسر لقول أبي هریرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه کنّا نقرأ خلف الإمام فنزل:﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾(الدّرّالمختارمع ردّالمحتار: ۲/۲۳۵-۲۳۶ کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : السّنّة تکون سنّة عین وسنّة کفایة)ظفیرؔ

(۵) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کےسوال:(۳۷۸) کے حاشیہ نمبر:۱میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۶) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کےسوال:(۳۷۰) کے تیسرے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

وإذا قرأ فأنصتوا (۱) اور دوسری حدیث میں ہے: من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة (۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۶/۲)

سوال: (۳۷۵) امام کے پیچھے الحمد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہاتھ تحت السرّۃ یا فوق السرّۃ باندھنا چاہیے؟ تحت السرّۃ باندھنے پر بعض غیر مقلدین اعتراض وطعن کرتے ہیں۔
(۱۳۳۳-۳۲/۴۲۹ھ)

الجواب: امام کے پیچھے الحمد وغیرہ جملہ قراءت کی ممانعت قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴) وفي حدیث مسلم: و إذا قرأ فأنصتوا الحدیث (۱) اور حدیث صحیح ہے: من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة (۲)

اور فوق السرّۃ اور تحت السرّۃ ہاتھ باندھنے کی دونوں طرح کی حدیث موجود ہیں، کسی امام نے کسی پر عمل کیا اور کسی نے کسی پر، اعتراض کسی پر نہیں ہوسکتا، ایضاح الادلہ منگا کر اس میں یہ سب مسائل (۳) اور ان کی احادیث دیکھ لیجیے (مولوی سید اصغر حسین صاحب مدرس مدرسہ دیوبند سے بہ ذریعہ وی پی طلب فرمالیجیے) (۴) بہت کام کی کتاب ہے، اور غیر مقلدوں کے جواب میں بے مثل ہے، ہر ایک مسئلہ خلافی میں احادیث نقل کی ہے، اور امام صاحب کی مؤید احادیث مفصل نقل فرمائی ہیں (۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۷/۲)

---

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۲) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۰) کے تیسرے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں 'مسائل' کے بعد 'موجود ہیں' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'موجود ہیں' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

(۴) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۵) ایضاح الادلہ (مطبوعہ: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، ص: ۹۱-۱۱۲ بہ عنوان: 'نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟') میں یہ بحث مع دلائل عقلیہ ونقلیہ مفصل موجود ہے، ملاحظہ فرمالیں۔۱۲

**سوال:** (۳۷۶) مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کرنے کا کیا حکم ہے؟ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ بغیر فاتحہ کے نماز مقتدی کی نہیں ہوتی، اور بعض صاحب فرماتے ہیں کہ امام کی قراءت مقتدی کو کافی ہے، صحیح کیا بات ہے؟ اور مقتدی کو قراءت کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۱۱۷۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ امام کی قراءت مقتدی کو کافی ہے ان کا قول صحیح ہے، مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کرنا نہ چاہیے، امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے، حدیث شریف میں ہے: **من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة** [۱] دوسری حدیث میں ہے: **وإذا قرأ فأنصتوا إلخ** [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۰/۲)

**سوال:** (۳۷۷) قراءت فاتحہ خلف الامام جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو کیا دلیل ہے؟
(۶۹۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** قراءت فاتحہ خلف الامام نزد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جائز نیست، **لقوله عليه السّلام: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة** [۱] **(رواه الطّحاوي والإمام محمّد في موطّاه و إسناده صحيح كما في آثار السّنن)** [۳] **وقوله عليه السّلام: إذا قرأ فأنصتوا الحديث. رواه مسلم وغيره** [۲] واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند [۴]
(۲۶۷/۲)

---

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۰) کے تیسرے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲
(۲) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ۱ میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲
(۳) قوسین کے درمیان جو عبارت ہے وہ مفتی ظفیر الدین نے بڑھائی ہے؛ رجسٹر میں نہیں ہے۔
(۴) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدین نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے:

**ويكره عندهما لما فيه من الوعيد و يستمع وينصت (الهداية: ۱/۱۲۱، قبيل باب الإمامة)**

**قال العلّامة بدر الدّين العيني في شرح الهداية: وفي شرح التّأويلات عن سعد بن أبي وقّاصؓ مَن قرأ خلف الإمام لا صلاة له، و روى أيضًا نهى عن ذلك جماعة من الصّحابةؓ (البناية شرح الهداية: ۱/۱۲۷-۱۳۷ كتاب الصلاة، فصل في القراءة، المطبوعة: منشي نول كشور).** جمیل الرحمٰن

ترجمہ: الجواب: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے کہ جس کے لیے امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے، اور آنحضرت ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اس کو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (۳۷۸)......(الف) کسی حدیث سے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا قراءت فاتحہ خلف الامام کو منع کرنا؟

(ب) رسول اللہ ﷺ کا نماز میں آمین آہستہ کہنا یا خدا تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کا آمین بالجہر سے منع کرنا؟

(ج) رسول اللہ ﷺ کا نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا یا سینہ پر ہاتھ باندھنے سے منع کرنا؟

(د) رسول اللہ ﷺ کا وتروں میں رفع یدین کرنا یا کرنے کی اجازت دینا؟

(۱۳۱۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف) اللہ تعالیٰ نے بھی منع فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی، قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (سورہ اعراف، آیت:۲۰۴) وفي حديث مسلم: و إذا قرأ فأنصتوا[1]

(ب) اخفائے آمین کا حکم اوّلاً قرآن شریف سے مفہوم ہوتا ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۵۵) اور حدیث کے الفاظ: وخفض وأخفى به صوته[2] وغیرہ وارد ہیں،

(۱) وفي حديث جرير عن سليمان عن قتادة من الزّيادة: وإذا قرأ فأنصتوا. (الصّحيح لمسلم: ۱/۱۷۴، كتاب الصّلاة، باب التّشهّد في الصّلاة ومشكاة المصابيح، ص:۷۹، باب القراءة في الصّلاة، الفصل الأوّل)

(۲) عن علقمة بن وائل عن أبيه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قرأ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾ آمين، و خفض بها صوته (جامع التّرمذي: ۱/۵۸، أبواب الصّلاة، باب ما جاء في التّامين)

وعن وائل عن حجر رضي الله عنه قال: صلّى بنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، فلمّا قرأ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ قال: آمين، ==

جونص ہیں اخفائے آمین پر، اورروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو ہدایہ میں مذکور ہے وہ بھی اخفائے آمین پر دال ہے(۱) اورشرح منیہ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اخفائے آمین کے سنت ہونے میں مذکور ہے(۲)۔

(ج) وذكر عن عليّ من السّنّة في الصّلاة وضع الكفّ على الكفّ ...... تحت السّرّة ، رواه أبوداؤد وأحمد و اللّفظ له (۳) پس سنت کہنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وضع الكفّ على الكفّ تحت السّرّة کودال ہے اس پر کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(د) قال ابن قدامة في المغني: وقد روي عن ابن عمر أنّه كان إذا فرغ عن القراءة كبّر ، وفي الذّخيرة : رفع يديه حذاء أذنيه ، وهو مروي عن ابن مسعود وابن عمر وابن عبّاس وأبي عبيدة إلخ ، وقال قبيله: فإنّ ذلك مروي عن عليّ وابن عمر والبراء بن عازب والقياس يدلّ عليه فإنّ التّكبير للفصل والانتقال من حال إلى حال إلخ (۴)

پس معلوم ہوا کہ وتر کی تیسری رکعت میں بعد قراءت کے تکبیر کہنا اوررفع یدین کرنا عبداللہ بن مسعوداورابن عباس اورابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت ہے، پس لامحالہ ان حضرات صحابہ کرام

---

== وأخفٰى بها صوته الحديث. (آثار السّنن : ۱/۹٦، كتاب الصّلاة ، باب ترك الجهر بالتّأمين ، المطبوعة : أحسن المطابع، عظيم آباد)

(۱) لقول ابن مسعود رضي الله عنه أربع يخفيهنّ الإمام و ذكر من جملتها التّعوّذ والتّسمية وآمين .(هداية:۱/۱۰۳، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة)

(۲) عن علقمة بن وائل عن أبيه أنّه صلّى مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فلمّا بلغ : ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾قال: آمين ، وأخفٰى بها صوته. (غنية المستملي ، ص:۲٦۹، فصل في صفة الصّلاة)

(۳) غنية المستملي،ص:۲٦۲، فصل في صفة الصّلاة .

وعن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يضع يمينه علٰى شمالهٖ تحت السّرّة ، رواه ابن أبي شيبة وإسناده صحيح . (آثار السّنن: ۱/٦۹،كتاب الصّلاة ، باب في وضع اليدين تحت السّرّة)ظفیرؔ

(۴) غنية المستملي،ص:۳٦۱، بحث الوتر .

رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر ایسا کیا (ہوگا) (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۱۸۵-۱۸۷)

## سری نماز میں بھی مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے

**سوال:** (۳۷۹) قراءت سری میں امام کے پیچھے الحمد کا پڑھنا امام اعظمؒ کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ (۲۱۹۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** بہ حکم إذا قرأ فأنصتوا (۲) مقتدی کو امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھنا چاہیے، خواہ نماز جہری ہو یا سری (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۲)

## فاتحہ خلف الامام بہ قصد ثنا پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۳۸۰) فلو قرأ المقتدي لزم له قراء تان، وهو غير معهود في الشّرع ، وهٰذا إنّما يتمّ لو قرأ على نيّة الثّناء، أمّا لو قرأ الفاتحة على نيّة الثّناء فيخرج عن القرآنية، فلا يلزم قراء تان كما نقول: لو قرأ الفاتحة في صلاة الجنازة على نيّة الدّعاء لا بأس بهٖ إلخ (ارکان اربعہ، صفحہ:۱۰۲) جواب طلب یہ امر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فاتحہ خلف الامام، صلاۃ خمسہ میں بہ قصد دعا وثناء مثل صلاۃ جنازہ پڑھنا کس طرح منع ہے؟ بحر العلوم نے ارکان اربعہ میں جائز لکھا ہے، کیا حنفیہ اس کو مان لیں گے؟ تو وہابیہ سے کس طرح خلاصی پائیں؟ (۲۴۸۸/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** قال في الدّرّ المختار: والمؤتم لا يقرأ مطلقًا ولا الفاتحة في السّريّة اتّفاقًا وما نسب لمحمّد ضعيف كما بسطه الكمال فإن قرأ كره تحريمًا ، وتصحّ في الأصحّ وفي درر البحار عن مبسوط خواهر زاده أنّها تفسد ويكون فاسقًا وهو مرويّ عن عدّة

(۱) 'ہوگا' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲
(۲) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲
(۳) اس کا حوالہ کتاب الصلاۃ کے سوال (۳۸۰) کے جواب میں آرہا ہے۔۱۲

مـن الصّحابة فالمنع أحوط[۱](الدّرّ المختار ) وفي الشّامي: قوله: (مرويّ عن عدّة من الصّحابة)قال في الخزائن وفي الكافي:ومنع المؤتم من القراء ة ماثورعن ثمانين نفرًا من كبـار الصّحابة منهم المرتضٰی والعبادلة إلخ [۱] وفيـه قبيله: وقد روی الفساد بالقراء ة عن عدّة من الصّحابة، فأقواهما المنع[۱](شامی) پس معلوم ہوا کہ عندالحنفیہ کسی طرح اجازت قراءت فاتحہ کی امام کے پیچھے نہیں ہے کہ اس میں خوف فساد صلاۃ ہے۔ کـمـا روی عـن عدّة من الـصّحابة ، قاله الكمال. اور جنازہ چونکہ محل دعا ہے تو اس میں بہ نیت ثناء جواز ہوسکتا ہے، اور صلاۃ خمسہ محل قراءت ہیں، اس لیے احوط یہ ہے کہ کسی طرح فاتحہ خلف امام نہ پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۲۳۱-۲۳۰/۲)

## فاتحہ خلف الامام، رفع یدین اور آمین بالجہر پر بزرگان دین میں سے کسی نے عمل کیا ہے؟

سوال: (۳۸۱) بزرگانِ دین میں سے کسی نے فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین وآمین بالجہر کے مسائل پر عمل کیا ہے یا نہیں؟ (۱۳۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: بعض نے کیا ہے، مگر اکثر صحابہ وتابعین وتبع تابعین کا عمل اس کے خلاف ہے، اور خود احادیث مرفوعہ بھی اس کے خلاف وارد ہیں (۲)

{اس کا جواب اگر مفصل ومشرح دیکھنا ہو تو هـداية الـمعتدي في قراء ة المقتدي اور سبيل الرّشاد مصنفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ملاحظہ فرمایئے}(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۳/۲)

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۵-۲۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، مطلب : السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية)

(۲) اس کا حوالہ کتاب الصلاۃ کے سوال (۳۸۰) کے جواب میں گزر چکا۔۱۲

(۳) اس پیراگراف کی پوری عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے بڑھائی گئی ہے، مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

## قراءت خلف الامام کے جواز کے بارے میں

## حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قول کا جواب

سوال: (۳۸۲) چونکہ شاہ ولی اللہ صاحب کا قول اسرار شریعت میں ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہے (۱) اور شاہ صاحب علمائے حنفیہ میں سے ہیں، ایسی صورت میں

---

(۱) اسرارِ شریعت کی مکمل عبارت درج ذیل ہے:

محدثین فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ فاتحہ ہر واحد کی عرض ہے، علاوہ بریں بہ وجہ اشتمال مضامین حمد وثناء سبحانك سے زیادہ تر مشابہ ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ بہ طور معروضات رعیت ایک شخص سب کی طرف سے عرض کر لیتا ہے، یہاں بھی ایک شخص سب کی طرف سے معروض معلوم عرض کر لے گا تو اشتمال مذکور اور تعداد اہل عرض کا بھی خیال چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ بہ خیال اشتمال مذکور و خیال تعدد اہل عرض ہر ایک کا فاتحہ پڑھنا مناسب نظر آتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مقتدی پر واجب ہے کہ چپ کھڑا رہے اور قرآن کو سنتا رہے۔ پھر اگر امام جہر سے پڑھتا ہے تو جب وہ سکوت کیا کرے اُس وقت وہ پڑھ لیا کرے۔ اور اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر مقتدی پڑھے تو سورۂ فاتحہ کو پڑھ لے مگر اس طرح سے پڑھے کہ امام اُس کے پڑھنے سے اپنا پڑھنا نہ بھول جائے اور سب سے بہتر یہ قول ہے اور تمام احادیث کی تطبیق ہو جاتی ہے۔ اس میں بھید وہی ہے جس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ امام کے ساتھ آواز سے قرآن پڑھنا امام کی تشویش کا باعث ہوگا۔ اور اس وجہ سے قرآن کے اندر تدبر نہ ہو سکے گا۔ اور قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے یہ حکم نہیں دیا کہ آہستہ پڑھیں۔ اس واسطے جب تمام لوگ صحیح صحیح حروف ادا کرنے کی کوشش کریں گے تو سب کی آوازوں سے ایک آواز پیدا ہوگی جو امام کے لیے موجب تشویش خاطر ہوگی، اور اُس کو قرآن پڑھنا مشکل پڑ جائے گا، اس واسطے تشویش پیدا کر دینے سے آپ نے نہی فرما دی۔ اور جو تشویش کا موجب ہو اس کا آپ نے حکم نہیں دیا، اور ان کو اختیار دے دیا کہ جس سے ہو سکے وہ کرے۔ (اسرار شریعت مؤلفہ مولوی محمد فضل خان: ۱/۱۴۳-۱۴۴، کتاب الصلاۃ، عنوان: فاتحہ خلف الامام جائز و ناجائز ہونے کی وجوہات، مطبوعہ: حمیدیہ سسٹم پریس، لاہور) محمد امین پالن پوری

اگر کوئی حنفی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے تو کیسا ہے؟ (۱۳۵۸/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** حنفی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ وغیرہ کچھ نہ پڑھنی چاہیے (۱) اور شاہ ولی اللہ جیسا محقق اگر کسی مسئلہ میں خلاف کریں تو اوروں کے لیے یہ فعل درست نہیں ہے، ان کو اپنے امام متبوع کی تقلید کرنی چاہیے، خصوصاً جب کہ دلائل سے بھی مذہبِ امام قوی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۸)

## فاتحہ خلف الامام کے بارے میں شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے قول کا جواب

**سوال:** (۳۸۳) شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ دہلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز ہے، اور پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نہ پڑھنے میں خوف ہے، نماز کے نہ ہونے کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟ (۱۰۱۲/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** جب کہ حدیث شریف میں صاف امر ہے: وإذا قرأ فأنصتوا (۲) اور دوسری حدیث شریف میں ہے: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة (۳) اور نیز قرآن شریف میں ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴) تو اس صورت میں مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ وغیرہ پڑھنے کی (کچھ) (۴) گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور حنفیہ کو اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنا چاہیے۔ فقط (۲/۲۳۹)

---

(۱) ولا يقرء المؤتم خلف الإمام إلخ و لنا قوله عليه السّلام : من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة ، و عليه إجماع الصّحابة ، و هو ركن مشترك بينهما لكن حظّ المقتدي الإنصات و الاستماع ، قال عليه السّلام : و إذا قرأ فأنصتوا ، و يستحسن على سبيل الاحتياط فيما يروى عن محمّد ، و يكره عندهما لما فيه من الوعيد . (الهداية: ۱/۱۲۰-۱۲۱، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراءة) ظفیرؒ

(۲) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ا میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۳) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۰) کے تیسرے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۴) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

## قراءت خلف الامام سے متعلق احادیث کا جواب

سوال: (۳۸۴) عندالاحناف قراءت فاتحہ خلف الامام ناجائز ہے، مگر غیر مقلدین دو حدیثیں پیش کرتے ہیں؛ ایک عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، اور ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی، جس میں یہ مذکور ہے کہ قسمت الصّلاة بيني وبين عبدي ان دونوں حدیثوں کا جواب مفصل تحریر فرماویں۔

(۱۳۴۵-۴۴/۲۷۴ھ)

الجواب: حدیث عبادہ کا جواب مشکاۃ کے باب: قراءة في الصّلاة میں حدیث مذکور کے بعد موجود ہے، وہ حدیث یہ ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إنّما جعل الإمام ليؤتمّ به، فإذا كبّر فكبّروا، وإذا قرأ فأنصتوا (۱) اس حدیث میں مطلقًا وعمومًا یہ حکم فرمایا کہ جب امام پڑھے تم چپ رہو، پس معلوم ہوا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سورۂ فاتحہ کی اجازت دی تھی، پھر جہریہ نمازوں میں اس کی ممانعت فرمائی، جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں: فانتهى النّاس عن القراءة مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فيما جهر فيه بالقراءة من الصّلوات حين سمعوا ذلك من رسول الله صلّى الله عليه وسلّم (۱) سے ثابت ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے و إذا قرأ فأنصتوا کا حکم فرما کر سب نمازوں میں مطلقًا قراءت سورۂ فاتحہ وغیرہ سے ممانعت فرمادی، اور انصات کا حکم فرمادیا، جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۲۰۴) سے بھی ظاہر ہے، اور یہی جواب جملہ اقرأ بها في نفسك (۲) سے ہے، جو کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قسمت الصّلاة بيني وبين عبدي إلخ (۲) میں واقع ہے،

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۸۱، كتاب الصّلاة، باب القراءة في الصّلاة، الفصل الثّاني.

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: من صلّى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ثلاثًا غير تمام، فقيل لأبي هريرة: إنّا نكون وراء الإمام، قال: اقرأ بها في نفسك فإني سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول: قال الله تعالى: قسمت الصّلاة بيني وبين عبدى نصفين الحديث (مشكاة المصابيح، ص:۷۸، كتاب الصلاة باب القراءة في الصّلاة، الفصل الأوّل)

اوراقرأ بها في نفسك سے مرادنفس میں تصور کرنا بھی ہوسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۴۶-۲۴۷)

سوال:(۳۸۵) سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کے بارے میں مشکاۃ میں خداج آیا ہے[۱] اور بخاری میں لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب[۲] اس کا مطلب واضح فرمائیں (۶/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ حکم امام ومنفرد کے لیے ہے، مقتدی کو قراءت کی ممانعت دوسری احادیث صحیحہ میں موجود ہے: وإذا قرأ فأنصتوا الحديث[۳] من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة الحديث[۴] وقال الله تعالىٰ: ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ أعراف، آیت:۲۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۶۷-۲۶۸)

## قراءت خلف الامام اور آمین بالجہر کی احادیث منسوخ ہیں یا نہیں؟

سوال:(۳۸۶) قراءت خلف الامام کی جو احادیث صحاح میں اکثر وارد ہیں یہ احادیث منسوخ ہیں یا نہیں؟ یہ بھی مفصل تحریر فرماویں کہ اصول حدیث میں کس مرتبہ کی حدیث صحیح حدیث کی ناسخ بن سکتی ہے، اور سند اس امر کی کہ آیت: ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ نماز ہی میں نازل ہوئی ہے مع احادیث معتبرہ کے اوراقوال صحابۂ کرام کے تحریر فرمایئے کہ اطمینان ہوجائے، غیر مقلدین سوائے صحیحین کی احادیث کے دوسری صحاح ومسندات کتب حدیث کو نہیں مانتے ہر جگہ صحیحین کی حدیث طلب کرتے ہیں۔ پس یہ بھی تشریح فرمادیں سوائے صحیحین کے دوسری کتب حدیث میں بھی صحیح حدیثیں موجود ہیں کہ جن کو بخاری ومسلم نے تخریج نہیں کیا اور منسوخیت حدیث آمین بالجہر کی نسبت بھی یہی خیال ہے۔ کن احادیث سے

(۱) حوالہ کے لیے سابقہ جواب کا حاشیہ (۲) ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) عن عبادة بن الصّامت رضي الله عنه أن رسول الله صلّى الله عليه و سلّم قال : لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. (صحيح البخاري : ۱/۱۰۴، كتاب الأذان ، باب وجوب القراءة للإمام و المأموم في الصلوات كلّها الخ)

(۳) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصّلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۴) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۰) کے تیسرے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

حدیث آمین بالجہر منسوخ ہے ۔

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم ❁ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔قراءت خلف الامام میں اختلاف ائمہ ہے، امام اعظم رحمہ اللہ اوراُن کے اتباع وموافقین عدم وجوب وعدم جواز قراءت خلف الامام کے قائل ہیں ۔دلیل امام اعظم رحمہ اللہ کی آیت قرآنیہ: ﴿وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۲۰۴) اورحدیث صحیح مسلم۔ وإذا قرأ فأنصتوا (۱) اورحدیث مَن كان له إمام (۲) الحديث ہے۔ اورشامی میں خزائن سے منقول ہے :وفي الكافي ومنع المؤتمّ من القراء ة ماثور عن ثمانين نفرًا من كبار الصّحابة منهم المرتضى والعبادلة ، وقد دوّن أهل الحديث أساميهم (۳) اوردربارۂ نزول آیت قرآنیہ: ﴿وَ اِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ الآية﴾ فتح القدیر میں منقول ہے: وأخرج أبوالشّيخ مِن طريق سعيد بن جبير عن ابن عبّاسؓ هٰذه الآية نزلت في صلاة الجمعة وفي العيدين قال محيّ السّنّة والأولىٰ أنّها في القراء ة في الصّلا ة لأنّ الآية مكّيّة و الجمعة وجبت بالمدينة ، وهٰذا قول الحسن والزّهريّ والنّخعيّ (۴) وأخرج البيهقيّ عن الإمام أحمد قال: أجمع النّاس على أنّ هٰذه الآية في الصّلاة. وأخرج ابن مردويه في تفسيره إلخ عن معاوية بن قرة قال:سألت بعض أشياخنا مِن أصحاب رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، أحسبه قال عبد اللّٰه بن مغفّل : كلّ من سمع القرآن وجب عليه الاستماع والإنصات ، قال : إنّما نزلت هٰذهِ الآية ﴿وَ اِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ في القراء ة

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال:(۳۷۸) کے حاشیہ نمبر:۱ میں ملاحظہ فرمائیں ۔۱۲

(۲) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال:(۳۷۰) کے تیسرے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں ۔۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۲۳۶/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، مطلب : السّنّة تكون سنّة عين وسنّة كفاية .

(۴) تلاش بسیار کے باوجود یہ عبارت ہمیں نہیں ملی۔

خلف الإمام(۱) کذا في فتح القدیر اورآمین بالجہر یا سر دونوں حدیث سے ثابت ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے یہ آیت: ﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (سورۂ اعراف،آیت:۵۵) سے حدیث اخفاء کوترجیح دی ہے،جیسا شرح منیہ میں ہے: ویخفونها أي ویخفي الإمام والمقتدون آمین لقول ابن مسعودؓ أربع یخفیهنّ الإمام : التّعوّذ والتّسمیة وآمین و ربّنا لك الحمد ، وهٰذه الأربعة رواها ابن أبي شیبة عن ابراهیم النّخعيّ ، وقد روي أحمد وأبویعلی والطّبرانيّ والدّار قطني والحاکم في المستدرك من حدیث شعبة عن سلمة بن کهیل عن حجر بن العنبس عن علقمة بن وائل عن أبیه: أنّه صلّی مع رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فلمّا بلغ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾قال: 'آمین'وأخفی بها صوته،وقال الشّافعيّ وأحمدؒ: یجهر الإمام والمأموم بـ 'آمین'، لما روی ابن ماجة: کان علیه الصّلاة والسّلام إذا تلا: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ قال:' آمین' ، حتّی یسمع من في الصّفّ الأوّل فیرتجّ المسجد ، قلنا: تعارض روایتا الجهر والإخفاء في فعله ، فیرجّح الإخفاء بإشارة قوله : 'فإنّ الإمام یقولها ' وبأنّه الأصل في الدّعاء ، وآمین دعاء فإن معناه استجب انتهٰی (۲)

(صحیحین کے علاوہ دوسری کتب احادیث میں بھی صحیح حدیثیں ہیں، صحیحین میں ہی محصور سمجھنا غلط ہے، دوسری صحاح یا مستندات کو نہ ماننا کھلی ہوئی جہالت ہے۔ظفیرؒ )(۲/۲۵۰-۲۵۲)

## امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والے کو کافر و مرتد کہنا سخت جہالت و گمراہی ہے

سوال: (۳۸۷) ایک مولوی صاحب افغانستان کے یہاں پر آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قاری فاتحہ خلف الامام کافر ہے۔(رجسٹر میں نہیں ملا)

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ وغیرہ نہ پڑھنی چاہیے

(۱) فتح القدیر:۱/۳۵۰-۳۵۱، کتاب الصّلاة ، فصل في القراءة .
(۲) غنیة المستملي،ص:۲۶۹، فصل في صفة الصّلاة .

ناجائز ہے اور یہی مقتضی آیت قرآنیہ: ﴿وَ اِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اَعراف، آیت: ۲۰۴) اور احادیث صریحہ صحیحہ: وَاِذَا قرأَ فَأَنْصِتُوْا [۱] وغیرہ کا ہے۔ بہ ایں ہمہ فاتحہ پڑھنے والے کو کافر و مرتد کہنا سخت جہالت اور گمراہی ہے، کہنے والے کے کفر کا خوف ہے، توبہ کرے، یہ مسئلہ ائمۂ دین میں مختلف فیہ ہے، امام شافعیؒ وجوب قراءت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں، پس تکفیر میں کہنے والے کے کفر کا خوف ہے، اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے محفوظ رکھے۔ فقط (۲/۲۵۴)

## امام کا آہستہ قراءت کرنا اور لمبی سورت پڑھنا

**سوال:** (۳۸۸) امام قراءت آہستہ پڑھے اور سورت بھی بڑی ہو جس میں مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۴۰/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** زیادہ تطویل نہ کرے اور قراءت مسنونہ سے تجاوز نہ کرے [۲] (۱۳۲/۳-۱۳۳)

## دوسری رکعت میں لمبی قراءت مکروہ تنزیہی ہے

**سوال:** (۳۸۹) (یہ) [۳] مسئلہ جو مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں چھوٹی سورت اور دوسری میں بڑی سورت مکروہ ہے یہ مکروہ کونسا مکروہ ہے؟ تحریمی یا تنزیہی؟ اور بڑی چھوٹی ہونے میں کچھ حد ہے کہ اتنی بڑی و اتنی چھوٹی ہو یا نہیں؟ اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں سورۂ کوثر پڑھے اور دوسری میں سورۂ اخلاص؛ یہ مکروہ ہوگا یا نہیں؟ (۷۸۴/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** في الدّرّ المختار: و إطالة الثّانية على الأولى يكره تنزيهًا إجماعًا إن

---

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۳۷۸) کے حاشیہ نمبر: ا میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۲) ويكره تحريمًا تطويل الصّلاة على القوم زائدًا على قدر السنّة في قراءة و أذكار رضي القوم أولا لإطلاق الأمر بالتّخفيف. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۵۹-۲۶۱، كتاب الصّلاة، باب الإمامة)

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

بثلاث آیات إلخ (۱) پس معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پہلی رکعت میں سورہ کوثر اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی تو یہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ دوسری سورت میں تین آیتوں کی زیادتی نہیں ہے۔(۲۲۱/۲)

## امام کا فجر کی دوسری رکعت میں بالقصد دو چار آیتیں زیادہ پڑھنا

سوال: (۳۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین (متین)(۲) ومفتیان شرع مبین (۳) کہ امام صبح کی نماز میں اوّل رکعت سے دوسری رکعت میں قراءت کو قصداً دو چار آیات طول دیوے، تو اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں بلا کراہت؟ (۲۱۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز صحیح ہے بلا کراہت، شامی میں ہے کہ بڑی سورتوں میں تین آیات کی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے، البتہ چھوٹی سورتوں میں دوسری رکعت میں تین آیات کی زیادتی مکروہ تنزیہی ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی، مدرسہ عربیہ دیوبند (۲۴۸/۲)

## دوسری رکعت کو پہلی سے لمبی کرنا اور درمیان میں چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے

سوال: (۳۹۱) ایک شخص اوّل رکعت کی قراءت سے دوسری رکعت کی قراءت کو طویل کرتا ہے،

---

(۱) الدّرّالمختار مع ردّالمحتار: ۲۳۳/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة.

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں ''مبین'' کے بعد ''اس مسئلہ'' میں تھا یہ جملہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے بڑھایا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے، اور مطلب اس کے بغیر واضح ہے، اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

(۴) بل الّذي ينبغي أنّ الزّيادة إذا كانت ظَاهِرةً ظُهُوْرًا تامًّا تُكْرَهُ وإلاّ فلاَ لِلُزُوْمِ الْحَرجِ فِي التَّحَرُّزِ عَنِ الْخَفِيَّةِ ......... والّذي تحصل من مجموع كلامه و كلام القنية أنّ إطلاقَ كَرَاهَة إطَالَةِ الثّانيةِ بثلاثِ آياتٍ مقيّدٌ بالسّور القصيرة المتقاربة الآيات لظهور الإطالة حينئذ فيها ، أمّا السُّورُ الطّويلةُ أو القصيرةُ المتفاوتةُ فلا يُعتبرُ العددُ فيهما بل يُعتبرُ ظُهُوْرُ الإطَالَةِ من حيثُ الكلمات وإن اتّحدتْ آيات السّورتينِ عددًا. ( ردّ المحتار: ۲۳۴/۲، كتاب الصّلاة باب صفة الصّلاة ، مطلب : السّنّة تكون سنّة عين وسنّة كفاية)ظفیرؔ

اور چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۸۳۸/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** دوسری رکعت میں بہ نسبت قراءت اوّل رکعت کی تین آیتوں سے زیادہ طول کرنا مکروہ ہے، اسی طرح چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے۔ کذا في الدّرّ المختار (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۷-۲۱۸)

## دوسری رکعت کو طول دینے میں کس چیز کا اعتبار ہے؟

**سوال:** (۳۹۲) نماز میں اوّل رکعت سے دوسری رکعت میں زیادہ قراءت مکروہ ہے؟ یہ بہ حساب آیتوں کے ہے یا بہ حساب حروف یا بہ حساب کلمات کے؟ (۱۲۳۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** اگر آیتیں برابر (برابر)(۲) یا قریب برابر کے ہیں؛ تو عدد آیات کا اعتبار ہے کہ دوسری رکعت کی قراءت تین آیات سے زیادہ نہ ہو، اور اگر آیات متفاوت ہوں طول وقصر میں تو حروف وکلمات کا اعتبار ہے الخ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۵)

## پہلی رکعت میں سورہ نصر اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۳۹۳) کہا جاتا ہے کہ اِذَا جَـآءَ کے بعد تَبَّتْ پڑھنی چاہیے، اس کو ترک کر کے قُلْ هُوَ اللّٰهُ نہ پڑھے، حالانکہ پڑھنے والے کو اِذَا جَـآءَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے محبت ہے تو کیا کرنا چاہیے؟ (۲۲۴۰/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) وتطال أولى الفجر على ثانيتها ...... فقط ، وقال محمّد : أولى الكلّ حتّى التّراويح ، قيل : وعليه الفتوىٰ ، وإطالة الثّانية على الأولىٰ يكره تنزيهًا إجماعًا إنّ بثلاث آيات إن تقاربت طولاً وقصرًا وإلاّ اعتبر الحروف والكلمات إلخ ، وإن بأقلّ لايكره إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۳۲-۲۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ،فصل في القراءة)

ويكره الفصل بسورة قصيرة . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۳۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراءة ، قبيل باب الإمامة )ظفیرؒ

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) حوالہ، سابقہ جواب کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

**الجواب:** ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا فرائض و واجبات میں فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، پس اگر قُلْ هُوَ اللّٰهُ دوسری رکعت میں پڑھنی ہے تو پہلی میں قُلْ یٰۤا پڑھ دے، اور اگر پہلی رکعت میں اِذَا جَآءَ پڑھی ہے تو دوسری میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۶)

**سوال:** (۳۹۴) امام نے پہلی رکعت میں اذا جاء اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھی تو نماز میں کچھ نقصان ہوا یا نہیں؟ (۱۳۱۲/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** فرضوں میں قصداً اس طرح پڑھنا کہ ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کیا جاوے جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے مکروہ ہے اور نماز ہو جاتی ہے اور اگر سہواً ہو گیا تو کچھ کراہت نہیں ہے، اور نوافل میں کچھ کراہت نہیں ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۹-۲۴۰)

**سوال:** (۳۹۵) امام نے پہلی رکعت میں سورہ ﴿اِذَا جَـآءَ﴾ پڑھی، اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ نماز کو پھر پڑھنا چاہیے یا کیا؟ (۱۱۱۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** فرائض میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے، اور سہواً اگر ایسا ہو گیا تو کچھ کراہت نہیں (ہے)(۲) اعادہ نماز کا لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۶۳-۲۶۴)

## پہلی رکعت میں سورۂ کوثر اور دوسری میں سورۂ نصر پڑھنا

**سوال:** (۳۹۶) امام نے مغرب میں پہلی رکعت میں سورۂ کوثر اور دوسری میں سورۂ نصر پڑھی، اوّل تو چھوٹی بڑی؛ دوسری خلاف ترتیب درمیان میں چھوٹی سورت چھوڑ دی گئی، اس صورت میں اعادہ واجب تھا یا نہ؟ اگر اعادہ کر لیا تو گنہ گار تو نہ ہوگا ثواب ہوگا یا نہیں؟ (۲۸۳/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑنا مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا اعادہ اس نماز کا واجب

---

(۱) ویکرہ الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوسًا إلخ ، ولا یکرہ في النّفل شيء من ذلك (الدّرّ المختار) قوله: ( ثمّ ذکر یتمّ ) أفاد أنّ التّنکیس أو الفصل بالقصیرة انّما یکرہ إذا کان عن قصد فلو سهوًا فلا ، کما في شرح المنیة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۸-۲۳۹، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، قبیل باب الإمامة)

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے اعادہ کیا تو گنہ نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے اور ثواب (ہے) (۱) جیسا کہ شامی میں فتح القدیر سے منقول ہے: والحقّ التّفصیل بین کون تلك الکراهة کراهة تحریمٍ ، فتجب الإعادة أو تنزیهٍ فتستحب الخ (۲) اور سورۂ کوثر اور سورۂ نصر میں (بڑے چھوٹے) (۳) ہونے کا اس قدر فرق نہیں ہے کہ کراہت لازم آوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۰۴-۱۰۵)

## قراءت میں ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ اور بے موقع وقف کرنے کا حکم

**سوال:** (۳۹۷) اگر کوئی نماز میں ایک سورت پڑھ کر ایک چھوڑ کر تیسری سورت پڑھ لے، اور قراءت میں بے موقع وقف کردے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۶۵۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** و یکره الفصل بسورة قصیرة إلخ ، ولایکره في النّفل شيء (۴) (الدّرّ المختار) حاصل یہ ہے کہ چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے، مگر نوافل میں مکروہ نہیں ہے، اگر درمیان آیت سانس ٹوٹ جائے اس وجہ سے وقف کیا تو اعادہ اس آیت کا کرنا چاہیے، باقی تفصیلی حکم کسی قاری صاحب سے دریافت کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۶۴)

**سوال:** (۳۹۸) اگر کوئی چھوٹی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھ کر درمیان میں ایک سورت چھوڑ کر دوسری رکعت میں تیسری سورت پڑھے، یا پہلی رکعت میں چھوٹی سورت اور دوسری میں بڑی سورت پڑھے تو کیا حکم ہے؟ (۵۸۴/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** سورۂ قصیر کا فصل کرنا فرائض میں مکروہ ہے (۵) اور دوسری رکعت میں بقدر تین آیت

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) ردّ المحتار: ۲/۱۳۰، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب کلّ صلاة أُدّیت مع کراهة التّحریم تجب إعادتها.

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (بڑے چھوٹے) کی جگہ ''بڑی چھوٹی'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۸-۲۳۹، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة ، قبیل باب الإمامة .

(۵) حوالہ کے لیے سابقہ جواب ملاحظہ فرمائیں۔

یا زیادہ پہلی رکعت سے قراءت زیادہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ وإطالة الثّانية على الأولىٰ يكره تنزيهًا إجماعًا إنّ بثلاث آيات إلخ (۱) (درّ مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۴)

## فرائض میں ایک چھوٹی سورت کا فصل کرنا مکروہ ہے اور نوافل میں درست ہے

سوال: (۳۹۹) فرائض یا نوافل میں ایک سورت درمیان میں چھوڑ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۹/۷-۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: فرائض میں ایک چھوٹی سورت کا فصل کرنا مکروہ ہے، اور نوافل میں درست ہے۔ كذا في الدّرّ المختار والشّامي (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۶۳)

## وتر کی پہلی رکعت میں والعصر اور تیسری رکعت میں سورۂ ہُمزہ پڑھی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۰۰) وتر میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں والعصر، دوسری میں التکاثر، تیسری میں الهمزہ پڑھی۔ تیسری سورت دوسری سے دوگنی ہے تو نماز وتر ہوئی یا نہیں؟ (۲۲۰۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز وتر ہوگئی، اس قدر سورتوں کے بڑے چھوٹے ہونے سے نماز میں کچھ کراہت نہیں آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۵-۲۳۶)

وضاحت: صورتِ مسئولہ میں نماز وتر ہوگئی، لیکن قرآن کریم کو خلافِ ترتیب یعنی پہلی رکعت میں سورۂ عصر اور دوسری رکعت میں سورۂ تکاثر پڑھنا موجب کراہت ہے، نیز تیسری رکعت کا پہلی رکعت سے طویل ہونا بھی کراہت سے خالی نہیں، درمختار میں ہے: وإطالة الثّانية على الأولىٰ يكره تنزيهًا إجماعًا إن بثلاث آيات إن تقاربت طولاً وقصرًا، وإلّا اعتبر الحروف

(۱) الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۲/۲۳۳، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة.

(۲) سابقہ جوابات میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

والکلمات ، واعتبر الحلبي فحش الطّول لا عدد الآیات، واستثنٰی في البحر ما وردت به السّنّة ، واستظهر في النّفل عدم الکراهة مطلقًا و إن بأقلّ لایکره (الدّرّ المختار ) قوله: (واعتبر الحلبي فحش الطّول إلخ) کما لو قرأ في الأولٰی والعصر، وفي الثّانیة الهمزة ، فرمز في القنیة أوّلاً أنّه لا یکره ، ثمّ رمز ثانیًا أنّه یکره ، وقال: لأنّ الأولٰی ثلاث آیات والثّانیة تسع ، وتکره الزّیادة الکثیرة . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۳-۲۳۵، کتاب الصّلاۃ ، باب صفة الصّلاۃ ، فصل في القراء ة) محمد امین پالن پوری

## چھوٹی سورتیں جن کا درمیان میں چھوڑنا مکروہ ہے کونسی ہیں؟

سوال: (۴۰۱) وہ چھوٹی سورتیں کونسی ہیں جن کو پہلی رکعت اوردوسری رکعت کی قراءت کے درمیان چھوڑنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے؟ (۲۵۸/۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** وہ سورتیں قصار مفصل کی لَمْ یَکُنْ سے آخر قرآن شریف تک ہیں۔ فقط (۲/۲۴۴)

**استدراک:** چھوٹی سورت جس کا درمیان میں چھوڑنا مکروہ ہے اس سے مراد وہ سورت ہے جو پہلی رکعت میں پڑھی ہوئی سورت سے چھوٹی ہو، جیسے سورۂ ماعون کے بعد سورۂ کوثر کو چھوڑ کر سورۂ کافرون پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ سورۂ متروکہ یعنی سورۂ کوثر؛ سورۂ ماعون سے چھوٹی ہے، اور سورۂ قریش کے بعد سورۂ ماعون چھوڑ کر سورۂ کوثر پڑھنا مکروہ نہیں، کیوں کہ سورۂ متروکہ یعنی سورۂ ماعون سورۂ قریش سے بڑی ہے۔

امدادالفتاویٰ میں ہے: في الدّرّ المختار: ویکره الفصل بسورة قصیرةٍ ، في ردّ المحتار : أمّا بسورة طویلة بحیث یلزم منه إطالة الرّکعة الثّانیة إطالة کثیرة فلا یکره ، شرح المنیة . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑنا جو مکروہ ہے تو اس میں شرط یہ ہے کہ سورت متروکہ اوّل سورت سے بڑی نہ ہو، ورنہ مکروہ نہیں، اور چوں کہ صورت مسئولہ میں سورت متروکہ یعنی قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ سورۂ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَرَ سے بڑی ہے، اس لیے یہ ترک مکروہ

نہیں ہوا، البتہ دوسری رکعت کا طویل ہونا موجب کراہت ہوا۔ کما في الدّرّ المختار أیضًا: وإطالة الثّانیة علی الأولٰی یکره تنزیهًا. (الدّرّ المختار: ۲/۲۳۳) لیکن سجدۂ سہو لازم نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۲۶۰، سوال نمبر: ۲۲۹)

اور امداد الفتاوی: ۱/ ۲۲۷، سوال نمبر: ۲۱۴ کے حاشیہ میں ہے: دو سورتوں کے درمیان ایک سورت چھوڑنے کی کراہت کی وجہ ہجر و تفضیل کے شبہ سے بچنا ہے۔ ویکره فصله بسورة بین سورتین قرأهما في رکعتین لما فیه من شبهة التّفضیل والهجر اهـ. (مراقي الفلاح: ص:۱۹۴) پس اولیٰ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی ہے اسی سے متصل بعد والی سورت دوسری رکعت میں پڑھی جائے، اگر ایک سورت چھوڑ کر پڑھے گا تو اس کا ہجر (چھوڑنا) اور بعد والی کی تفضیل (ترجیح بلا مرجح) لازم آئے گی، إذا قرأ في کلّ رکعةٍ الحمد والسّورة فإنّه یقرأ سورة أخری في الرّکعة الثّانیة متّصلةً بالسّورة الأولٰی، وإن أراد أن یُفصّل بینهما ینبغي أن لا یفصل بسورة أو بسورتین، وإنّما یفصل بسورٍ هٰکذا روی في الحدیث (حموي بر أشباه: ۱/۲۱۱) لیکن دو سورتوں کا چھوڑنا احادیث سے ثابت ہے۔ حضور پاک ﷺ جمعہ کی رات میں مغرب کی نماز میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص تلاوت فرماتے تھے، ولو ترك سورتین فالصّحیح أنّه لا یکره أیضًا لما روی جابر بن سمرة رضي اللّٰه عنه: کان النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقرء في المغرب لیلة الجمعة قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أحد رواه أبو داؤد وابن ماجة اهـ — (کبیری: ص:۴۲۶) لہٰذا دو سورتوں کا فصل جائز ہوا اور اُن میں ہجر و تفضیل کا شبہ نہ رہا، کراہت صرف ایک سورت کے چھوڑنے میں ہوگی خواہ وہ سورت چھوٹی ہو یا بڑی ہو — لیکن اگر بعد والی سورت اتنی بڑی ہو کہ اُسے دوسری رکعت میں پڑھنے سے اس کا پہلی رکعت سے طویل ہونا لازم آتا ہو تو اس عارض کی وجہ سے ایسی طویل سورت کا چھوڑنا جائز ہوگا، کیوں کہ ہر رکعت میں کامل سورت پڑھنا افضل ہے، اور دوسری رکعت کو طویل کرنا مکروہ ہے اور جہاں یہ عارض نہ ہو وہاں پہلی سورت سے متصل جو سورت ہے اسی کو پڑھنا اولیٰ ہے اور اس کو چھوڑ کر (خواہ وہ بڑی ہو جس میں دو رکعت ہو سکیں یا چھوٹی ہو) بعد والی سورت پڑھنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے،

اور یہ کراہت فرائض میں ہے، نوافل میں ایک سورت چھوڑنا جائز ہے۔ وَیکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ اھـ (الدرّ المختار) أمّا بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منہ إطالۃ الرّکعۃ الثّانیۃ إطالۃ کثیرۃ فلا یکرہ شرح المنیۃ، کما إذا کانت سورتان قصیرتان اھـ (شامي: ۲/ ۲۳۸)
ولو قرأ في کلّ رکعۃ سورۃ وترک بین سورتین سورۃ یکرہ لما قلنا (أي لأنّہ یوھم الإعراض و التّرجیح بلا مرجّح) إلاّ أن تکون تلک السّورۃ أطول من الّتي قرأھا في الرّکعۃ الأولٰی بحیث یلزم منہ إطالۃ الرّکعۃ الثّانیۃ إطالۃ کثیرۃ فحٍ لا یکرہ اھـ.
(کبیری: ص: ۴۲۶) (امداد الفتاوی: ۱/ ۲۲۷ - ۲۲۸) محمد امین پالن پوری

## پہلی رکعت میں والضحیٰ اور دوسری میں والتین پڑھنا

سوال: (۴۰۲) اوّل رکعت میں والضحیٰ پڑھی اور دوسری رکعت میں الم نشرح کو درمیان میں چھوڑ کر والتین پڑھی تو یہ مکروہ ہے یا نہیں؟ (۱۶۰۹/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: چھوٹی سورتوں میں اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے یعنی یہ کہ ایک سورت درمیان میں چھوڑ کر تیسری سورت دوسری رکعت میں پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے، لیکن والضّحیٰ اور الم نشرح اور والتّین چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہیں، بلکہ اوساط مفصل میں سے ہیں، لہٰذا اس میں یہ صورت مکروہ نہیں ہے۔ فقط (۴/ ۱۱۰)

استدراک: چھوٹی سورت جس کا درمیان میں چھوڑنا مکروہ ہے اس سے مراد وہ سورت ہے جو پہلی رکعت میں پڑھی ہوئی سورت سے چھوٹی ہو، اور صورتِ مسئولہ میں سورۂ متروکہ یعنی سورۂ الم نشرح، سورۂ والضُّحیٰ سے چھوٹی ہے، اس لیے یہ ترک مکروہ ہوا۔ تفصیل کے لیے سابقہ استدراک دیکھیں۔ محمد امین پالن پوری

## بڑی آیت کی مقدار کیا ہے؟

سوال: (۴۰۳) جو آیت: سورۂ کوثر کے برابر ہو، بڑی آیت شمار ہوگی، کسی کتاب فقہ کی عبارت تحریر فرمادیجیے کہ کم سے کم بڑی آیت کی مقدار کیا ہے؟ (۱۰۵۴/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** درمختار میں ہے: وضمّ أقصر سورة كالكوثر أوما قام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار نحو ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ﴾ (سورة المدّثر، الآية:۲۱-۲۳) وفي الشّامي: قوله: (تعدل ثلاثًا قصارًا) أي مثل: ﴿ثُمَّ نَظَرَ إلخ﴾ وهي ثلاثون حرفًا فلو قرأ آيةً طويلةً قدر ثلاثين حرفًا يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات إلخ[۱] فقط (۲۲۶/۲)

## آیت سجدہ کو بالقصد چھوڑ دینا مکروہ ہے

**سوال:** (۴۰۴) امام آیتِ سجدہ پر پہنچ کر آیت سجدہ چھوڑ کر رکوع کرے، تو کیا حکم ہے؟ (۵۸۴/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** درمختار میں ہے: وكره ترك آية سجدة و قراءة باقي السّورة إلخ (۲) پس معلوم ہوا کہ آیت سجدہ کو بالقصد چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۵/۲)

**سوال:** (۴۰۵) سجدہ والی سورت میں دو ایک آیت چھوڑ دینا سجدہ کی وجہ سے کیسا ہے؟ (۱۶۵۶/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** سجدہ کی آیت کو پڑھنا اور سجدہ کرنا بہتر ہے، اس کو نہ چھوڑے (۳) فقط (۲۴۴/۲)

## قراءت کی چند صورتوں کا حکم

**سوال:** (۴۰۶) اگر فرض نماز میں (۱) اوّل رکعت میں سورۂ ہمزہ، دویم میں سورۂ فیل۔ (۲) یا اوّل رکعت میں سورۂ ہمزہ، دوم میں سورۂ قریش۔ (۳) یا اوّل میں سورۂ ہمزہ دوم میں سورۂ ماعون۔

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۲/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التحريم تجب إعادتها.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۱۹/۲، كتاب الصّلاة، باب سجود التّلاوة، مطلب في سجدة الشّكر.

(۳) وكره ترك آية سجدة وقراءة باقي السّورة، لأنّ فيه قطع نظم القرآن وتغيير تأليفه واتّباع النّظم والتّأليف مأمور به بدائع، و مفاده أنّ الكراهة تحريميّة لا يكره عكسه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۱۹/۲، كتاب الصّلاة، باب سجود التّلاوة) ظفیرؔ

〈۴〉 یا اوّل میں سورۂ فیل، دوم میں ہمزہ۔ 〈۵〉 یا اوّل میں سورۂ قریش، دوم میں فیل۔ 〈۶〉 یا اوّل میں ماعون دوم میں فیل پڑھے عمداً یا سہواً تو نماز میں کسی قسم کی خرابی تو نہ 〈آوے گی؟〉(۱)

(۹۰۱/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** اوّل صورت بلاکراہت درست ہے، دوسری مکروہ، تیسری جائز، چوتھی مکروہ، پانچویں مکروہ، ششم مکروہ ہے اور جس میں کراہت ہے عمداً پڑھنے میں ہے، اور فرض میں ہے، نفل میں ہر طرح جائز ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۸)

## پہلی رکعت میں ستائیسویں پارہ میں سے اور دوسری رکعت میں پہلے پارہ سے ایک رکوع پڑھنا مکروہ ہے

**سوال:** (۴۰۷) نماز جمعہ میں رکعت اوّل میں ستائیسویں پارہ میں سے ایک رکوع پڑھا گیا، اور رکعت دویم میں پارہ اوّل میں سے ایک رکوع پڑھا، نماز درست ہوئی یا نہیں؟ (۲۳۹۸/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** اس طرح پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ خلاف ترتیب قرآنی ہے، در مختار میں ہے: **ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا (الدّرّ المختار) بأن يقرأ في الثّانية سورة أعلٰى ممّا قرأ في الأولٰى، لأن ترتيب السّور في القراءة من واجبات التّلاوة إلخ**(۳) (شامي: ۱/۳۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۴۱)

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (آوے گی) کی جگہ "ہوگی" تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) **ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا إلخ، ولا يكره في النّفل شيء من ذلك (الدّرّ المختار) قوله: (ثمّ ذكر يتمّ) أفاد أنّ التّنكيس أو الفصل بالقصيرة انّما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا، كما في شرح المنية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۸-۲۳۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة)** ظفیرؒ

(۳) **الدّرّ المختار والشّامي: ۲/۲۳۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة.**

## پہلی رکعت میں سورہ مزمل کا اور دوسری میں سورہ بقرہ کا پہلا رکوع پڑھنا مکروہ ہے

**سوال:** (۴۰۸) امام نے مغرب کی اوّل رکعت میں بعد الحمد شریف پہلا رکوع سورۂ مزمل کا پڑھا، دوسری رکعت میں پہلا رکوع الٓمٓ کا پڑھا، اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۰۵۴ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی اور سجدہ سہو لازم نہیں ہوا، مگر آئندہ اس طرح خلاف ترتیب قرآنی نہ پڑھنا چاہیے کہ اس طرح پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے۔ کذا في الدّرّ المختار (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۷)

## سہواً خلافِ ترتیب قرآن کریم پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۴۰۹) امام نے پہلی رکعت میں سورۃ الرحمٰن پڑھی اور دوسری میں ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ (یعنی سورۂ بقرہ کا آخری رکوع) سہواً تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۶۱۵ھ)

**الجواب:** بھولے سے ایسا کرنے میں نماز بلا کراہت صحیح ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۴)

## ترتیب سور قرآنیہ کا نماز میں کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۴۱۰) ترتیب سور قرآنیہ کا نماز میں کیا حکم ہے؟ مثلاً قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۴۹۵ھ)

---

(۱) سابقہ جواب میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) أفاد أنّ التّنكيس أو الفصل بالقصيرة انّما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا، كما في شرح المنية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة)

**الجواب:** فرائض و واجبات میں اس تقدیم وتاخیر کو مکروہ لکھا ہے اور نوافل میں درست ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۶-۲۳۷)

**سوال:** (۴۱۱) استفتاء نمبر: ۲۴۹۵ موصول ہوا، آپ نے اس میں تحریر فرمایا ہے کہ فرائض اور واجبات میں اس تقدیم وتاخیر کو مکروہ لکھا ہے، اور نوافل میں درست ہے، مجھے اس میں کچھ کلام ہے، آج میری نظر سے بخاری شریف کی ایک حدیث گذری جس میں یوسف بن ماہک (۱) راوی ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے ام المؤمنین! مجھے اپنا قرآن شریف دکھا دیجئے آپ نے فرمایا کہ کیوں؟ کہا: اس لیے کہ اس کی ترتیب کے موافق اپنا قرآن کراؤں، اس لیے کہ لوگ بے ترتیب پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تیرا کچھ حرج نہیں جونسی آیت چاہے پہلے پڑھ (۲) اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ بخاری شریف میں کہیں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی کہ پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری میں سورۂ یوسف پڑھی (۳) اس سے معلوم ہوا کہ یہ تقدیم وتاخیر مکروہ نہیں۔ (۱۳۳۹/۲۶۵۳ھ)

**الجواب:** بندہ نے جو کچھ در بارہ کراہت خلاف ترتیب فرائض میں پڑھنے کو لکھا تھا وہ حنفیہ کا مذہب ہے اور اس میں احتیاط ہے، باقی یہ مطلب اس کا نہ تھا کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض دیگر حضرات اس کو مکروہ نہ کہتے ہوں، مگر حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو بندہ نے لکھا ہے؛ چنانچہ

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (ماہک) کی جگہ ''مالک'' تھا، اس کی تصحیح بخاری شریف سے کی گئی ہے۔

(۲) يوسف بن ماهَك قال: إني عند عائشة أمّ المؤمنين رضي الله عنها إذ جائها عراقي ...... قال يا أمّ المؤمنين ! أريني مصحفكِ قالت: لِمَ ؟ قال: لعلي أؤلّف القرآن عليه ، فإنّه يُقرأ غير مؤلّف ، قالت : وما يضركَ أيّه قرأتَ قبلُ الحديث. (صحيح البخاري: ۱/۷۴۷، كتاب فضائل القرآن ، باب تأليف القرآن )

(۳) عن عبد الله بن السّائب ...... قرأ الأحنف بالكهف في الأولى وفي الثّانية بـ يوسف أو يونس وذكر أنه صلّى مع عمر الصّبح بهما إلخ . (صحيح البخاري۱/۱۰۶-۱۰۷، كتاب الأذان باب الجمع بين السّورتين في ركعة والقراءة بالخواتيم إلخ)

درمختار میں اس کی تصریح ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۴۹)

## سورتوں کی ترتیب سنت ہے یا واجب؟

**سوال:** (۴۱۲) سورتوں میں جو ترتیب ہے یہ سنت ہے یا واجب؟ اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہ؟ (۸۴/۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** ترتیب مذکور واجب ہے، لیکن اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا، کیوں کہ یہ ترتیب واجبات تلاوت سے ہے، واجبات نماز سے نہیں۔ **قال في ردّ المحتار المعروف بالشّامي : قوله: (بترك واجب) أي من واجبات الصّلاة الأصلية ، لا كلّ واجب ، إذ لو ترك ترتيب السّور لا يلزمه شيء (۲)** مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

## سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے

**سوال:** (۴۱۳) نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورتیں جو ختم کی جاتی ہیں ان کی ترتیب حسب ذیل کہی جاتی ہے، یعنی اوّل اِذا جاء پھر تَبَّتْ ، یا اسی طرح اول الم تر کیف اور دوسری رکعت میں لإیلاف، یہ صورت تو مسنون اور جائز کہی جاتی ہے، کیا اس کے خلاف بھی جائز ہے؟ مثلاً پہلی رکعت میں تبت اور دوسری میں إذا جاء وغیرہ وغیرہ؟ ایک شخص اول رکعت میں إذا جاء پڑھتا ہے اور دوسری میں قل ھو اللہ یا سورۂ ناس ملاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ ایک شخص اوّل رکعت میں نصف سورہ مزمل مثلاً پڑھ کر پھر قل ھو اللہ پڑھ کر جمعہ کی نماز میں رکوع کرتا ہے، اور دوسری رکعت میں معوذتین دونوں پڑھ کر رکوع کرتا ہے، یہ جائز ہے یا نہ؟ (۵۰/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے، پس پہلی رکعت میں تبت اور دوسری رکعت

---

(۱) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا (الدّرّ المختار) بأن يقرأ في الثّانية سورة أعلىٰ ممّا قرأ في الأولىٰ، لأن ترتيب السّور في القراء ة من واجبات التّلاوة إلخ. (الدّرّ المختار والشّامي: ۲/ ۲۳۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراء ة، قبيل باب الإمامة)

(۲) ردّ المحتار: ۲/۴۷۴، كتاب الصّلاة ، أوائل باب سجود السّهو .

میں إذا جاء پڑھنا درست نہیں ہے، اور فرائض میں ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مثلاً پہلی رکعت میں إذا جاء اور دوسری رکعت میں قل هو اللّٰہ پڑھنا مکروہ ہے، اور نوافل میں ایسا کرنا درست ہے، اور ایک رکعت میں نصف سورت مزمل مثلاً پڑھ کر قل هو اللّٰہ اس کے ساتھ ملانا مکروہ ہے، اسی طرح دوسری رکعت میں معوذ تین یعنی دو سورتیں پڑھنا بھی اچھا نہیں ہے، اگر چہ نماز صحیح ہے (۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۲-۲۲۳)

## ترتیب سور کے خلاف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا

سوال: (۴۱۴) ترتیب سور کے خلاف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

(۱۲۰۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: سجدہ سہو واجب نہیں۔قوله :(بترك واجب) أي من واجبات الصّلاة الأصلية لا كل واجب إذ لو ترك ترتيب السّور لا يلزمه شيء إلخ (۲) (شامي) فقط (۴/۴۱۹)

## تراویح کی پہلی رکعت میں سورۂ ناس اور دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھنا جائز ہے

سوال: (۴۱۵) فرضوں کی پہلی رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھی جاوے تو جائز ہے یا مکروہ؟ اور تراویح کی پہلی رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ اور دوسری میں سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھنا کیسا ہے؟ اور پہلی رکعت میں غلطی سے سولھویں

(۱) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا إلّا إذا ختم فيقرأ من البقرة إلخ ولا يكره في النّفل شيء من ذلك. وفي التّاترخانية : إذا جمع بين سُورتين في ركعة رأيت في موضع أنّه لابأس به وذكرشيخ الإسلام لاينبغي له أن يفعل على ما هوظاهرالرّواية أهـ. (ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۸-۲۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ،فصل في القراء ة ، قبيل باب الإمامة) ظفیرؔ

(۲) ردّ المحتار: ۲/۴۷۴، كتاب الصّلاة ، أوائل باب سجود السّهو .

پارہ کا رکوع پڑھا اور دوسری میں پندرہویں پارہ کا رکوع پڑھا، یہ صورت مکروہ ہے یا کیا؟
(۵۳۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** پہلی رکعت فرض میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھنا جائز ہے مکروہ نہیں ہے، اسی طرح تراویح میں پہلی رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس﴾ اور دوسری رکعت میں اوّل سورۂ بقرہ سے چند آیات پڑھنا جائز ہے[۱] اور سہواً اگر پہلی رکعت میں سولہویں پارہ کا رکوع اور دوسری رکعت میں پندرہویں پارہ کا رکوع پڑھا گیا تو اس میں بھی کچھ کراہت نہیں ہے، البتہ فرضوں میں قصداً ایسا نہ کرنا چاہیے کہ مکروہ ہے، بھول کر ہو تو کچھ حرج نہیں ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۵۷-۲۵۸)

## والضّحٰی کو مقدم اور والشّمس کو مؤخر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۱۶) زید نے والضحیٰ کے بعد دوسری رکعت میں والشّمس پڑھی تو نماز میں کیا نقص آیا نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۴۴۸/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** قصداً فرض میں ایسا کرنا مکروہ ہے، اور سہواً[۳] ہو جائے تو کچھ حرج نہیں ہے[۴] اور نماز بہرحال صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۱۰۹-۱۱۰)

---

(۱) وفي الولوالجية : من يختم القرآن في الصّلاة إذا فرغ من المعوّذتين في الرّكعة الأولٰى يركع ثمّ يقرأ في الثّانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة ، لأنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : قال : خير النّاس الحال المرتحل أي الخاتم المفتتح . ( الشّامي: ۲/ ۲۳۸-۲۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، قبيل باب الإمامة )

(۲) أفاد أنّ التّنكيس أو الفصل بالقصيرة انّما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا ، كما في شرح المنية. (ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة قبيل باب الإمامة)

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں 'سہواً' کے بعد 'ایسا' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'ایسا' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۴) حوالہ کے لیے سابقہ جواب کا حاشیہ (۲) ملاحظہ فرمائیں۔

## اَلَمْ نَشْرَحْ کو مقدم اور وَالضُّحٰی کو مؤخر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۱۷) درقراءة تقدیم اَلَمْ نَشْرَحْ وتاخیر وَالضُّحٰی جائز است یا نہ؟ واگر سہوا ایں چنیں کند سجدۂ سہو ہست یا نہ؟[1] (۱۳۸۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** قصداً تقدیم اَلَمْ نَشْرَحْ وتاخیر وَالضُّحٰی نہ کند و بحالت سہو سجدۂ سہو نیست[2] (۲۶۸/۲)

**ترجمہ:** سوال: (۴۱۷) قراءت میں اَلَمْ نَشْرَحْ کو مقدم کرنا اور وَالضُّحٰی کو مؤخر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور سہواً ایسا کرنے سے سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟

**الجواب:** قصداً اَلَمْ نَشْرَحْ کو مقدم اور وَالضُّحٰی کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے اور سہواً کرنے کی صورت میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

## فرض اور واجب نماز میں خلافِ ترتیب سورتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

**سوال:** (۴۱۸) امام یا منفرد نماز فرض یا سنت ونفل میں پہلی رکعت میں لِاِیلاف اور دوسری میں سورۂ فیل یا پہلی رکعت میں سورۂ فیل اور دوسری میں اَلَمْ نَشْرَحْ پڑھے، تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی یا مکروہ تنزیہی؟ اور نماز قابل اعادہ ہے یا نہیں؟ (۵۸۴/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** نماز فرض وواجب میں اس طرح برعکس ترتیب یعنی (منکوس)[3] پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (اور حسبِ قاعدہ: کلُّ صلاةٍ أدّیت مع کراهة التّحریم تجب إعادتها[4] اعادہ اس کا واجب ہے) اور نوافل میں مکروہ نہیں ہے۔ وأن یقرأ منکوسًا إلخ ولا یکره في النّفل شيء

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے ۱۲۔

(۲) حوالہ کے لیے سوال (۴۱۵) کے حاشیہ نمبر (۲) ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

(۳) مطبوعہ فتاوی میں (منکوس) کی جگہ ''معکوس'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۱/۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة.

من ذٰلك إلخ (۱) (الدرّ المختار) اور امام ومنفرد کا حکم اس بارے میں برابر ہے۔ فقط (۲/۲۲۴)

**وضاحت:** قوسین کے درمیان جو عبارت ہے وہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے پہلے ایڈیشنوں اور رجسٹر نقول فتاوی میں ہے، موجودہ ایڈیشنوں میں نہیں ہے، ہم نے اس کو باقی رکھا ہے اور مسئلہ کی وضاحت یہ ہے: فرض اور واجب نماز میں خلافِ ترتیب سورتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، مگر نماز کا اعادہ واجب نہیں، کیونکہ سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا قراءت کے واجبات میں ہے؛ نماز کے واجبات میں سے نہیں ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص نماز میں سورتوں کو خلافِ ترتیب پڑھتا ہے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ شامی میں ہے: قالوا: يجب التّرتيب في سور القرآن، فلو قرأ منكوسًا أثم لكن لا يلزمه سجود السّهو لأنّ ذلك من واجبات القراءة لا من واجبات الصّلاة كما ذكره في البحر في باب سجود السّهو. (ردّ المحتار: ۲/۱۳۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة)

نیز شامی میں ہے: قوله: (بترك واجب) أي من واجبات الصّلاة الأصلية، لا كلّ واجب، إذ لو ترك ترتيب السّور لا يلزمه شيء. (ردّ المحتار: ۲/۴۷۴، كتاب الصّلاة، أوائل باب سجود السّهو)

اور فتاوی محمودیہ میں ہے: وقال ابن أمير حاج: وكثيرًا ما تطلق الكراهة على كراهة التّنزيه: أي والأصل في إطلاقها التّحريم، وحينئذٍ فلا بدّ من النّظر في الدّليل الفارق بينهما، كما في البحر والنّهر، وحاصله أنّ الفعل إن تضمن ترك واجب فمكروه تحريمًا، وإن تضمن ترك سنّة فمكروه تنزيهًا اهـ، وتعاد الصّلاة مع كونها صحيحة لترك واجب وجوبًا، اهـ. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۴۴، فصل في المكروهات)

اس سے معلوم ہوا کہ ترکِ واجب سے جو کراہت ہوتی ہے وہ تحریمی ہے، اور کراہتِ تحریمی کی صورت میں اعادۂ نماز واجب ہوتا ہے، لیکن جس واجب کا تعلق صلبِ صلاۃ سے ہے وہ اقوی ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۸-۲۳۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة.

اور جس کا تعلق طلبِ صلاۃ سے نہ ہو اس کے حکم میں فرق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۱۰۶-۱۰۷، باب القراءۃ) محمد امین پالن پوری

## قراءت میں مسبوق کے لیے امام کی ترتیب لازم نہیں؟

**سوال:** (۴۱۹) مسبوق کے ذمہ ترتیبِ امام لازم ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر امام نے کوئی سورت پڑھی تو مسبوق اس سے قبل کی سورت بلا کراہت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۹۷۹/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** مسبوق کے ذمہ ترتیب امام لازم نہیں کہ وہ اپنی نماز میں منفرد کے حکم میں ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۶۷)

## قرآن کریم پڑھنے کا غلط طریقہ

**سوال:** (۴۲۰) إنّا نشاهد كثيرًا من الحفّاظ أنّهم يقرأون القرآن المجيد بالتّعجيل في الصّلوات وغيرها كوقت الحفظ، بحيث لا يفهم ما يتلفّظون به من الإعراب و الألفاظ وغيرها، و الحال أنّ القرآن ناطق على ترتيله ﴿وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (سورة المزمّل: الأية: ۴) فهل يجوز لهم القراءة على سبيل التّعجيل أم لا ؟ (۲۱۱۲/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** قال في الدّرّ المختار: ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة، وفي الشّامي: هذرمة إلخ سرعة الكلام و القراءة إلخ [2] فعلم أنّ القراءة بالكيفيّة المذكورة من ترك

---

(۱) درج ذیل عربی عبارت جس کو مطبوعہ فتاوی میں شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوبعضها وهو منفرد ...... فيما يقضيه. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/ ۲۹۸-۲۹۹، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب في ما لو أتى بالرّكوع والسّجود أو بهما إلخ) جمیل الرحمٰن

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۵، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث صلاة التّراويح.

**التّرتيل المأمور به والاستعجال المفضى إلى الهذرمة من المنكرات الّتي ينبغي الاجتناب عنها . فقط** (۲/۲۴۴)

ترجمہ: سوال: (۴۲۰) تحقیق کہ ہم بہت سے حفاظ کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ نماز وغیرہ میں مثلاً حفظ کے وقت قرآن مجید اتنی تیزی سے پڑھتے ہیں کہ اعراب اور الفاظ وغیرہ کا تلفظ سمجھ میں نہیں آتا، جب کہ قرآن خود کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیتا ہے: ﴿وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾: ''یعنی اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو'' تو کیا حفاظ کو اتنی تیزی سے قرآن پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** درمختار میں فرمایا: اور (بہ وقت تلاوت) احتراز کرے غیر مشروع باتوں سے یعنی قراءت کے جلد پڑھنے سے۔ اور شامی میں ہے: هذرمة إلخ یعنی بولنے اور پڑھنے میں جلدی کرنا الخ، پس معلوم ہوا کہ مذکورہ کیفیت کے ساتھ یعنی مامور بہ ترتیل کو ترک کرنے اور هذرمة تک پہنچانے والی تیزی کے ساتھ قرآن پڑھنا منکرات میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔ فقط

## سورۂ فاتحہ کے بعد درمیان سورت سے قراءت شروع کرے تو بسم اللہ پڑھے یا نہیں؟

سوال: (۴۲۱) اگر دو رکوع والی سورت پڑھے تو شروع سورت پر بسم اللہ کہے، اور دوسری رکعت میں جب اسی سورت کا دوسرا رکوع پڑھے تو بسم اللہ کہے یا نہیں؟ (۸۳۸/ ۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** دوسرے رکوع پر بسم اللہ نہ (کہے)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۱۸)

## درمیان سے سورت پڑھے تو بسم اللہ کہے یا نہیں؟ نیز دعائے قنوت اور نماز جنازہ میں درود و دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۲۲) جب کسی سورت کو درمیان سے پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں؟ اور وتر میں

---

(۱) اس لیے کہ اس موقع پر بسم اللہ کہنا نہ منقول ہے نہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ ۱۲ محمد امین

نوٹ: مطبوعہ فتاوی میں (کہے) کی جگہ ''پڑھے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

جب دعائے قنوت پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں؟ اور نماز جنازہ میں جب (درود یا)(۱) دعا پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں؟ (۲۷/۱۷۱-۲۹/۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** جب کسی سورت کو درمیان سے بھی پڑھے تب بھی بسم اللہ کرے، اور وتر میں جب دعائے قنوت پڑھے تب بھی بسم اللہ کرے، اور جنازہ کی نماز میں جب درود یا دعا پڑھے اور بسم اللہ شروع میں (اس کے کرلے)(۲) تو کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۶۸)

کتبہ رشید احمد (۳) الجواب صحیح (۴)

**وضاحت:** قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سنت ہے؛ خواہ درمیان سورت سے شروع کرے، اور وتر میں دعائے قنوت سے پہلے نیز نماز جنازہ میں درود شریف اور دعا سے پہلے

---

(۱) 'درود یا' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاوی میں (اس کے کرلے) کی جگہ ''پڑھے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ''کتبہ: رشید احمد'' یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نہیں ہیں، بلکہ کوئی ناقل فتاوی ہیں، رجسٹر نقول فتاوی سنہ ۲۹-۱۳۳۰ھ کے پہلے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے: ''رشید احمد صاحب جن کے دستخط اکثر فتاوی پر ہیں کوئی ناقل فتاوی ہے'' —— مگر مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی نے اس کو حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کا فتوی سمجھ کر ''باقیات فتاوی رشیدیہ'' میں صفحہ (۱۷۱) پر عنوان (۲۱۴) کے تحت درج کیا ہے، یہ درست نہیں۔

نیز یہ فتوی ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ میں لکھا گیا ہے، اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات ۸ یا ۹ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ میں ہوئی ہے، اس لیے بھی یہ فتوی حضرت گنگوہیؒ کا نہیں ہوسکتا — اور مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی نے ''باقیات فتاوی رشیدیہ'' صفحہ: ۹۶ پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کا سن وفات ''تذکرۃ الرشید'' کے حوالہ سے ۱۳۳۳ھ لکھا ہے؛ وہ بھی غلط ہے، ''تذکرۃ الرشید'' میں متعدد جگہ صراحۃً لکھا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات ۱۳۲۳ھ میں ہوئی ہے، ملاحظہ فرمائیں: تذکرۃ الرشید: ۲/۳۲۶-۳۳۳، مطبوعہ: مطابع متفرقہ میرٹھ۔۱۲ محمد امین پالن پوری

(۴) مطبوعہ فتاوی میں ''الجواب صحیح'' کے بعد ''عزیز الرحمٰن'' لکھا ہوا ہے، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں صرف ''الجواب صحیح'' ہے، اس کے بعد کسی کے دستخط نہیں، اس لیے ہم نے ''عزیز الرحمٰن'' کو حذف کیا ہے۔

بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں، کیوں کہ درود شریف بھی دعا ہے، اور دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھنا منقول نہیں، علامہ سیوطی نے نسائی شریف کی شرح زہرالربی میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے جو اسی جلد میں پہلے سوال: (۱۹۲) پر ''وضاحت'' کے ضمن میں گذرا ہے اس کو ایک نظر ملاحظہ فرمائیں۔۱۲ محمد امین پالن پوری

## فاتحہ بلا بسم اللہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے

**سوال:** (۴۲۳) نماز میں سورۂ فاتحہ بلا بسم اللہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۲۶۷۱/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** نماز ہو جاتی ہے، اور کچھ نقص نہیں رہتا(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۱/۲)

## بسم اللہ قرآن شریف کا جزء ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۲۴) بسم اللہ قرآن شریف کا جزء ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو جہری نماز میں بسم اللہ کو بالجہر کیوں نہیں پڑھتے؟ یہاں ایک حافظ نے ماہ رمضان میں قرآن سناتے (ہوئے)(۲) صرف قل ھو اللہ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھی؟ (۳۷/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ ہر ایک سورت کا جزء نہیں ہے، محض فصل بین السورتین کے لیے اوائل سورت میں لکھی جاتی ہے، اور سوائے سورۂ توبہ ہر ایک سورت کے اوّل میں لکھنا اس کا ثابت ہے، مگر جزء ہونا اس سورت کا ثابت نہیں ہے، اس لیے جہر کرنا ہر ایک سورت کے ساتھ

---

(۱) وتسنّ التّسميّة أوّل كلّ ركعةٍ قبل الفاتحة ، لأنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يفتتح صلاته بـ بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم ، والقول بوجوبها ضعيف ، وإن صحح لعدم ثبوت المواظبة عليها (مراقي الفلاح ،ص:۲۶۰) ترك السّنّة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا ، بل إسائة لو عامدًا غير مستخف ، وقالوا : الإساء ة أدون من الكراهة ،در ، أي التّحريمية ، وفي السّيّد عن النّهر عن الكشف الكبير: حكم السّنة أنه يندب إلى تحصيلها ، ويلام على تركها مع لحوق إثم يسير اهـ . (حاشية الطّحطاوي: ص:۲۵۶، كتاب الصّلاة ، فصل في بيان سننها)

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (ہوئے) کی جگہ ''وقت'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

حکم نہیں ہے، صرف تمام قرآن شریف میں ایک آیت بسم اللہ بھی ہے، اس لیے تراویح میں جب قرآن شریف پورا پڑھا جاتا ہے تو ایک جگہ جہر کردیا جاتا ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۶/۲)

## فجر میں چھوٹی سورتوں کا پڑھنا کب درست ہے؟

**سوال:** (۴۲۵) صبح کی نماز میں وقت تھوڑا تھا اس وجہ سے اوّل رکعت میں سورہ کافِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی، بعد نماز ایک صاحب نے یہ فرمایا کہ نماز مکروہ تحریمی ہوئی، بڑی سورت پڑھنی چاہیے تھی۔ (۱۳۳۹/۲۷۸۹ھ)

**الجواب:** وہ نماز بلا کراہت صحیح ہوگئی۔ یہ کہنا کسی کا کہ یہ نماز مکروہ تحریمی ہوئی غلط ہے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی ہے، پس معلوم ہوا کہ جب کہ وقت تھوڑا ہو یا سفر وغیرہ میں عجلت ہو تو چھوٹی سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا درست ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۷/۲)

## فجر کی ہر رکعت میں پوری سورت پڑھنا افضل ہے

**سوال:** (۴۲۶) فقہاء صبح کی نماز میں طوال مفصل کو پڑھنا اور چالیس آیت پڑھنا مسنون کہتے ہیں، اور بعض سور طوال مفصل بیس آیت ہیں دو سورتیں پڑھنے سے ۴۰ آیات ہوں گی، کیا کرنا چاہیے؟ (۱۳۴۲/۱۶۵۶ھ)

---

(۱) وهي ـــ أي بسم الله ـــ آية واحدة من القرآن كلّه ، أنزلت للفصل بين السّور إلخ ، وليست من الفاتحة و لا من كلّ سورة في الأصحّ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: قراء ة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن) ظفیرؔ

(۲) و يُسَنُّ في السّفرِ مطلقًا أي حالةَ قَرارٍ أو فِرارٍ إلخ الفاتحةَ وجوبًا و أيَّ سورة شاء ، وفي الضّرورة بقدر الحال (الدّرّ المختار) أي سواء كان في الحضر أو السّفر إلخ، لأنّه عليه الصّلاة والسّلام قرأ في الفجر بالمعوّذتين إلخ . (الدّرّ المختار والشّامي : ۲۲۹/۲-۲۳۲، كتاب الصّلاة باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية) ظفیرؔ

**الجواب:** افضل اور بہتر یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں پوری سورت پڑھے، پس صبح کی نماز کی ہر ایک رکعت میں پوری سورت طوال مفصل کی پڑھے، سنت ادا ہو جائے گی، آیتوں کا لحاظ نہ کرے، خواہ چالیس ہو جائیں یا کم وبیش (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۴/۲)

## فجر کی نماز میں کس قدر قراءت سنت ہے؟

**سوال:** (۴۲۷) فجر کی نماز میں کس قدر قراءت پڑھنا سنت ہے؟ (۳۲/۱۴۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** طوال مفصل کی سورتیں صبح کی نماز میں پڑھنا سنت ہے، یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۱/۲)

## جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۴۲۸) جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنا مسنون ہے (یا نہیں؟) (۲) زید مسنون ہونے کی وجہ سے بیس جمعہ کی فجر میں دونوں سورت پڑھتا ہے، اور اکیسویں جمعہ کی فجر میں اور سورت پڑھتا ہے، اس خیال سے کہ عوام ان کا پڑھنا فرض نہ خیال کریں، تو یہ اولویت کے خلاف ہے یا نہیں؟ (۸۱۵/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** احادیث میں بے شک ایسا آیا ہے، لیکن حنفیہ اس کو بعض اوقات پر حمل کرتے ہیں، اور مواظبت اس کے ساتھ پسند نہیں کرتے، کیونکہ وہ تعیین سورت کو کسی نماز کے لیے منع فرماتے ہیں، لہٰذا کبھی کبھی ایسا کر لیوے تو کچھ حرج نہیں ہے، دوام اس پر نہ کرے، درمختار میں ہے: **ويكره التّعيين**

(۱) و يُسنُّ في الحضر لإمام ومنفرد إلخ طوال المفصّل من الحجرات إلى آخر البروج في الفجر والظّهر إلخ أي في كلّ ركعة سورة ممّا ذكر (الدّرّ المختار) أي من الطّوال والأوساط والقصار، ومقتضاه أنّه لا نظر إلى مقدار معيّن من حيث عدد الآيات إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۰-۲۳۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب: السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية) ظفیرؒ

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

کـ" السّجدة " و" هل أتى " لفجر كلّ جمعة ، بل يندب قراء تهما أحيانًا(۱) فقط (۲/۲۱۷)

## جمعہ کی نماز میں کونسی سورتیں پڑھنی چاہئیں؟

**سوال:** (۴۲۹) جمعہ کی (نماز) (۲) میں سورۂ جمعہ اور منافقون سنت ہے، ان کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا خلافِ سنت تو نہیں ہے؟ (۱۰۶۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھنا (۳) اکثر ثابت ہے نہ ہمیشہ، اگر کوئی (شخص) (۴) کبھی ان کے علاوہ پڑھے تو سنت کے خلاف نہیں بلکہ اس سے عوام کا مغالطہ سے بچنا زیادہ قریب اور اسی وجہ سے احناف کے یہاں تعیین سورت نہیں ہے (۵) فقط (۲/۲۶۰)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة .

(۲) مطبوعہ فتاویٰ اور رجسٹر نقول فتاویٰ میں 'نماز' کے بجائے 'فجر' تھا، ہم نے مسلم شریف کی روایت سے جو اگلے حاشیہ میں مذکور ہے تصحیح کی ہے۔۱۲ محمد امین

(۳) عن عبيد الله بن أبي رافع رضي الله عنه قال:...... صلّى لنا أبو هريرة الجمعة فقرأ سورة الجمعة في السجدة الأولى و في الآخرة إذا جَاءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ ، فقال : سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقرأ بهما يوم الجمعة ، رواه مسلم ( مشكاة المصابيح، ص:۸۰، كتاب الصّلاة ، باب القراء ة في الصلاة ، الفصل الثّاني ) محمد امین

(۴) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۵) و إذا فرغ من الخطبة أقام الصّلاة وصلّى بالنّاس ركعتين على ما هو المتوارث المعروف و في التّحفة وغيرها يقرأ فيهما قدر ما يقرأ في الظّهر لأنّهما بدل منه ، و إن قرأ بـ سورة الجمعة و إذا جَاءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ أو بـ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ و هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَة تبرّكًا بالمأثورة عنه عليه الصّلاة والسّلام على ما مرّ في صفة الصّلاة كان حسنًا ، لكن يتركه أحيانًا لئلّا يتوهّم العامّة وجوبَه. (غنية المستملي، ص:۴۸۳، فصل في صلاة الجمعة ، البحث الثّاني في صفتها ) ظفیرؒ

## مستورات سب نمازوں میں قراءت آہستہ کریں

**سوال:** (۴۳۰) عورتیں نماز سریہ، وجہریہ میں قراءت جہر سے کریں یا آہستہ؟

(۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

**الجواب:** عورتیں سب نمازوں میں قراءت آہستہ کریں۔ (۱)(۲/۲۶۶)

## حافظہ عورت نفل نماز اور تراویح میں جہراً قراءت نہ کرے

**سوال:** (۴۳۱) عورت حافظہ اگر نماز نفل یا تراویح میں قراءت بالجہر مکان کے اندر پڑھے، اوراس مکان میں سوائے شوہر و دیگر محارم کے دوسرا شخص نہ ہو، تو جہر بالقراءت نماز میں اس کو جائز ہوگا یا نہیں؟ نماز اس کی صحیح ہوگی یا فاسد؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** جو عورت حافظ قرآن (ہو)[۲] نماز میں جہر نہیں کرسکتی، اس واسطے کہ کلامِ عورت عندالبعض عورت ہے، (شامی جلداوّل) **وعلیٰ ھٰذا لو قیل: إذا جھرت بالقراءۃ في الصّلاۃ فسدت کان متّجھًا إلخ**[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۹، اور ۲/۲۵۳)[۴]

---

(۱) جواب میں درج عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدین نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔

**في الکبیري: قال ابن الھمام: صُرّح بالنّوازل بأن نغمۃ المرأۃ عورۃ — إلی قولہ — وعلی ھذا لو قیل: إذا جھرت بالقرآن في الصّلاۃ فسدت کان متّجھًا. (غنیۃ المستملي، ص:۱۹۰، فروع من بحث السّتر)**

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (ہو) کی جگہ ''ہے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

**(۳) ردّ المحتار: ۲/۷۲، کتاب الصّلاۃ، باب شروط الصّلاۃ، مطلب في ستر العورۃ.**

(۴) یہ سوال وجواب اور مطبوعہ فتاوی جلد۲/۲۵۳-۲۵۴، سوال نمبر: ۴۷۰ کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے ایک حذف کردیا گیا ہے۔

## فاتحہ کے بعد کتنی قراءت واجب ہے؟

سوال: (۴۳۲) بعد فاتحہ کے امام کو تین آیت پڑھ کر رکوع کرنا چاہیے یا ایک آیت کافی ہے؟
(۱۶۲۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: تین آیت سے کم نہ چاہیے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۰/۲)

## نماز میں کس قدر قراءت فرض ہے؟

سوال: (۴۳۳) نماز میں قراءت فرض ہے، سو کس قدر فرض ہے؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: مطلق قراءت بہ قدر ایک آیت کے فرض ہے، کما في الشّامي: أي قراءة آية من القرآن وهي فرض عملي [۲] اورالحمد شریف اوراس کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ اورمقدار چھوٹی سورت (کی)[۳] جیسا ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ تین آیتیں ہیں، واجب ادا ہو جائے گا[۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۶/۲)

---

(۱) قرأ المصلّی لو إمامًا أو منفردًا الفاتحة و قرأ بعدها وجوبًا سورة أو ثلاث آيات ولو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاث آيات قصارٍ انتفت كراهة التّحريم، ذكره الحلبيّ ولا تنتفي التّنزيهيّة إلّا بالمسنون. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۱/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة و السّورة حسن) ظفیرؒ

(۲) ردّ المحتار: ۱۱۸/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مبحث القراءة.

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (کی) کی جگہ ''سے'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدین نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔

وتجب قراءة الفاتحة وضمّ السّورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصارٍ أو آيةٍ طويلةٍ في الأولیين بعد الفاتحة. (الفتاوی الهندية: ۷۱/۱، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة الفصل الثّاني في واجبات الصّلاة)

## نماز میں تین آیتیں پڑھنا فرض ہے یا واجب؟

**سوال:** (۴۳۴) جو تین آیت قرآن شریف کی نماز میں پڑھی جاتی ہے، یہ فرض ہے، یا کیا؟

(۱۳۴۰/۲۲۵۹ھ)

**الجواب:** درمختار میں واجبات نماز میں شمار کیا ہے، قراءت فاتحہ اور ضم سورت کو یا تین آیت کو **وضمّ أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث آيات قصار إلخ ، وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثًا قصارًا إلخ**(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۱/۲)

## سورۂ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھنا افضل ہے

**سوال:** (۴۳۵) کسی امام نے دو رکعت میں بعد فاتحہ کے ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ (سورہ آل عمران، آیت:۲۶) سے دو چار آیت پڑھ کر بدستور نماز کو تمام کرلیا، یہ نماز مکروہ ہوئی یا نہیں؟ **ردّ المحتار قبيل باب الإمامة** میں جو لکھا ہے، **قوله: (وأن يقرأ في الأولىٰ من محلّ إلخ) قال في النّهر: و ينبغي أن يقرأ في الرّكعتين آخر سورة واحدة لا آخر سورتين فإنّه مكروه عند الأكثر**(۲) اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ (۱۸۹۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی نہیں ہے، کیوں کہ عبارت ردالمحتار میں مکروہ اس کو لکھا ہے کہ دو رکعت میں دو سورتوں کا آخر پڑھے، اور ایک سورت کے آخر کی آیتیں دونوں رکعت میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے، یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے، لیکن غیر اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہے، کیونکہ افضل و اولیٰ و سنت یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھے **كما في ردّ المحتار: بأنّ**

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۲/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة ، مطلب : كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التّحريم تجب إعادتها .

(۲) ردّ المحتار: ۲۳۸/۲، كتاب الصّلاة ، فصل في القراءة ، قبيل باب الإمامة .

الأفضل في كلّ ركعة الفاتحة و سورة تامّة إلخ (۱) اور ظاہر ہے کہ غیر اولی کا مآل مکروہ تنزیہی ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۱-۲۲۲)

## جملہ قراءات متواترہ کے ساتھ نماز صحیح ہے

**سوال:** (۴۳۶) فن قراءت اصول وفرع دو قسم ہے، اور سات ائمہ اور چودہ روایات سے مروی ہے، تو نماز کے اندر تمام کی قراءت جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں یا فقط فرع کی؟ یعنی اختلاف فرش الحروف کا نماز کے اندر اجراء کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک کلمہ ایک راوی کا، اور ایک کلمہ دیگر راوی کا نماز میں اجراء کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۲۲۹/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** نماز جملہ روایات متواترہ کے ساتھ صحیح ہے، لیکن روایات غریبہ غیر معروفہ کو پڑھنا نماز میں اچھا نہیں، اگرچہ وہ متواترہ ہوں، کیوں کہ عوام کو اس میں مضرت ہے۔ كما في الدّرّ المختار: ويجوز بالرّوايات السّبع و في الشّامي: بل يجوز بالعشر أيضًا ، لكنّ الأولٰى أن لا يقرء بالغريبة عند العوام صيانةً لدينهم إلخ . وفي الشّامي: قوله: (بالغريبة) أي بالرّوايات الغريبة و الإمالات لأن بعض السّفهاء يقولون مالا يعلمون فيقعون في الإثم و الشّقاء ولا ينبغي للإئمّة أن يحمل العوام على ما فيه نقصان دينه ولايقرء عندهم مثل قراء ة أبي جعفر وابن عامر و علي بن حمزة والكسائي صيانةً لدينهم فلعلّهم يستخفون أو يضحكون ، و إن كان كلّ القراء ات والرّوايات صحيحةً فصيحةً ومشائخنا اختاروا قراء ة أبي عمر وحفص عن عاصم أهـ من التّاترخانية عن فتاوى الحجّة (۲)

الحاصل جو قراءت اب عمومًا مروج ہے، اور قرآنوں میں مطبوع ہے، یعنی قراءت حفص کی عاصم سے اسی کو پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۶-۲۲۷)

---

(۱) ردّ المحتار : ۲/۲۳۱، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، مطلب : السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية .

(۲) الدّرّ المختار وردّ المحتار : ۲/۲۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة مطلب : السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية .

## آیت: لا پر وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۳۷) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ الآیة﴾ ﴿عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ نِ ۝ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ الآیة﴾ آیت: لا پر اگر سانس ختم یا بند ہو جانے کی وجہ سے وقف کرے، اور اخیر لفظ کو نہ دُہرا کر آگے (پڑھتا)(۱) چلے، تو نماز میں کیا خلل ہے؟ نیز تیسری مثال میں اگر وقف کرلیا ہو تو آگے الَّذِیْ کہہ کر پڑھا جائے یا نِ الَّذِي کہہ کر؟ (۱۳۳۱/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** آیت لا پر بہ ضرورت وقف کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور لفظ ماقبل کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور نماز میں کچھ خلل نہیں ہے، اور تیسری مثال میں الَّذِیْ اور نِ الَّذِي پڑھنا دونوں طرح درست ہے۔ (مگر حالت وقف میں الَّذِیْ پڑھنا چاہیے۔ ظفیرؒ) فقط (۲/ ۲۲۷)

**سوال:** (۴۳۸) آیت: ۝ۙ پر وقف کر دینے سے کچھ حرج ہوتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۱۸۰ھ)

**الجواب:** آیت: ۝ۙ پر وقف کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور نماز صحیح ہے۔ فقط (۲/ ۲۴۳)

## ہر آیت پر وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۳۹) وقف کرنا ہر آیت پر خواہ ماقبل و مابعد سے اس آیت کا تعلق ہو یا نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (اور) (۲) الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کو نماز میں وصل نہ کرنا مفسد نماز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۶۱ھ)

**الجواب:** جواز میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اور الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ پر وقف کرنا درست ہے، مفسد نماز نہیں ہے۔ فقط (۴/ ۳۷)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (پڑھتا) کی جگہ ''بڑھتا'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) 'اور' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔ ۱۲

## امام نے مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ پر سانس توڑا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۴۰) امام نے صبح کی دوسری رکعت میں ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ (پڑھی اور ﴿اِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ﴾ (۱) وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ﴾ سے ﴿يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ لا الَّذِيْ﴾ پر سانس توڑا، ایک شخص کہتا ہے کہ اس طرح پڑھنا ناجائز ہے۔

(۱۳۳۷/۱۸۴۶ھ)

الجواب: اس صورت میں قراءت صحیح ہوئی، اور نماز میں کچھ خلل اور فساد نہیں آیا (۲) فقط (۲/ ۲۲۸)

## رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر وقف کرنا

سوال: (۴۴۱) امام ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پر پختہ آیت کرتا ہے، نماز میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۱۳۴۲/۱۱۸۰ھ)

الجواب: کچھ کراہت وغیرہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۴۳)

## سورۂ عصر میں سامع نے وَالْعَصْ اور لَفِيْ خُس سنا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۴۲) زید نے نماز جہری میں سورۂ وَالْعَصْرِ پڑھی، اس صورت سے کہ ﴿وَالْعَصْرِ﴾ کے اوپر وقف کیا، اور سامع نے وَ الْعَصْ سنا بہ حذف راء، اور ثانیًا ﴿لَفِيْ خُسْرٍ﴾ پر وقف کیا، اور سامع نے لَفِيْ خُسْ بہ اسقاط راء سنا، اگر وقف اخیر بہ اسقاط حرکت یا تنوین بدون راء ہو تو ایسے مقام پر وقف کرنا جائز ہے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ۱۷ مواضع پر قرآن شریف میں

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) ومنها زَلّة القارئ فلو في إعراب أو تخفيف مشدّد وعكسه إلخ أو بوقف و ابتداء لم تفسد وإن غيّر المعنى به يفتى . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۳۸۱-۳۴۰، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها ، مطلب : مسائل زَلّة القارئ) ظفیرؒ

وقف کرنا مفضی الی الکفر (ہونا منقول)(۱) ہے، جس میں سے ایک موضع ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ اور ۱۶ مواضع میں جو سترواں موضع ہے وہ وَالْعَصْرِ والا ہے کہ فساد اس کا اظہر من الشمس ہے۔ علاوہ ازیں وقف مابین مبتداء وخبر اور صفت وموصوف وفعل وفاعل اور (مستثنیٰ و)(۲) مستثنیٰ منہ وصلہ وموصول وغیر ذلک، بناء بر قاعدہ نحویہ فصل و وقف جائز یا ناجائز جو موضع متنازع فیہ جملہ استثنائیہ ہے۔ بینوا توجروا۔ (۱۳۴۲/۱۲۰ھ)

**الجواب:** اعتبار پڑھنے والے کا ہے، سننے والا اگر کسی حرف کو نہ سنے تو اس سے قاری کا نہ پڑھنا لازم نہیں آتا، پس جب کہ قاری نے وَالْعَصْرِ پڑھا ہے، اور اسی طرح ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ پڑھا ہے تو نماز ہوگئی، اور ان دونوں موقعوں پر وقف کرنے سے نماز باطل نہیں ہوئی (۳) اور نہ کفر ہوا، اور کسی موقع پر بھی کفر نہیں ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو روایات سترہ (۱۷) موقع پر وقف کرنے سے کفر کے لازم ہونے کی نقل کی ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۰/۴)

## فَعَّالٌ کے عین پر جزم پڑھنا

**سوال:** (۴۴۳) امام ﴿فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ﴾ میں عین پر جزم کرتا ہے، نماز صحیح ہے یا نہیں؟
(۱۳۴۲/۱۱۸۰ھ)

**الجواب:** فَعَّالٌ کے عین میں ادغام ہے یعنی اس میں دو عین ہیں، پہلا ساکن دوسرا متحرک، گویا اصل اس کی یہ ہے فَعْ عَالٌ، پس اگر اسی طرح پڑھا تو نماز صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۳/۲)

---

(۱) 'ہونا منقول' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔ ۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۳) إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ في غير موضع الابتداء إن لم يتغيّر به المعنى تغيرًا فاحشًا نحو أن يقرأ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ و وقف ثم ابتدأ بقوله ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ لا تفسد بالإجماع بين علمائنا، هٰكذا في المحيط، وكذا إن وصل في غير موضع الوصل إلخ لا تفسد لكنه قبيح، هكذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۸۱/۱، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفیرؒ

## یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا پر وقف کرنا

**سوال:** (۴۴۴) امام آیتِ کریمہ: ﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا﴾ (سورۂ نبأ، آیت: ۳۸) پر اگر وقف کردے تو نماز صحیح ہے یا نہ؟ (۱۱۸۰/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** نماز صحیح ہے، اور صَفًّا پر وقف کردینے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔ (۲/۲۴۳)

## نماز میں بے موقع وقف کرنے اور جزوسورت پڑھنے کا حکم

**سوال:** (۴۴۵) ...... (الف) زید ایک قاری وقف اضطراری بہت کثرت سے کرتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نہایت ترتیل سے پڑھتا ہے، عشاء اور فجر میں اکثر جزءِ سورت پڑھتا ہے، مصلیوں اور لوگ بھی قرآن صحیح بلا وقوف اضطراری پڑھ سکتے ہیں، مصلیوں میں سے بعض ایسے پڑھنے کو طبعاً بہت مکروہ سمجھتے ہیں، بڑی آیت میں کئی جگہ اور چھوٹی میں ایک، کبھی دو جگہ وقف کیا جاتا ہے، مثلاً ﴿اَطْعَمَهُمْ﴾ (اضطراری) اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ (اضطراری) مِّنْ خَوْفٍ o﴾ [1] ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَ مَا o (اضطراری) وَ مَآ اَدْرٰكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ o﴾ اس طرح وقف کرنا جائز ہے یا مکروہ؟

(ب) اور جزءِ سورت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(ج) بعض مصلیان کا مکروہ سمجھنا ترک امامت کے لیے دلیل ہے یا نہیں؟

(د) جب قاری مذکور تدویر سے بلا وقف اضطراری پڑھ سکتا ہے، تو ایسے پڑھنے سے اس کو منع کیا جائے گا یا نہیں؟ (۲۴۳۰/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** (الف) اس طرح (وقف) [2] اضطراری میں دوبارہ آیت کا اعادہ کرلینے سے کچھ

(۱) مطبوعہ فتاوی میں خوف کے بعد ''اور مثلاً'' ہے یہ جملہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے بڑھایا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاوی میں (وقف) کی جگہ ''وقوف'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

کراہت نہیں رہتی، اور مقتدیوں کو بھی اس سے کراہت کرنا نہ چاہیے؛ لیکن جب کہ دوسرا شخص صحیح پڑھنے والا قرآن شریف کا موجود ہے جو کہ اس قدر کثرت سے وقف اضطراری نہیں کرتا تو اس کا امام ہونا اچھا ہے، کیوں کہ مقتدیوں کی رعایت بہتر ہے(۱)

(ب) اور جزء سورت ہمیشہ پڑھنا خلاف سنت ہے اور غیر اولیٰ ہے، بہتر یہ ہے کہ نماز میں پوری سورت پڑھی جائے، شامی میں ہے: صرّحوا بأنّ الأفضل في كلّ ركعة الفاتحة وسورة تامّة إلخ(۲) (الشّامي: ۱/۳۶۳)

(ج) مصلیان کا کسی امام کی امامت کو مکروہ سمجھنا اگر بہ وجہ امام کی خرابی کے ہو تو اس امام کو امامت کرنا مکروہ ہے، اور اگر امام میں کچھ خرابی نہیں ہے تو (پھر) (۳) مقتدیان کا مکروہ سمجھنا برا ہے(۴) (كذا في الدّرّ المختار)

(د) بے شک اگر تدویر سے بدون اوقاف اضطراری کے پڑھ سکتا ہے (تو)(۵) ویسا ہی پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۹-۲۳۰)

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إذا صلّى أحدكم للنّاس فليخفف فإنّ فيهم السّقيم والضّعيف والكبير، و إذا صلّى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۱، كتاب الصّلاة، باب ما على الإمام الفصل الأوّل)

(۲) ردّ المحتار: ۲/۲۳۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب: السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية.

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) ولو أمّ قومًا وهوله كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنّهم أحقّ بالإمامة منه كره له ذلك تحريمًا إلخ و إن هو أحقّ، لا، والكراهة عليهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۵۴، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، قبل مطلب: البدعة خمسة أقسام) ظفیرؒ

## تجوید کی عدم رعایت سے نماز فاسد نہیں ہوتی

**سوال:** (۴۴۶) امام باوجود تجوید جاننے کے قراءت تجوید سے نہ پڑھے مثلاً آیت کی جگہ نہ ٹھہرا یا بغیر آیت کے سانس لے لی، یا وقفۂ سکتہ پر سانس لیتے ہوئے ٹھہرا، یا وقف اور وقف لازم اور وقف النبی کا خیال نہیں کیا، یا مد کی جگہ قصر کیا، یا نون اظہار کی جگہ اخفاء کیا، تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟
(۱۳۳۸/۴۹۳ھ)

**الجواب:** نماز ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۱)

## سورۂ فاتحہ میں سکتہ نہ کرنے سے شیطان کا نام نہیں بنتا

**سوال:** (۴۴۷) بعض کا قول ہے کہ الحمد یعنی سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتات کرنے چاہیے، اگر یہ سکتات نہ کیے جائیں تو نام شیطانی پیدا ہوتا ہے جو کہ مفسد صلاۃ ہے، یہ قول صحیح ہے یا غلط؟
(۱۳۳۷/۲۲۸۲ھ)

**الجواب:** یہ قول بالکل باطل اور محض لغو ہے۔ کما حقّقه في "القول الفاصل بین الحقّ و الباطل" للإمام محمّد بن عمرو بن خالد القرشيّ حیث قال: اعلم أنّ هؤلاء القائلین عمّوا فیما زعموا، وغفلوا فیما نقلوا، بل أنّ ما زعموه وسواس صرف و مانقلوه افتراء محض إلخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۲۸-۲۲۹)

**سوال:** (۴۴۸) زید کہتا ہے کہ اَلْحَمْدُ کی دال پر وقف کر کے لِلّٰہ کہنا چاہیے کیوں کہ وقف نہ کرنے میں دللّ معلوم ہوتا ہے، اور دللّ شیطان کا نام ہے، علیٰ ہٰذا اِیَّاکَ کے کاف پر وقف کرنا چاہیے کیوں کہ وقف نہ کرنے سے کَنَعْبُدُ معلوم ہوتا ہے اور یہ نام شیطان کا ہے؛ یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟
(۱۳۳۳-۳۲/۳۷۲ھ)

**الجواب:** یہ قول زید کا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۸۸)

---

(۱) القول الفاصل بین الحقّ والباطل المتصل بالحلبي الکبیر، ص: ۵۳۷۔

نوٹ: اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷/ ۲۷۹-۲۸۱، کتاب الحظر و الإباحة، قراءت وتجوید کا بیان، سوال نمبر (۱۶۰۶)

## نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

**سوال:** (۴۴۹)......(الف) اگر نماز کے اندر قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جائے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(ب) قرآن مجید سے مقصود دراصل لفظ ہے یا معنی؟ (۵۵۹/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** (الف-ب) قراءت قرآن میں مقصود اصلی دونوں ہیں، لفظ بھی اور معنی بھی، اور قرآن نام ہے اس کلام اور عبارت خاص کا جو کہ مکتوب فی المصاحف ہے، اور عربی زبان میں ہے: **قال اللّٰه تعالٰی:** ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (سورۂ یوسف، آیت:۲) پس جو نظم عربی نہیں ہے وہ قرآن نہیں ہے، اور نہ حکم تلاوت قرآن کا اس پر صادق آتا ہے، اور نہ وہ ثواب حاصل ہوسکتا ہے، حدیث شریف میں ہے: **قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: من قرأ حرفًا من کتاب اللّٰه فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها لا أقول: الٓمّٓ حرف، الف حرف، و لام حرف، ومیم حرف، رواه التّرمذيّ وغیره عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه**[1] شامی میں ہے: **لأنّ الإمام رجع إلی قولهما في اشتراط القراءة بالعربیة، لأن المأمور به قراءة القرآن، وهو اسم للمنزّل باللّفظ العربيّ المنظوم، هذا النّظم الخاصّ المکتوب في المصاحف المنقول إلینا نقلاً متواترًا إلخ**[2] اس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین اس میں متفق ہوگئے ہیں کہ نماز میں قراءت قرآن انہیں کلمات عربیہ کے ساتھ ہونی چاہیے جو کہ حقیقۃً قرآن ہے اور مصاحف میں لکھا ہوا ہے، إلٰی اٰخرہٖ.

الحاصل نماز کے اندر ترجمہ قرآن شریف کا پڑھنے سے نماز نہ ہوگی، کیونکہ نماز میں قراءت قرآن شریف فرض ہے، اور قرآن نام نظم عربی کا ہے، ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جاتا مگر مجازًا. **کما قال في ردّ المحتار: و الأعجمي إنّما یسمّی قرآنًا مجازًا و لذا یصحّ نفي اسم القرآن عنه إلخ**[2] **(شامي).** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۱-۲۳۲)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، ص:۱۸۶، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني.

(۲) ردّالمحتار: ۱۶۲/۲، کتاب الصّلاۃ، باب صفة الصّلاۃ، مطلب: الفارسیّة خمس لغات.

## قرآن کا ترجمہ نماز میں پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۴۵۰) ایک زبردست عالم کا بیان ہے کہ اگر قرآن شریف کی کسی آیت کا ترجمہ اردو میں پڑھ لیا جاوے تو نماز ادا ہو جاتی ہے، کیوں کہ قرآن شریف کلام اللہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ترجمہ ہے، جو رسول مقبول ﷺ نے عربی زبان میں کیا، اور قرآن شریف کے نزول کا یہ ذریعہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا، انہوں نے اپنی زبانِ مبارک سے ادا کیا، یہ بیان اس مولوی کا صحیح یا غلط؟ (۲۲۷۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** اس زبردست عالم کے حوالہ سے جو مسئلہ آپ نے لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب دین کے عالم نہیں ہیں، افسوس ہے کہ ایسے ایسے غلط مسئلے نام کے عالم بیان کر دیتے ہیں، **الحمد** یا کسی سورت کا ترجمہ نماز میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، کیونکہ قرآن شریف نام ہے اس عربی کلام اللہ کا جو ما بین الدّفّتین ہے، یعنی دو پٹھوں کے درمیان میں جو کلام اللہ ہے یہی قرآن شریف ہے، اور یہی کلام اللہ ہے، اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے (۱)

پس اس مولوی کا یہ کہنا کہ یہ عربی قرآن شریف کلام اللہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ترجمہ ہے الخ بالکل غلط (۲) اور افتراء ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ (سورۂ یوسف، آیت:۲)

(۱) كما صحّ لو شرع بغير عربيّة إلخ ، أو قرأ بها عاجزًا فجائز إجماعًا ، قيّد القراء ة بالعجز لأنّ الأصحّ رجوعه إلى قولهما ، و عليه الفتوى ، قلتُ: و جعل العيني الشّروع كالقراء ة لا سلف له فيه ولا سند له يقوّيه (الدّرّ المختار) و إنّما المنقول أنّه رجع إلى قولهما في إشتراط القراء ة بالعربيّة إلّا عند العجز إلخ ، لأنّ الإمام رجع إلى قولهما في إشتراط القراء ة بالعربيّة لأنّ المأمور به قراء ة القرآن ، و هو اسم للمنزل باللّفظ العربيّ المنظوم هذا النّظم الخاصّ المكتوب في المصاحف المنقول إلينا نقلاً متواترًا إلخ . (الدّرّ و ردّ المحتار: ۲/۱۶۱-۱۶۲، باب صفة الصّلاة ، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ،مطلب:الفارسيّة خمس لغات) ظفیرؒ

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں 'غلط' کے بعد 'ہے' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'ہے' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ ۱۲

اسی طرح بہت جگہ قرآن کو عربی فرمایا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْآنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾ (سورۂ حم سجدہ، آیت:۴۴) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم قرآن کو عربی زبان میں نہ اتارتے اور (اعجمی)(۱) کرتے، یعنی سوائے عربی کے دوسری زبان میں اتارتے تو کفار یہ اعتراض کرتے کہ عربی پیغمبر پر عجمی قرآن اتارا گیا، یہ عجیب بات ہے، اور فقہ کی کتابوں میں صاف یہ لکھا ہے کہ نماز میں قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، البتہ جو شخص نومسلم کوئی ایسی موٹی زبان کا ہے کہ اس سے عربی لفظ نہیں کہے جاتے اس کو تاوقتیکہ وہ سیکھے اور قرآن پڑھ سکے یہ درست ہے کہ ترجمہ ہی پڑھ لے، کیوں کہ وہ معذور ہے قرآن کے پڑھنے سے، اور یہ کہنا اس کا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈال دیا، آپ نے اپنی زبان سے عربی الفاظ میں بیان کر دیا، یہ عقیدہ بھی (اس کا بالکل)(۲) اہل سنت کے خلاف ہے، یہ نیچریت اور مرزائیت (کی خرابی معلوم ہوتی ہے)(۳) (اہلِ اسلام اہل سنت)(۲) کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے یہ قرآن شریف نازل ہوا ہے، خود قرآن شریف میں آیا ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ (سورۂ شعراء، آیت:۱۹۳) کہ اس قرآن کو روح امین یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے پاس سے اتارا ہے، الغرض ایسے بدعقیدہ والے کی بات نہ سننی اور نہ ماننی چاہیے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۶۴-۲۶۶)

## امام نے مقدار واجب قراءت کرنے کے بعد بھولنے کی وجہ سے نماز توڑ دی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۵۱) امام نے نماز شروع کی، اور تین یا چار آیت پڑھ کر بھول گیا، تو اب اس کو رکوع

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (اعجمی) کی جگہ ''عجمی'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان جو الفاظ ہیں ان کو رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (کی خرابی معلوم ہوتی ہے) کی جگہ ''کے معتقد معلوم ہوتے ہیں'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

کرنا تھا، اس نے نماز توڑ دی، پھر دوبارہ الحمد سے شروع کی تو کیسا ہے؟ (۷/۴۰ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** نماز توڑنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن جب دوبارہ اس نماز کو پڑھ لی تو ادا ہوگئی (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۲-۲۳۳)

## امام دو آیت پڑھ کر بھولنے کی وجہ سے چوتھی آیت یا دوسری سورت پڑھے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۴۵۲) امام نے نماز شروع کی، دو آیت پڑھ کر بھول گیا، تو چوتھی یا پانچویں آیت سے شروع کی، یا دوسری سورت، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ (۷/۴۰ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** نماز صحیح ہے، اور سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۳۳)

**سوال:** (۴۵۳) امام دو آیت پڑھ کر تیسری نصف آیت سے بھول گیا، تو چوتھی یا پانچویں آیت سے یا دوسری سورت شروع کردی، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ (۷/۴۰ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** اس صورت میں بھی نماز ہوگئی، اور سجدہ سہو لازم نہیں ہے (۲) فقط (۲/۲۳۳)

---

(۱) وضمّ أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها ، و هو ثلاث آيات قصار نحو ﴿ ثُمَّ نَظَرَ . ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ . ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴾ (سورة المدّثر ، الآية: ۲۱-۲۳) وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثًا قصارًا . (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب :كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التحريم تجب إعادتها) ظفیرؒ

(۲) يكره أن يفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه بل ينتقل إلى آية أخرى لا يلزم من وصلها ما يفسد الصّلاة . (ردّ المحتار : ۲/۳۳۰، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب : المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام) ظفیرؒ

لو قرأ آية تعدل أقصر سورة جاز إلخ وقدرها من حيث الكلمات عشر و من حيث الحروف ثلاثون . (ردّ المحتار: ۲/۲۲۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ،فصل في القراءة قبيل مطلب في الفرق بين فرض العين و فرض الكفاية) ظفیرؒ

## ایک آیت پڑھنے کے بعد امام بھول جائے تو کیا کرے؟

**سوال:** (۴۵۴) امام نے قراءت شروع کی اور اس کو سہو ہوا، حالانکہ بہ قدر ایک آیت کے پڑھ چکا تھا، اس نے اس موقع کو چھوڑ کر دوسری جگہ سے پڑھا، یہ کیسا ہوا؟ (۱۳۳۵/۱۶۲۶ھ)

**الجواب:** یہ اچھا کیا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۰/۲)

## جن لفظوں میں دو قراءتیں ہیں ان کو دو مرتبہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۵۵) قرآن شریف میں بعض جگہ چھوٹے حروف لکھے ہوتے ہیں، مثلاً: بَصْطَةً، هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ، عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ، ان میں سے کونسا حرف دو مرتبہ پڑھا جاوے؟ پنجاب میں دو مرتبہ پڑھتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟ (۱۳۳۸/۱۸۵۹ھ)

**الجواب:** لفظ بَصْطَةً (سورہ اَعراف، آیت:۶۹) اور هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (سورہ طور، آیت:۳۷) اور عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (سورہ غاشیہ، آیت:۲۲) کے اوپر 'س' لکھنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ لفظ سین سے پڑھا گیا ہے اور صاد سے بھی، یعنی تلاوت کرنے والا خواہ سین پڑھے (یا)[۲] صاد، نماز صحیح ہے، اور یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے کلمات کو دو دفعہ پڑھے، بلکہ جس قاری کا اتباع کرے اسی کے موافق پڑھے۔ قوله: ﴿الْمُصَيْطِرُوْن﴾ وفي قراءة لابن كثير: بالسّين بدل الصّاد، المتسلطون الجبّارون إلخ[۳] (كمالين) ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ و في قراءة بالصّاد بدل السّين

---

(۱) يُكْرَهُ أن يُفتَحَ من ساعَتِهٖ كما يُكره للإمام أن يُلجئه إليه، بل ينتقل إلٰى آية أخرىٰ لا يلزم من وصلها ما يفسد الصّلاة أو إلٰى سورة أخرىٰ أو يركع إذا قرأ قدر الفرض إلخ وفي رواية قدر المستحبّ إلخ. (ردّ المحتار: ۳۳۰/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع التي لا يجب فيها ردّ السّلام) ظفیرؒ

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (یا) کی جگہ ''خواہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲۔

(۳) حاشية تفسير جلالين: ص:۴۳۶، رقم الهامش: ۱۹، تفسير سورة الطّور، المطبوعة: مطبع أصحّ المطابع.

أي بمسلّط[۱] وفي القاموس: البصط: البسط في جميع معانيه[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۲/۲۳۳-۲۳۴)

## ہر رکعت میں سورت کے ساتھ سورۂ اخلاص پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۴۵۶) ایک امام نے نماز جہری میں بعد الحمد کے جو سورت پڑھی اس (سورت)[۳] کے ساتھ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ کر رکوع سجود کیا، اور دوسری رکعت میں الحمد کے ساتھ کوئی اور سورت ملا کر اس کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھے، حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۷۵ھ)

الجواب: فرائض میں عند الحنفیہ ایسا کرنا مکروہ ہے، شرح منیہ میں ہے: والحاصل أنّ تكرار السّورة الواحدة في ركعةٍ واحدةٍ مكروه في الفرض، ذكره في فتاوٰی قاضي خان و كذا تكرارها في ركعتين منه بأن قرأها في الأولى ثمّ كرّرها في الرّكعة الثّانية يكره، ذكره في القنية، لكن هذا إذا كان لغير ضرورة، بأن كان يقدر قراءة سورة أخرىٰ، أمّا إذا لم يقدر فلا يكره إلخ و لا يكره تكرار السّورة في ركعة أو في ركعتين في التّطوّع إلخ[۴] پس معلوم ہوا کہ فرائض میں ایسا کرنا مکروہ ہے، اور نوافل میں جائز ہے۔ فقط (۲/۲۳۴-۲۳۵)

## ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ اخلاص پڑھنا خلاف سنت ہے

سوال: (۴۵۷) امرتسر کے گردونواح میں گاؤں کے رہنے والے حضرات پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ اخلاص پڑھتے ہیں، اور دوسری رکعت میں بھی سورہ اخلاص پڑھتے ہیں، آیا ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر کوئی دہقانی نہ جانتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۲۹۴۰ھ)

الجواب: طریق سنت یہ ہے کہ ایک سورت کو بار بار پہلی اور دوسری رکعت میں نہ پڑھیں،

---

(۱) تفسير جلالين: ص:۴۹۸، تفسير سورة الغاشية.

(۲) القاموس المحيط: ۱/۶۳۷، باب الطّاء، فصل الباء، المطبوعة: بولاق، مصر.

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (سورت) کی جگہ ''صورت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۴) غنية المستملي، ص:۳۰۸، فصل في صفة الصّلاة.

بلکہ مختلف سورتیں ہر رکعت میں بہ رعایت ترتیب پڑھیں، مثلاً پہلی رکعت میں: قُلْ يَآاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں: قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھنی چاہیے، اسی طرح کبھی کوئی سورت، کبھی کوئی سورت پڑھنی چاہیے، یہ نہیں کہ پہلی رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور دوسری رکعت میں بھی قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھی جاوے، یہ طریقہ غیر مقلدوں کا ہے کہ ہر ایک رکعت میں سورہ اخلاص ہی کو مکرر پڑھا جاوے(۱) البتہ جس شخص کو اور کوئی سورت یاد نہ ہو اس کو مجبوری ہے، پس آپ لوگ جو حنفی ہیں موافق طریق سنت قراءت پڑھیں ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد مختلف سورتیں ترتیب کے موافق پڑھیں، آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مختلف سورتیں نماز میں پڑھی ہیں، ایسا نہیں کیا کہ صرف سورۂ اخلاص کو ہر ایک رکعت میں پڑھی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۲/۲-۲۴۳)

## پہلی رکعت میں ایک رکوع اور دوسری میں پوری سورت پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۴۵۸) جو لوگ اول رکعت میں رکوع اور دوسری رکعت میں سورت جو رکوع سے بڑی نہیں ہوتی پڑھتے ہیں، یہ جائز ہے یا مکروہ؟ (۱۵/۷/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** کراہت اس میں کچھ نہیں ہے، البتہ فضیلت اس میں ہے کہ دونوں رکعت میں پوری پوری سورت پڑھی جائے۔ كذا في الشّامي(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۵/۲)

---

(۱) ولا يتعيّن شيء من القرآن لصلاة على طريق الفرضيّة إلخ ويكره التّعيّن. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۳۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: السّنّة تكون سنّة عين وسنّة كفاية)

لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثّانية (الدّرّ المختار) قوله: (لا بأس إلخ) أفاد أنّه يكره تنزيهًا وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة ويحمل فعله عليه الصّلاة والسّلام لذٰلك على بيان الجواز هذا إذا لم يضطرّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، قبيل باب الإمامة) ظفیرؒ

(۲) وكذا لو قرأ في الأولىٰ من وسط سورة أو من سورة أوّلها، ثمّ قرأ في الثّانية من وسط سورة أخرىٰ أو من أوّلها، أو سورة قصيرة الأصحّ أنّه لا يكره. (ردّ المحتار: ۲/۲۳۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، قبيل باب الإمامة) ==

## پہلی رکعت میں ایک سورت کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۴۵۹) اگر امام اوّل رکعت میں ایک سورت کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھے، تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۹۱۸ھ)

**الجواب:** نماز درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۵/۲)

## ہر رکعت میں الگ الگ پاروں کا ایک ایک رکوع پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۴۶۰) کوئی امام اگر اس طرح قراءت پڑھا کرے کہ مثلاً اس کو ہر پارہ کا ایک ایک رکوع یاد ہے، اور ہر نماز میں ایک رکوع پڑھتا ہے، اسی طرح بالترتیب تمام ختم کر لیتا ہے، پھر بعد ختم ابتداء سے شروع کرتا ہے، اس طرح جائز ہے یا نہ؟ (۲۶۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** اس طرح پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ ہر ایک میں پوری سورت پڑھے، اس طریقہ سے کہ جس طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ صبح اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل میں سے کوئی سورت پڑھے[2] فقط (۲۴۶/۲)

---

== مع أنّهم صرّحوا بأنّ الأفضل في كلّ ركعة الفاتحة و سورة تامّة. (ردّ المحتار: ۲۳۱/۲ كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراءة ، مطلب : السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية) ظفيرؒ

(۱) ولو قرأ بعض السّورة في ركعة والبعض في ركعة ، قيل: يكره ، وقيل : لا يكره ، وهو الصّحيح كذا في الظّهيريّة . (الفتاوى الهندية: ۷۸/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الرّابع في القراءة) ظفيرؒ

(۲) واستحسنوا في الحضر طوال المفصّل في الفجر والظّهر و أوساطه في العصر والعشاء وقصاره في المغرب إلخ . الأفضل أن يقرأ في كلّ ركعة الفاتحة وسورة كاملة في المكتوبة إلخ . (الفتاوى الهندية: ۷۷/۱-۷۸، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الرّابع في القراءة) ظفيرؒ

## مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ فیل طَيْرًا اَبَابِيْلَ تک پڑھ کر رکوع کیا اور دوسری رکعت میں سورۂ قریش پڑھی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۴۶۱) زید فرض مغرب کے پڑھا رہا ہے، اوّل رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ فیل شروع کی اور ﴿طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾ کو دو مرتبہ پڑھا، اوّل مرتبہ لام کو سکون اور دوسری (دفعہ)(۱) لام کو زبر کے ساتھ کہہ کر رکوع کردیا، اور دوسری رکعت میں بعد ختم سورۂ فاتحہ کے سورہ قریش شروع کی اور پوری سورت پڑھی آیا نماز ہوگئی یا نہیں، یا سجدۂ سہو کرنا چاہیے تھا؟ (۲۹۲۳/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی، سجدہ سہو کی اور اعادہ کی ضرورت نہ تھی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۸/۲)

## فرض نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سورت کا کوئی رکوع پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۶۲) فرض نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت میں علاوہ سورتوں کے رکوع پڑھے ہیں یا نہیں؟ (۲۹۳۷/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ ہر ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنا مستحب اور سنت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر پوری ہی سورت پڑھی، اور شاید کبھی علاوہ سورت کے کہیں سے

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (دفعہ) کی جگہ ''مرتبہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔

(۲) وقرأ بعدها وجوبًا سورة أو ثلاث آياتٍ ولو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاث آياتٍ قصار انتفت كراهة التّحريم . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۱/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : قراء ة البسملة بين الفاتحة والسّورة حسن)

کوئی رکوع پڑھا ہو، مگر تصریح نہیں ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۳۸)

## قراءت کے شروع ہونے کے بعد ثنا نہیں پڑھنی چاہیے

**سوال:** (۴۶۳) ثناء فاتحہ کے سکتات میں پڑھنا افضل ہے یا سکوت بہتر ہے؟ (۹۸۱/ ۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** قراءت کے شروع ہونے کے بعد ثناء نہ پڑھنی چاہیے(۲) فقط (۲/ ۲۳۹)

## الحمد اور اِیّاکَ پر جھٹکا لگانا مکروہ ہے

**سوال:** (۴۶۴) الحمد پر جھٹکا لگانا اور ایسا ہی اِیّاکَ پر جھٹکا لگانا کیسا ہے؟ (۱۶۹۵/ ۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** خلاف قواعد تجوید پڑھنا قرآن شریف کا مکروہ ہے، اگر چہ نماز ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۴۰-۲۴۱)

---

(۱) مع أنّهم صرحوا بأنّ الأفضل في كلّ ركعة الفاتحة وسورة تامّة . (ردّ المحتار : ۲/ ۲۳۱، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، مطلب : السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية)

والغالب من قراء ته عليه السّلام السّورة التّامّة بل قال بعضهم : لم ينقل عنه عليه السّلام قراء ته السّورة إلاّ كاملةً ، ولم ينقل عنه التّفريق إلاّ في المغرب قرأ فيها الأعراف في ركعتين و ركعتي الفجر قرأ بآيتي البقرة وآل عمران .

وقال آخرون : إنّما هي أفضل إلخ و أفتى بعض أئمّتنا بأن من قرأ سورة في ركعتين إن فرّقها بعذر كمرض حصل له ثواب السّورة الكاملة ، والكلام في سورة طويلة كالأعراف بخلاف سورة ثلاث آيات أو أربع فتفريقها خلاف السّنّة اهـ . (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : ۲/ ۵۲۲، كتاب الصّلاة، باب القراء ة في الصّلاة ، الفصل الأوّل ، رقم الحديث : ۸۳۷) ظفیرؒ

(۲) وقرأ كما كبّر سبحانك اللّهمّ إلخ إلاّ إذا شرع الإمام في القراء ة سواء كان مسبوقًا أو مدركًا وسواء كان إمامه يجهر بالقراء ة أو لا، فإنّه لا يأتي به لما في النّهر عن الصّغرى أدرك الإمام في القيام يثني ما لم يبدأ بالقراء ة إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۱۶۷-۱۶۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، مطلب في بيان المتواتر والشّاذّ) ظفیرؒ

## قراءت بلاحرکت لب معتبر نہیں

**سوال:** (۴۶۵) اگر کوئی شخص نماز بلاحرکت لب؛ جی میں پڑھے، نماز ہوگی یا نہیں؟

(۱۶۳۰/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** قراءت وغیرہ ایسی معتبر نہیں ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۰/۲)

## دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا

**سوال:** (۴۶۶) ایک شخص نے سہواً جو رکعت اولیٰ میں سورت پڑھی تھی وہی رکعت ثانیہ میں پڑھ لی، تو نماز میں کچھ نقصان آیا یا نہیں؟ (۵۱/۱۳۴۱ھ)

**الجواب:** نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۲/۲)

---

**(۱) وأدنى الجهر إسماع غيره وأدنى المخافتة إسماع نفسه إلخ، ويجري ذلك المذكور في كلّ مايتعلّق بنطق كتسميّة على ذبيحة و وجوب سجدة تلاوة و عتاق و طلاق و استثناء وغيرها (الدّرّ المختار) اعلم أنّهم اختلفوا في حدّ وجود القراءة على ثلاثة أقوال ، فشرط الهندوانيّ و الفضلي لوجودها خروج صوت يصل إلى أذنه وبهٖ قال الشّافعيّ : وشرط بشر المريسيّ و أحمد خروج الصّوت من الفم ، و إن لم يصل إلى أذنه إلخ و لم يشترط الكرخيّ و أبوبكر البلخيّ السّماع و اكتفيا بتصحيح الحروف إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۲۳-۲۲۴، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراءة ، مطلب في الكلام على الجهر و المخافتة)** ظفیرؒ

**(۲) لا بأس أن يقرأ سورة و يعيدها في الثّانيّة (الدّرّ المختار ) أفاد أنّه يكره تنزيهًا و عليه يحمل جزم القنية بالكراهة ، و يحمل فعله عليه الصّلاة والسّلام لذلك على بيان الجواز ، هذا إذا لم يضطرّ ، فإن اضطرّ بأن قرأ في الأولىٰ ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ أعادها في الثّانية إن لم يختم . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۸، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : الاستماع للقرآن فرض كفاية ، قبيل باب الإمامة)**

## آدھی سورۂ ناس پہلی رکعت میں اور آدھی دوسری رکعت میں پڑھنا

**سوال:** (۴۶۷) ایک شخص نے رکعت اولیٰ میں سورۃ النّاس شروع کردی، نصف سورت پڑھ کر رکوع کردیا، اور نصف سورت رکعت ثانی میں پڑھی، آیا نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۷۵۱ھ)

**الجواب:** نماز ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۴/۲)

## آیت کی علامت کیا ہے؟

**سوال:** (۴۶۸) قرآن مجید کی چھوٹی سی تین آیتیں جو ایک رکعت میں کافی ہوسکتی ہیں کونسی ہیں؟ آیت گول 'o' ٹکڑے کی مانی جاتی ہے، یا ج ، ص ، ز ، ط، وغیرہ پر مانی جاتی ہے؟ ایک بڑی آیت کے مقابلہ میں چھوٹی تین آیت کافی ہوسکتی ہیں یا کیا؟ (۱۳۴۳/۱۱۰۷ھ)

**الجواب:** واجبات نماز میں سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد تین آیات چھوٹی یا ایک آیت بڑی جو چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہو پڑھے، چھوٹی سورت جس میں تین آیتیں ہیں: ﴿اِنَّـآ اَعْـطَيْـنَـاكَ الْكَوْثَرَ﴾ ہے، یہ سورت یا اس کے مانند کوئی دوسری سورت الحمد کے بعد پڑھنے سے واجب ادا ہوجاتا ہے، اور آیت وہی سمجھی جاتی ہے جس پر گول نشان اس صورت سے ہو 'o'۔ اور بڑی آیت کی مثال آیت الکرسی یا آیت مداینہ وغیرہ ہے، اور چھوٹی آیات کی مثال ﴿ثُمَّ نَظَرَ o ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ o ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ o﴾ (سورۂ مدثر، آیت: ۲۱-۲۳) ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۵/۲)

---

(۱) ولو قرأ بعض السّورة في ركعة وباقيها في ركعة قيل يكره والصّحيح أنّه لا يكره . (غنية المستملي، ص: ۴۲۵، تتمات فيما يكره من القراء ة في الصّلاة وما لا يكره) ظفیرؔ

(۲) وضمّ أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها ، وهو ثلاث آيات قصار نحو ﴿ ثُمَّ نَظَرَ . ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ . ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ﴾ إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التحريم تجب إعادتها) ظفیرؔ

## نَسْتَعِیْنُ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پر وقف

## نہ کرنا جائز ہے، لیکن وقف کرنا بہتر ہے

سوال: (۴۶۹) زید نماز میں ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ پر باوجود وقف ہونے کے وقف نہیں کرتا، اور یوں پڑھتا ہے: نَسْتَعِیْنُ ہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدُ نِ اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھتا ہے، اس سے نماز میں کچھ نقصان تو نہیں ہوتا؟ اور قراء سے یہ ثابت ہے یا نہ؟ اور اس طرح پڑھنے سے معنی میں کچھ نقصان آئے گا یا نہ؟ (۱۵۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اصل یہ ہے کہ نَسْتَعِیْنُ پر وقف کرنا نہ کرنا دونوں جائز ہیں، اسی طرح قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدُ پر آیت کرنا نہ کرنا دونوں طرح ثابت ہے، پس اگر آیت کی جاوے گی تو اھْدِنَا اور اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھا جاوے گا، اور اگر آیت نہ کی جائے اور وقف نہ کیا جائے تو نِ اھْدِنَا اور نِ اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھا جاوے گا، معنی میں کچھ فرق نہیں ہوتا، اور قراء دونوں طرح پڑھتے ہیں، لیکن زیادہ تر نَسْتَعِیْنُ پر اور اَحَدُ پر آیت کرنا ہے، اور اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم اور اللّٰہُ الصَّمَدُ علیحدہ پڑھنا ثابت ہے، لہٰذا زید کو کچھ ضرورت نہیں کہ وہ نُ ہْدِنا اور نِ اللّٰہُ الصّمد پڑھے، بلکہ جیسے اکثر قراء پڑھتے ہیں اسی طرح پڑھے، لیکن اگر اتفاقی زید نے اس طرح پڑھ دیا تو اس پر اعتراض نہ کیا جاوے، اور اس کو غلط نہ کہا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۴۵-۲۴۶)

## سورۂ فاتحہ سے فرض قراءت ادا ہوجاتی ہے

سوال: (۴۷۰) سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھنے سے قراءت فرض ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۸۰۹/۱۳۴۵ھ)

الجواب: فرض قراءت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے سے ادا ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۴۷)

---

(۱) و فرض القراءة آية على المذهب هي لغة العلامة و عرفًا : ==

## صیغۂ واحد کو جمع اور جمع کو واحد پڑھنا غلط ہے

**سوال:** (۴۷۱) نماز میں بہ وقت قراءت واحد کو بہ صیغہ جمع اور جمع کو بہ صیغہ واحد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نماز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً آیت کو آیات پڑھنا اور جنت کو جنات پڑھنا؟ (۳۶۸/۱۳۴۶ھ)

**الجواب:** واحد کو بہ صیغہ جمع پڑھنا یا جمع کو بہ صیغہ واحد پڑھنا غلطی ہے، عمداً ایسا کرنا درست نہیں ہے، اور اگر غلطی سے ایسا پڑھا گیا تو نماز صحیح ہے، یعنی نماز ہو جاتی ہے، مگر ایسا کرنا نہ چاہیے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۷/۲)

## تنہا شخص نماز میں الحمد اور سورت کتنی آواز سے پڑھے؟

**سوال:** (۴۷۲) نماز میں الحمد اور سورت وغیرہ ایسی طرح پڑھنا کہ اپنے کان میں بھی آواز نہ آوے تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (۱۵۰۳/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** زیادہ معتبر اور (اصح) (۲) یہ ہے کہ اس طرح پڑھے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو اپنے کان میں آواز آجاوے، اور کرخی اور بلخی بدون اس کے بھی نماز کو صحیح فرماتے ہیں۔ والأوّل أصحّ وأرجح (۳) (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۲/۴)

---

== طائفة من القرآن مترجمة ، أقلّها ستّة أحرف ولو تقديرًا کـ لَمْ يَلِدْ (الدّرّالمختار) قوله: (على المذهب) أي الّذي هو ظاهر الرّواية عن الإمام. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۲۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة ، مطلب: تحقيق مهم فيما لو تذكّر في ركوعه أنّه لم يقرأ إلخ) ظفیرؔ

(۱) قال في البزّازية: ولو زاد حرفًا لا يغيّر المعنى لا تفسد عندهما إلخ . (ردّ المحتار: ۳۴۰/۲ كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها ، مطلب : مسائل زَلّة القارئ) ظفیرؔ

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (اصح) کی جگہ ''صحیح'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) وأدنى الجهر إسماع غيره وأدنى المخافتة إسماع نفسه (الدّرّ المختار) ==

## منفرد کا جہری نمازوں میں قراءت اور تکبیریں بلند آواز سے کہنا درست ہے

سوال: (۴۷۳) تنہا آدمی مسجد یا مکان یا میدان میں نماز فرض پڑھتا ہے تو با قراءت و باتکبیر پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۸۳۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جہری نمازوں میں اس حالت میں قراءت بالجہر پڑھنا اچھا ہے، اور جهر بالتّكبير بھی درست ہے، مگر زیادہ جہر نہ کرے، کسی قدر جہر میں کچھ حرج نہیں ہے (۱) فقط (۲/ ۲۴۸)

## منفرد نماز میں قراءت جہری کرے یا سرّی؟

سوال: (۴۷۴) اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مسجد میں نہ جاوے گھر میں نماز پڑھے، تو اس کو آواز سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۳۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

== اعلم أنّهم اختلفوا في حدّ وجود القراءة على ثلاثة أقوال، فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يصل إلىٰ أذنه ، وبه قال الشّافعيّ : وشرط بشر المريسي و أحمد خروج الصّوت من الفم ، وإن لم يصل إلى أذنه لكن بشرط كونه مسموعًا في الجملة حتّى لو أدنى أحد صماخيه إلى فيه يسمع، ولم يشترط الكرخي وأبوبكر البلخي السّماع ، واكتفيا بتصحيح الحروف إلخ، وذكر أن كلًّا من قولي الهندواني والكرخي مصحّحان ، وأنّ ما قاله الهندواني أصحّ و أرجح لاعتماد أكثر علمائنا عليه . (الدّرّ المختار وردّ المحتار : ۲/۲۲۳-۲۲۴، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة ، مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة) ظفیرؔ

(۱) ويخيّر المنفرد في الجهر وهو أفضل، ويكتفي بأدناه إن أدّى ، وفي السّريّة يخافت حتمًا على المذهب (الدّرّ المختار ) قوله: (وهو أفضل ) ليكون الأداء على هيئة الجماعة ، ولهذا كان أداؤه بأذان و إقامة أفضل ، وروي في الخبر: ”أن من صلّى على هيئة الجماعة صلّت بصلاته صفوف من الملائكة“. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۲۲۲، كتاب الصّلاة ، أوائل فصل في القراءة ) ظفیرؔ

**الجواب:** منفرد کے لیے نماز جہری میں جیسے مغرب، عشاء اور صبح میں جہرا فضل ہے(۱) پس صورتِ مسئولہ میں آواز سے پڑھنا درست ہے، بلکہ افضل ہے، البتہ ترک جماعت بلا عذر شرعی گناہ ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۵۸)

## عصر کی چاروں رکعتوں میں سورت ملانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

**سوال:** (۴۷۵) عصر کی چاروں رکعتوں میں سورت ملالی تو نماز ہوئی یا نہیں بلا سجدۂ سہو کے؟ (۲۱۳۷/ ۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** بلا سجدۂ سہو نماز ہوگئی (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۶۰)

## فرض نماز میں مکمل قرآن اور ایک رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھنا

**سوال:** (۴۷۶) زید نے فرض نماز میں امام ہوکر تمام قرآن شریف تین چار ماہ میں پڑھا، اخیر پارہ ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورت اور اخیر رکعت میں کسی قدر آلٓمٓ سے مُفْلِحُوْنَ

---

(۱) و إن كان منفردًا فهو مخيّر إن شاء جهر ، وأسمع نفسه لأنّه إمام في حقّ نفسهٖ وإن شاء خافت لأنّه ليس خلفه من يسمعه والأفضل هو الجهر ليكون الأداء على هيئة الجماعة.
(الهداية: ۱/ ۱۱۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة) ظفيرؒ

(۲) و الجماعة سنّة مؤكّدة للرّجال قال الزّاهديّ أرادوا بالتّأكيد الوجوب (درّمختار) قال في النّهر إلّا أنّ هذا يقتضي الاتّفاق على أنّ تركها مرّةً بلا عذر يوجب إثمًا إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۴۴-۲۴۵، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة) ظفيرؒ

(۳) واكتفى المفترض فيما بعد الأوليين بالفاتحة فإنّها سنّة على الظّاهر، ولو زاد لا بأس بهٖ (الدّرّ المختار ) أي لو ضمّ إليها سورة لابأس بهٖ لأنّ القراء ة في الأخريين مشروعة من غير تقدير ، والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب فكان الضمّ خلاف الأولٰى وذلك لا ينافي المشروعية والإباحة بمعنى عدم الإثم في الفعل والتّرك. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۹۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفيرؒ

تک پڑھا، تو اس فرض نماز میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟ (۱۷۹۳/۱۳۳۵ھ)

**الجواب**: اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ اگر پہلی رکعت میں قرآن شریف ختم کرے، مثلاً: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھے تو دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ میں سے کچھ آیتیں پڑھے کما في الشّامي عن شرح المنية: من يختم القرآن في الصّلاة إذا فرغ من المعوّذتين في الرّكعة الأولٰى يركع ثمّ يقرأ في الثّانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة، لأن النّبي صلّى الله عليه وسلم: قال: خير النّاس الحال المرتحل أي الخاتم المفتتح إلخ [۱] لیکن فرائض کی (ایک) [۲] رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھنا تو اچھا نہیں، یعنی خلاف اولیٰ ہے [۳] فقط (۲/۲۴۹-۲۵۰)

## ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے

**سوال**: (۴۷۷) عشاء یا صبح کی نماز میں امام نے ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھی، تو کچھ کراہت تو نماز میں نہیں آئی؟ (۱۴۹۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب**: ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، نماز ہوجاتی ہے، اور خلافِ اولیٰ سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ قال في الشّامي: و ذكر شيخ الإسلام لا ينبغي له أن يفعل على ما هو ظاهر الرّواية اهـ . وفي شرح المنية: الأولى أن لا يفعل في الفرض، ولو فعل لا يكره [۴] — أي لا يكره تحريمًا — فقط (اس عبارت سے پہلے یہ ہے: إذا جمع بين سورتين في ركعة رأيتُ في موضع أنّه لا بأس به [۴] ظفیرؒ) (۲/۲۵۵)

---

(۱) الشّامي: ۲/ ۲۳۸ -۲۳۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة.

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں ''ایک'' کا لفظ مکرر تھا، ہم نے رجسٹر سے اس کی تصحیح کی ہے۔

(۳) ولو جمع بين سورتين في ركعة لاينبغي أن يفعل، ولو فعل لابأس به. (فتح القدير: ۱/۳۵۲ كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة) ظفیرؒ

(۴) الشّامي: ۲/ ۲۳۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة.

## فرائض میں متفرق آیات پڑھنے کا حکم

سوال: (۴۷۸) میں نے پیشتر فرائض میں متفرق سپاروں کے رکوع اور مختلف سپاروں اور سورتوں کی آیات پڑھی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس سے نمازوں میں کچھ فرق تو نہیں آیا؟ (۱۳۳۳-۳۲/۹۳۲ھ)

الجواب: جو عمل آپ کا پہلے رہا (۱) متفرق آیات نماز میں پڑھنے کا اس میں کچھ گناہ نہیں ہوا، اور نمازوں میں کچھ فرق نہیں آیا، البتہ آئندہ کو فرائض میں ہر ایک رکعت میں پوری سورت پڑھا کریں یہ سنت ہے، ایک سورت کو دو رکعت میں نہ کریں (اور) (۲) متفرق آیات اور رکوع بھی نہ پڑھا کریں، نفلوں میں درست ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۹)

## سنت و وتر میں متفرق آیات پڑھنے کا حکم

سوال: (۴۷۹) سنت مؤکدہ اور وتر میں متفرق آیات پڑھنا کیسا ہے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۱۰۲۴ھ)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں 'رہا' کے بعد 'ہے' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'ہے' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) الأفضل أن يقرأ في كلّ ركعة الفاتحة وسورةً كاملة في المكتوبة إلخ ، ولو قرأ بعضَ السّورة في ركعة والبعضَ في ركعة ؛ قيل: يكره وقيل : لا يكره ؛ وهو الصّحيح ، كذا في الظهيريّة ، ولكن لا ينبغي أن يفعل ، ولو فعل لا بأس به كذا في الخلاصة ، ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة ، وقرأ في الرّكعة الأخرى من وسط سورة أخرى أو من آخر سورة أخرى لا ينبغي له أن يفعل ذلك ، على ما هو ظاهر الرّواية ، ولكن لو فعل ذلك لابأس به ـــ إلى قوله ـــ هذا كلّه في الفرائض وأمّا في السّنن فلا يكره . (الفتاوى الهندية ۱/۷۸-۷۹، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الرابع في القراءة) ظفیرؒ

**الجواب:** وتر اور سنت مؤکدہ میں بھی بہتر پوری سورت پڑھنا ہے، لیکن متفرق آیات پڑھنا بھی جائز ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۹-۲۶۰)

## آیت کا شروع حصہ چھوڑ کر قراءت کرنا اچھا نہیں

**سوال:** (۴۸۰) امام نے بعد سورۂ فاتحہ سورۂ فتح کے آخری رکوع کی آخری آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ چھوڑ کر یعنی ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ ﴾ سے ﴿مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ تک پڑھا، نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۷/۷۷۲-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** نماز ہوگئی، مگر شروع آیت کا چھوڑنا اچھا نہیں ہوا (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۶۳)

## نماز میں مختلف سورتوں کا رکوع پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۴۸۱) ایک سورت کا رکوع پڑھنا رکعت اوّل میں اور اس سورت یا دوسری سورت کا رکوع پڑھنا دوسری رکعت میں یا دوسری پوری سورت کا پڑھنا دوسری رکعت میں، یا ایک سورت کو دو رکعت میں پڑھنا جائز ہے، یا خلاف اولیٰ (رجسٹر میں نہیں ملا)

**الجواب:** جواب اوّل یہ ہے کہ یہ سب خلاف استحباب ہے، حنفیہ کے نزدیک مسنون و مستحب یہ ہے کہ پوری سورت ایک رکعت میں مفصل میں سے موافق ترتیب فقہاء کے پڑھے جو معروف ہے۔ اور کتب فقہ میں مذکور ہے۔ **قال في الشّامي : لأنّ السّنّة في الحضر في كلّ ركعة سورة تامّة كما يأتي** (۲) **وفيه بعد صفحة: مع أنّهم صرّحوا بأنّ الأفضل في كلّ ركعة الفاتحة وسورة تامّة** (۳) پس جزو سورت کا پڑھنا خلاف افضل و خلاف مستحب ہے، جس کا مآل کراہت

---

(۱) حوالہ کے لیے سابقہ جواب کا حاشیہ (۳) ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) **ردّ المحتار: ۲/۲۳۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب: السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية .**

(۳) **ردّ المحتار: ۲/۲۳۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب: السّنّة تكون سنّة عين و سنّة كفاية .**

تنزیہی ہے نہ کراہت تحریمی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۲-۲۵۳)

## نصف آیت سے قراءت کی ابتداء مناسب نہیں

**سوال:** (۴۸۲) زید ہمیشہ نماز میں قراءت نصف آیت سے شروع کرتا ہے، نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۶۵۹ھ)

**الجواب:** نماز ہو جاتی ہے، لیکن ایسا نہ کرنا چاہیے کہ یہ امر نامشروع اور خلاف قواعد ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۴۰)

## فجر کی ایک رکعت میں ایک رکوع پڑھا اور دوسری میں کوئی سورت تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۴۸۳) فجر یا کسی نماز میں کسی سورت کا رکوع {پڑھا} (۳) اور دوسری رکعت میں کسی سورت کا جزو یا کل پڑھا، تو {یہ} (۳) درست ہے یا نہیں؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) وفي الخلاصة : إذا قرأ سورة واحدة في ركعتين اختلف فيه ، والأصحّ أنّه لا يكره ، لكن لا ينبغي أن يفعل ولو فعل لا بأس به ، لو قرأ وسط السّورة أو آخر سورة في الأولىٰ، وفي الثّانية وسط سورة أو آخر سورة أخرى أي لا ينبغي أن يفعل و لو فعل لا بأس به ، وفي نسخة الحلوانيّ قال: بعضهم يكره . (فتح القدير: ۱/۳۵۲، كتاب الصّلاة ، فصل في القراء ة ، قبيل باب الإمامة) ظفیرؒ

(۲) والأفضل أن يقرأ في كلّ ركعة سورة تامّة . (غنية المستملي، ص:۴۲۵، تتمات فيما يكره من القراء ة في الصلاة وما لا يكره)

سورت کے بعض حصے کو بعض فقہاء نے مکروہ لکھا ہے تو آیت ادھوری پڑھنا کب مناسب ہوگا۔ ولو قرأ بعض السّورة في ركعة وباقيها في ركعة ، قيل: يكره والصّحيح أنّه لا يكره. (حوالہ سابقہ) ظفیرؒ

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

**الجواب:** مستحب یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھے[۱] فقط واللہ اعلم (۲۶۶/۲)

## امام کو مخصوص سورتیں پڑھنے کا حکم دینا

**سوال:** (۴۸۴) امام کو حکم کرنا کہ فلاں فلاں سورت نماز میں پڑھو اور امام کو ایسا کرنا جائز ہے یا مکروہ؟ (۲۲۲۸/ ۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** اگر موافق سنت (کے سورتوں)[۲] کا امر کیا جاوے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۰/۲)

## اگر امام جہری نماز میں چند آیتیں سراً پڑھے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۴۸۵) اگر امام جہری نماز میں دو تین آیتیں خفیہ پڑھ جاوے، تو یاد آنے پر شروع سے جہراً پڑھے، یا اسی جگہ سے اور سجدۂ (سہو) [۴] کرلیوے یا نہ کرے؟ (۱۷۹/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب کے حاشیہ میں آچکا ہے۔

(۲) مطبوعہ فتاوی میں (کے سورتوں) کی جگہ ''سورت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) عن جابر قال : كان معاذ بن جبل رضي الله عنهما يصلّي مع النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ثـمّ يـأتـي فيـؤمّ قـومـه ، فصلّى ليلة مع النبيّ صلّى الله عليه وسلّم العشاء ، ثمّ أتى قومه فأمّهم فـافتتـح بسورة البقرة ، فانحرف رجل فسلّم ثمّ صلّى وحده وانصرف ، فقالوا له : أ نَافَقْتَ يا فـلان ؟ قـال: لا والـلّـه ! ولآتيـنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فلأُخبرنّهُ ، فأتى رسولَ الله صـلّـى الـلّـه عـليه و سلّم فقال : يا رسول الله ! أنا أصحابُ نَواضِحَ نعمل بالنّهار ، و إنّ معاذًا صـلّى معك العشاء ، ثمّ أتى قومَه فافتتح بسورة البقرة ، فأقبل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عـلى معاذ ،فقال: يا معاذُ ! أ فتّانٌ أنتَ؟ اقرأ ﴿وَ الشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾﴿وَالضُّحٰی﴾ ﴿وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ و ﴿سَبِّحِ اسْـمَ رَبِّكَ الْاَعْـلٰى﴾ متّفق عليه . (مشـكـاة المصابيح، ص:۷۹، كتاب الصّلاة ، باب القراء ة في الصلاة ، الفصل الأول) ظفیرؒ

(۴) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

**الجواب:** ازسرنو جہراً پڑھے (۱) اور سجدۂ سہو کرلیوے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۵۶-۲۵۷)

## قراءت میں رکنے اور لوٹانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

**سوال:** (۴۸۶) مشہور ہے کہ اگر قراءت میں امام رک گیا اور تین بار لوٹا یا اور صحیح نہ پڑھ سکا تو نماز ٹوٹ جاتی ہے؛ یہ صحیح ہے یا غلط؟ (۱۶۷۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** یہ بات غلط مشہور ہے نماز نہیں ٹوٹتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۸)

## ضاد کو ظاء پڑھنا کیسا ہے؟

**سوال:** (۴۸۷) نماز میں 'ض' کی (جگہ) (۳) 'ظ' پڑھنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۲۸۰۶/۱۳۴۰ھ)

**الجواب:** اس (۴) مسئلہ کے متعلق یہ ضرور ہے کہ قصداً ظاء پڑھنے سے احتراز کیا جاوے، کیونکہ اس میں فسادِ صلاۃ کی روایات ضرور موجود ہیں، بلکہ شرح فقہ اکبر میں محیط سے نقل کیا ہے کہ تعمّد اس کا کفر ہے۔ عبارت یہ ہے: **وفي المحيط : سئل الإمام الفضلي عمّن يقرأ الظّاء**

---

(۱) ويجهر الإمام وجوبًا بحسب الجماعة فإن زاد عليه أساء ولو ائتمّ به بعد الفاتحة أو بعضها سرًّا أعادها جهرًا، بحر (الدّرّ المختار) قوله: (أعادها جهرًا) لأنّ الجهر فيما بقى صار واجبًا بالاقتداء والجمع بين الجهر والمخافتة في ركعة واحدةٍ شنيع. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۲۱، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراءة) ظفیرؒ

(۲) اور چوں کہ تاخیر ہوئی؛ اس لیے سجدہ سہو کرے۔ وتأخير الواجب عن محلّه وهو موجب لسجود السّهو (حوالۂ سابقہ) ظفیرؒ

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں 'اس' سے پہلے 'پہلے' تھا، لیکن یہاں اس کے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔ ۱۲

المعجمة مكان الضّاد المعجمة ، أو يقرأ أصحاب الجنّة مكان أصحاب النّار ، أو على العكس، فقال: لا تجوز إمامته و لو تعمّد يكفر، قلتُ : أمّا كون تعمّده كفرًا فلا كلام فيه إذا لم يكن فيه لغتان: ففي ضنين الخلاف ، سامي [۱]

اور بندہ کا مطلب تحریر سابق سے یہ تھا کہ باوجود ارادۂ ادائے ضاد ازمخرج اگر مشابہت ظاء یا دال کے ساتھ ہوجاوے تو نماز صحیح ہے۔ درمختار میں ہے: إلّا ما يشقّ تمييزه كا لضّاد و الظّاء فأكثرهم لم يفسد ها إلخ، شامی میں ہے:قال في الخانية: و الخلاصة:الأصل فيما إذا ذكر حرفاً مكان حرف و غيّر المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقّة تفسد و إلّا يمكن إلّا بمشقة كالظّاء مع الضّاد الخ قال أكثرهم : لا تفسد ، و في خزانة الأكمل: قال القاضي أبو عاصم إن تعمّد ذلك تفسد و إن جرى على لسانه أو لا يعرف التّمييز لا تفسد و هو المختار حلية ، و في البزّازية : و هو أعدل الأ قاويل و هو المختار إلخ [۲] اس احتیاط کی وجہ سے قراء وعلماء عرب قاطبۃً ضاد کے پڑھنے میں ظاء سے قطعاً بچتے ہیں، اور ضاد کو بہ صورت دال مفخم ادا کرتے ہیں، کما ہو مشاہد ومعروف۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۷-۴۸)

**سوال:** (۴۸۸) ضاد کو ظاء پڑھنا نماز میں کیسا ہے؟ (۱۷۵/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** جو شخص مخرج سے پڑھنے پر قادر ہو وہ مخرج سے ادا کرے، ورنہ قصداً ظاء نہ پڑھے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، شرح فقہ اکبر میں بعض روایات میں بالقصد پڑھنے میں حکم کفر نقل فرمایا ہے [۳] أعاذنا الله (تعالىٰ) [۴] منه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/ ۲۶۱)

---

(۱) شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۷۸، فصل في القراءة و الصّلاة .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/ ۳۴۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها مطلب: إذا قرأ قولَه : " تعالىٰ جدّك" بدون ألف لا تفسد .

(۳) حوالہ، سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۴) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

سوال:(۴۸۹) جس شخص نے نماز میں ضاد کو اُس کے مخرج سے ادا کرنے کا قصد کیا مگر بوقت ادا سہواً یا (لغزشِ زبان سے)(۱) ضاد کو ظاء پڑھ گیا تو اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ اور جو شخص قصداً ضاد کی جگہ ظاء خواہ زاء پڑھے اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ (۵۲۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر خطاءً بجائے ضاد معجمہ کے ظاء معجمہ پڑھی گئی تو بہ قول اکثر نماز صحیح ہے، لیکن اگر قصداً ضاد کی جگہ ظاء یا زاء پڑھی تو قاضی ابو عاصمؒ فرماتے ہیں کہ نماز اس کی فاسد ہے، اور اسی کو مختار کہا ہے، اور بزازیہ میں بھی اس کو مختار اور اعدل الاقوال کہا ہے۔ شامی میں ہے: قال في الخانية : والخلاصة : الأصل فيما إذا ذكر حرفًا مكان حرفٍ و غيّر المعنى ، إن أمكن الفصل بينهما بلامشقّة تفسد ، و إلّا يمكن إلّابمشقة كالظّاء مع الضّاد المعجمتين ، و الصّاد مع السّين المهملتين و الطّاء مع التّاء قال أكثر هم : لا تفسد اهـ . و في خزانة الأكمل: قال القاضي أبو عاصم إن تعمّد ذلك تفسد ، و إن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد و هو المختار، حلية . و في البزّازيّة: و هو أعدل الأقاويل و هو المختار . و في التّاترخانيّة عن الحاوي : حكى عن الصّفار أنّه كان يقول: الخطاء إذا دخل في الحروف لا يفسد لأنّ فيه بلوى عامّة النّاس إلخ (۲) (شامی، جلد:۱، ص ۴۲۵) فقط (۸۶/۴-۸۷)

سوال:(۴۹۰) 'ض' کو مشابہ 'ظ' پڑھنا چاہیے یا مشابہ 'ذ' یا کس طرح پڑھی جاوے؟

(۱۱۹۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: حرف 'ض' مستقل ایک حرف ہے جو مخصوص لسان عربی کا ہے اس کو نہ مشابہ 'ذ' پڑھنا چاہیے نہ مشابہ 'ظ'۔ اور یہ بغیر کسی قاری مستند سے مشافہۃً سیکھے ہوئے واقعی طور پر نہیں آسکتا، رہا یہ کہ

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (لغزشِ زبان سے) کی جگہ ''لغزش سے زبان کی'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۴۱/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها مطلب : إذا قرأ قولَه : " تعالىٰ جدّك" بدون ألف لا تفسد .

اس میں ایک قسم کا تشابہ جو سمجھا جاتا ہے تو کتب قراءت و تجوید کی عبارات سے تشابہ 'ظ' کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے: **نهاية القول المفيد في علوم التّجويد**، مطبوعہ مصر، ص: ۴۸ میں اس کی تحقیق مبسوط موجود ہے۔ **المنح الفكرية على متن الجزرية**، مطبوعہ مصر لملا علی القاریؒ۔ ص: ۳۴ و ۳۹ دیکھ لیا جاوے، اور قراء حرمین شریفین زاداللہ شرفہما کا معمول بہا تشابہ بالدال ہو رہا ہے؛ جس کے دلائل بوجہ تنگی معروض نہیں کیے جاتے، چونکہ یہ حالی کیفی چیز ہے صرف کتابت و تحریر میں دشوار ہے۔ (۹۰/۴)

## ضاد کو درمیانی مخرج سے پڑھنے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۹۱) بکر آمین بالجہر اور رفع یدین نہیں کرتا، اور مذہب حنفیہ کا پورا پابند ہے، مگر **الحمد** کو سات آیتیں پڑھتا ہے، اور حرف ضاد کو اس طرح پڑھتا ہے کہ نہ دال ظاہر ہو نہ ظاء، کیا ایسے امام کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** امام جماعت کو ایسے امور میں احتیاط کرنی چاہیے، کیا ضرور ہے کہ وہ عامہ علمائے احناف کے خلاف ایسا امر اختیار کرتا ہے جس سے عام نمازیوں میں تشویش ہو، کیا اس کے نزدیک ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی جو ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. واهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ پر وقف نہیں کرتے یا ضاد کو ظاء نہیں پڑھتے، اگر ایسا خیال ہے تو گویا خواص، عوام اہل اسلام عرب و عجم کی نمازوں کو وہ باطل سمجھتا ہے، اور بطلان ایسے عقیدہ اور خیال کا ظاہر ہے، آخر کیسے کیسے علمائے محققین حنفیہ میں گذرے ہیں؟ کیا امام مذکور اپنی تحقیق کو ان سب سے زیادہ سمجھتا ہے جو اپنی تحقیق کے سامنے کسی کی نہیں سنتا، اور سب کے خلاف اپنی رائے کو قابل اعتماد اور صواب سمجھتا ہے۔ فقط (۲۶۱/۲-۲۶۲)

## 'ضالین' کو 'دوالّین' پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۴۹۲) 'ضالین' کو 'دوالّین' پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲۱۱۱/۱۳۳۸ھ)

**الجواب:** عرب کے قراء وعلماء بھی ضالین کو ایسی صورت (سے) (۱) ادا کرتے ہیں کہ دال مفخم کی آواز نکلتی ہے، اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سب کی نماز نہیں (ہوتی) (۲)، حالانکہ وہ جاننے والے اصوات ومخارج حروف کے ہیں۔ فقط (۴/۳۶-۳۷)

## حرف 'ضاد' کو اس کے مخرج اصلی سے پڑھنا چاہیے

**سوال:** (۴۹۳) اگر کسے بجائے 'ض' 'ذ' یا 'ز' یا 'ظ' بخواند نماز (او) (۳) صحیح شد یا فاسد؟ اگر در نماز بعد قراءت فرض غلطی مفسد صلاۃ کند؛ نماز صحیح شود یا فاسد؟ (۱۶۴۵/۱۳۴۵ھ)

**الجواب:** لفظ 'ض' معجمہ را از مخرج اصلی او باید خواند نہ 'ذ' 'ز' 'ظ'' کہ عمداً ایں ہمہ ناجائز است بلکہ در شرح فقہ اکبر از محیط آوردہ کہ اگر کسے عمداً بجائے 'ض' معجمہ 'ظاء' معجمہ خواند کافر گردد، والعیاذ باللہ تعالیٰ، ونماز او فاسد شود۔ واگر در نماز بعد قراءت فرض کسے در قراءت غلطی مفسد صلاۃ کردہ نماز او فاسد شود، باز اگر اعادہ صحیح کرد نماز او صحیح شود وگرنہ فاسد باشد۔ در عالمگیریہ آوردہ است: **ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصّلاة بخطأٍ فاحش ثمّ رجع وقرأ صحيحًا، قال: عندي صلاته جائزة وكذلك الإعراب** (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۸۳)

**ترجمہ سوال:** (۴۹۳) اگر کوئی شخص 'ض' کی جگہ 'ذ' یا 'ز' یا 'ظ' پڑھے، اس کی نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟ اگر نماز میں فرض قراءت کے بعد نماز کو فاسد کرنے والی غلطی کرے تو نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟

**الجواب:** حرف 'ضاد' معجمہ کو اس کے مخرج اصلی سے پڑھنا چاہیے، نہ کہ 'ذ'، 'ز' اور 'ظ' پڑھنا چاہیے،

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (سے) کی جگہ ''میں'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (ہوتی) کی جگہ ''ہوئی'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) **الفتاوى الهندية: ۸۲/۱، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الخامس في زلّة القاري)**

کیونکہ عمداً یہ سب پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ 'شرح فقہ اکبر' میں محیط کے حوالے سے آیا ہے کہ اگر کوئی شخص عمداً 'ض' معجمہ کی جگہ 'ظاء' معجمہ پڑھے گا تو کافر ہو جائے گا، والعیاذ باللہ تعالیٰ، اور اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر نماز میں فرض قراءت کے بعد کوئی شخص قراءت میں نماز کو فاسد کرنے والی غلطی کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، بعدہ اگر صحیح قراءت کا اعادہ کرے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، ورنہ فاسد ہوگی۔ فتاوی عالم گیریہ میں آیا ہے: ''فوائد میں ذکر کیا ہے: اگر کوئی شخص نماز میں فاحش غلطی پڑھے، پھر واپس لوٹے اور صحیح پڑھے، فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی نماز جائز ہے، اور اسی طرح اعراب کا حکم ہے''۔

**سوال:** (۴۹۴) جزری و شاطبی وتحفۂ نظریہ و ملا علی قاری کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ضاد معجمہ کو دال سے اور ظاء سے جدا پڑھنا فرض ہے، اگر کوئی سیکھے تو ضاد کو صحیح پڑھ سکتا ہے، مگر سیکھتا نہیں، ظاء یا دال مفخم کے مشابہ کر کے پڑھتا ہے اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۰-۲۹/۳۱۴ھ)

**الجواب:** اگر ضاد کو (بہ صوت)(۱) دال مفخم پڑھنے سے نماز کے نہ ہونے کا حکم کیا جاوے گا تو تمام عرب کے قراء و علماء وائمہ میں سے بھی کسی کی نماز نہ ہوگی، اور نہ کسی مقتدی کی نماز ہوگی، کیوں کہ وہ سب 'دوالین' پڑھتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ یہ حکم لگانا غلط ہے، اور اس میں حرج ہے۔ البتہ عمدہ اور بہتر یہی ہے کہ مخرج سے ادا کرنے میں سعی کرے نہ ظاء پڑھے نہ دال، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ضاد کو دال مفخم کی صورت میں پڑھنا دال (۲) نہیں ہے۔ جیسا کہ طاء، ت نہیں (ہے) (۳) وقس علیہ، بلکہ مخرج

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (بہ صوت) کی جگہ ''بہ صورت'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاوی میں 'دال' کے بعد 'پڑھنا' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(ناقص ضاد کا ہے)(۱) جو مشابہ دال پُر کے معلوم ہوتا ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۲/۴)

**سوال:** (۴۹۵) لفظ 'ض' کو نماز میں کس طرح پڑھنا چاہیے؟ (۱۳۹۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** ضاد کو اس کے مخرج سے پڑھنا چاہیے نہ نکل سکے تو جیسے ادا ہو جائے نماز ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۱/۴)

## وتر کی تینوں رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا ضروری ہے

**سوال:** (۴۹۶) وتر کی تیسری رکعت میں جس میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے، اس میں سورت ملانی چاہیے یا نہیں؟ (۵۶۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** وتر کی تینوں رکعت میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا ضروری اور فرض ہے، تیسری رکعت میں بھی سورت ملانا ضروری ہے، ہمیشہ وتر اسی طرح پڑھنا چاہیے، **هٰكذا في عامّة كتب الفقه**(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۲/۲)

## فرض نماز میں لقمہ دینا درست ہے

**سوال:** (۴۹۷) ایک شخص فرض نماز پڑھا رہا تھا، سورۂ فاتحہ کے بعد جو اس نے سورت پڑھی

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے درست کی گئی ہے۔۱۲

قولہ: 'مخرج ناقص ہے الخ'' وجہ یہ ہے کہ دال مفخم کی صورت میں مخرج ضاد؛ یعنی حافہ لسان مع الاضراس سے بہت کچھ کام لینا پڑتا ہے، اور مخرج دال یعنی کنارۂ زبان اور ثنایا علیا کی جڑ کو بھی فی الجملہ شمول ہوتا ہے، البتہ جو دال کی صفت ہے دال مفخم کی صورت میں ادا نہیں ہوتی ہے، یہاں مخارج وصفات 'فوائد مکیہ' سے ماخوذ ہے۔ جمیل الرحمٰنؒ

(۲) فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۳۲۰-۳۲۱، قراءت وتجوید کا بیان، حرف ضاد ادا کرنے کا طریقہ۔۱۲

(۳) وهو ثلاث ركعات بتسليمة إلخ ، ولكنّه يقرأ في كلّ ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة احتياطًا . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۸۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في منكر الوتر والسّنن أو الإجماع) ظفیرؒ

اس میں اس کو سہو ہو گیا، ایک مقتدی نے اس کو لقمہ دیا، تو دوسرے شخص نے اعتراض کیا کہ فرض نماز میں امام کو لقمہ دینا نہیں چاہیے، تراویح میں اگر امام قراءت بھول جاوے تو لقمہ دینا جائز ہے، آیا فرض نماز میں لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۳۱/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** لقمہ دینا فرض نماز میں بھی درست ہے، اور نماز صحیح ہے، اور تفصیل اس کی کتب فقہ میں ہے۔ درمختار اور شامی وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۱۹)

## جمعہ کی نماز میں لقمہ دینا درست ہے

**سوال:** (۴۹۸) زید جمعہ کی نماز میں امام تھا، اس نے سورۂ هل اتی شروع کی، اور آخر میں (آکر) (۲) بھول گیا، بکر مقتدی نے اس کو بتایا، اس صورت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۲۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۶)

## قدر واجب قراءت کے بعد لقمہ دینا

**سوال:** (۴۹۹) جب امام تین آیت سے گزر جائے اور بعد میں بھولے، تو چاہیے تو یہ کہ رکوع کر دے، اور مقتدی پیچھے سے نہ بتلائیں، مگر امام آگے بھولا اور (پڑھتا) (۳) چلا گیا، تو اگر مقتدی نے بتلایا، تو یہ بتلانے والا کس فعل کا مرتکب ہوا؟ مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا حرام کا یا کیا؟ (اور ایسی صورت میں امام نے اگر لقمہ لیا اور صحیح پڑھ کر نماز پوری کیا، تو نماز میں کراہت آئی یا نہیں؟) (۴)

(۳۶۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) بخلاف فتحه على إمامه فإنّه لا يفسد مطلقًا لفاتح و آخذ بكلّ حال . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۲۹، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها) ظفیرؒ

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (پڑھتا) کی جگہ ''بڑھتا'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

**الجواب:** نماز لقمہ دینے والے اور لینے والے کی صحیح ہے، لیکن قدر واجب یا قدر مستحب قراءت پڑھنے کے بعد لقمہ دینا یا امام کا انتظار لقمہ کا کرنا اور مجبور کرنا مکروہ ہے، اور یہ مکروہ تنزیہی ہے کذا في الدّرّ المختار و الشّامي (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲/۲۲۰-۲۲۱)

## بار بار لقمہ دینے کا حکم

**سوال:** (۵۰۰) زید امام مسجد ہے، انہوں نے عشاء کی نماز میں آیت ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآية﴾ (سورہ زمر، آیت: ۷۱) پڑھی، اور ﴿ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ﴾ پر ٹھہر گیا، پھر یہاں سے کسی دوسری سورت کی آیت کو ﴿ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ﴾ کے ساتھ ضم کر کے آگے پڑھتا چلا، تو عمر نے جو حافظ قرآن ہے نیز ما يجوز و ما يفسد به الصّلاة سے واقف تھا، لقمہ دیا: ﴿وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا ﴾ زید نے پھر شروع سے دوہرایا اور اسی جگہ آن ٹھہرا، پھر عمر نے لقمہ دیا، زید پھر تیسری مرتبہ دوہراتا ہوا بہ مشکل آگے بڑھا مگر ﴿ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ کو چھوڑ کر سورۂ زمر ختم کی، اور بغیر سجدۂ سہو نماز تمام کی، اور یہ فعل تقریبًا ایک سو مصلیوں کے درمیان زید سے صادر ہوا ہے، نماز لوٹانی چاہیے یا نہیں؟

(۱۲۴۱/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** اس صورت میں نماز امام اور مقتدیوں کی صحیح ہے، اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، اور اعادہ اس نماز کا لازم نہیں ہے۔ کما صرّح به في الدّرّ المختار و الشّامي: بخلاف فتحه على إمامه فإنّه لايفسد مطلقاً لفاتح و آخذٍ بكلّ حال (درمختار) قوله: (بكل حال) أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز بهِ الصّلاة أم لا ، انتقل إلى آية آخرى أم لا تكرّر الفتح أم لا

---

(۱) و يُكْرَهُ أن يُفتحَ من ساعَتهٖ كما يُكره للإمام أن يُلجئه إليه بل ينتقل إلىٰ آية أخرىٰ لا يلزم من وصلها ما يفسد الصّلاة أو إلىٰ سورة أخرىٰ أو يركع إذا قرأ قدر الفرض كما جزم بهٖ الزّيلعيّ وغيره. (ردّ المحتار: ۲/۳۳۰، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام) ظفیرؔ

هو الأصحّ . نهر (۱)(شامی جلداول،ص:۴۱۸) پس معلوم ہوا کہ اصح یہ ہے کہ تکرارِ فتح سے بھی نماز میں فساد نہیں آتا، اور سجدۂ سہو کے واجب ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ قراءت کے تکرار سے جو تاخیر کسی رکن میں ہو وہ موجبِ سجدۂ سہو نہیں ہے۔ کما في الدّر المختار: واعلم أنّه إذا شغله ذلك الشّك فتفكّر قدر أداء ركن، ولم يشتغل حالة الشّك بقراءة الخ وجب عليه سجود السّهو إلخ (۲) اس سے واضح ہے کہ اشتغال بالقراءۃ کی صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، البتہ یہ بھی شامی وغیرہ میں تصریح ہے کہ جیسا کہ مقتدی کو یہ مکروہ ہے کہ فوراً لقمہ دیوے، اسی طرح امام کو یہ مکروہ ہے کہ {مقتدیوں} (۳) کو لقمہ دینے کی طرف مضطر کرے، بلکہ اس کو چاہیے کہ دوسری آیت مناسبہ یا دوسری سورت کی طرف منتقل ہو جاوے، یا اگر مقدار واجب یا مستحب پڑھ چکا ہے تو رکوع کر دیوے۔ کما قال في الشّامي: يكره أن يفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه بل ينتقل إلى آية أخرى لايلزم من وصلها ما يفسد الصّلاة أو إلى سورة أخرى أو يركع إذا قرأ قدر الفرض كما جزم به الزّيلعي وغيره، وفي رواية: قدر المستحب كما رجّحه الكمال بأنّه الظّاهر من الدّليل إلخ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۹-۴۰)

## لقمہ کس وقت دینا چاہیے؟

سوال: (۵۰۱) امام نے قراءت میں بھول کر دوسری سورت شروع کردی، دو دفعہ لقمہ دیا مگر

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۲۹، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع التي لا يجب فيها ردّ السلام .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۰-۴۹۱، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو، مطلب: المواضع التي لا يجب فيها ردّ السّلام .

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں {مقتدیوں} کی جگہ ''مقتدی'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۴) ردّ المحتار: ۲/۳۳۰، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام .

امام نے لقمہ نہ لیا، لقمہ کس وقت دینا چاہیے؟ اور لقمہ دینے والے کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۳/۷-۱۳۴۳ھ)

**الجواب:** اگر امام بہ قدر تین آیت کے؛ بعد سورۂ فاتحہ کے پڑھ چکا ہے تو لقمہ دینے کا انتظار کرنا مکروہ ہے، بلکہ فوراً رکوع کرنا چاہیے، اور اگر تین سے پہلے بھول گیا تو بہتر یہ ہے کہ کسی دوسری جگہ سے پڑھنا شروع کرے، اگر ایسا نہ کیا تو جب مقتدی پر ثابت ہوجائے کہ امام کو آگے یاد نہیں آتا تو لقمہ دیدے، بدون مہلت کے فوراً ہی لقمہ دینا مکروہ ہے۔ کما في الشّامي، ص:۶۵۰ (۱) اور نماز ہر حال صحیح ہے (۱) (۴/۱۰۵-۱۰۶)

**سوال:** (۵۰۲)......(الف) امام کو تین آیتوں کے اندر متشابہ لگا؛ اب مقتدی لقمہ دیں یا نہیں؟

(ب) امام نے الحمد کے بعد تین آیت صحیح پڑھ لی، اس کے بعد اور آیتوں میں متشابہ لگا، اب لقمہ دیں یا نہ دیں؟ (۵۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

**الجواب:** (الف) اختیار ہے (یعنی لقمہ دینا جائز ہے) (۲) لیکن [اگر] (۳) امام دوسری جگہ سے قراءت شروع نہ کرے تو پھر مقتدیوں کو ضروری ہے کہ لقمہ دیں (۴)۔

(ب) اختیار ہے، لیکن اگر کوئی ایسی غلطی پڑھے کہ مفسد صلاۃ ہو تو ضروری ہے کہ صحیح بتلا دیں؛ ورنہ سب کی نماز برباد ہوگی۔ (۴/۴۱۵-۴۱۶)

## لقمہ دینا اور لقمہ لینا درست ہے

**سوال:** (۵۰۳) ایک حافظ صاحب نے تراویح پڑھائی، اور ستائیسویں شب کو قرآن شریف ختم کردیا، بعض لوگ جو اُسی محلّہ میں جس میں وہ مسجد [ہے] (۵) نماز پڑھتے تھے، ایک شب کسی

(۱) حوالہ کے لیے سابقہ جواب کا حاشیہ (۴) ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کے اضافہ کی ہوئی ہے۔۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) لأنّ المقتدي محتاج إلی إصلاح صلاته، والفتح علی إمامه منه. (غنیة المستملي، ص:۳۸۱، فصل في ما یفسد الصّلاة) ظفیرؒ

(۵) مطبوعہ فتاویٰ میں (ہے) کی جگہ ''تھی'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

وجہ سے شریک نہ ہوسکے، بعد ختم قرآن شریف تراویح میں وہ پارہ سنا جس کو وہ نہ سن سکے تھے، اس صورت میں اگر امام کوئی غلطی پڑھیں تو سامع کو غلطی بتلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لقمہ دیا گیا اور انہوں نے لقمہ لے لیا تو نماز جائز ہوگی یا نہ؟ (۱۶۸۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

**الجواب:** سامع کو ان کی غلطی بتلانا اور لقمہ دینا اور ان کو لقمہ کا لینا درست ہے کسی کی نماز میں کچھ خلل نہیں آیا۔ درمختار میں ہے: **بخلاف فتحه على إمامه فإنّه لا يفسد مطلقًا لفاتحٍ و آخذٍ بكلّ حالٍ إلخ**(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۱۱۸-۱۱۹)

## امام لقمہ نہ لے یا لے کر سجدۂ سہو کرلے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** (۵۰۴)...... (الف) امام جہری نماز میں ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ﴾ پڑھ کر بھول گیا، مقتدی نے لقمہ دیا تب امام نے آگے پڑھ کر رکوع کیا، پھر آخر میں سجدۂ سہو بھی کرلیا تو نماز امام اور مقتدی لقمہ دینے والے کی صحیح ہوئی یا نہ؟

(ب) اگر امام لقمہ نہ لے تو لقمہ دینے والے مقتدی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے یا نہیں؟

(۶۹۷/۱۳۳۹ھ)

**الجواب:** (الف) نماز امام اور مقتدی لقمہ دینے والے کی اس صورت میں صحیح ہوگئی، اور سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہ تھی، لیکن اگر سجدۂ سہو غلطی سے کرلیا گیا تب بھی نماز ہوگئی۔ **كذا في الدّرّ المختار**(۲)۔

(ب) نماز فاسد نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۵۸)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۲۹، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام.

(۲) بخلاف فتحه على إمامه فإنّه لا يفسد مطلقاً لفاتح وآخذٍ بكلّ حال. (الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۲۹، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام)

## زیر زبر کی غلطی پر لقمہ دینا درست ہے

سوال: (۵۰۵) اگر امام سے زیر زبر کی غلطی ہو جاوے کہ جس سے معنی میں کوئی فرق نہ ہو تو ایسی حالت میں (لقمہ دینا کیسا ہے؟)(۱) لقمہ دینے سے کراہت ہوگی یا نہیں؟ (۲۳۹۶/۱۳۴۲ھ)

**الجواب:** اس صورت میں لقمہ دینے سے کچھ کراہت نہیں ہے، (بلکہ)(۲) غلطی کی اصلاح ضروری ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۴/۴)

## کچھ الفاظ اور آیات چھوٹ جائیں اور مقتدی لقمہ نہ دیں تو نماز ہوئی یا نہیں؟

سوال: (۵۰۶) اگر امام نے نماز میں آیت: ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ (۴) رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ﴾ (سورۂ صف، آیت:۶) پڑھا، لیکن ﴿يٰبَنِيْٓ﴾ کے بعد ﴿اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ﴾ چھوڑ دیا تو نماز ہوئی یا (کچھ)(۵) نقص رہا، اور ایک مقتدی کو یہ آیت یاد تھی، اس نے لقمہ بھی نہ دیا تو اس کی نماز بھی ہوئی یا نہیں؟

(ب) سورۃ الرحمٰن میں ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ پڑھنا شروع کیا اور درمیان کی آیات کو چھوڑ کر ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ﴾ سے آخر تک پڑھا تو نماز ہوئی یا نہ؟

(۱۲۵۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) سابقہ جواب کے حاشیہ میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۴) مطبوعہ فتاوی میں ﴿يٰبَنِيْٓ﴾ کے بعد ﴿اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ﴾ تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۵) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

**الجواب:** نماز ہوگئی کچھ نقص نہیں رہا، لقمہ نہ دینے والے کی بھی نماز ہوگئی اور سب مقتدیوں کی [بھی] (۱) ہوگئی (۲)۔

(ب) اس صورت میں بھی نماز ہوگئی کچھ نقص نہیں رہا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۹۱)

## لاحق کا لقمہ دینا درست ہے

**سوال:** (۵۰۷) ایک مقتدی کی وضوٹوٹ گئی نماز میں، وہ جب وضو کرنے گیا نماز سے خارج کوئی فعل نہیں کیا، اب اس کے امام کو متشابہ لگا اور اس وضو کرنے والے نے امام کو لقمہ دیا اور وہ مسجد سے خارج نہ تھا، شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا، اور آپ نے لکھا ہے کہ نماز نہ ہوگی۔ (۱۱۷۸/ ۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** لاحق کے لقمہ دینے اور امام کو لینے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا، یہی صحیح ہے، کیونکہ لاحق کے لیے وہ امام ہے حکماً، اور امام کو لقمہ دینے اور لینے سے نماز میں فساد نہیں آتا (۳) اور پہلا لکھنا کچھ یاد نہیں ہے، شاید وہ اس صورت میں لکھا گیا ہو کہ لاحق نے کوئی فعل مفسد صلاۃ کرلیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۴-۶۵)

## قرآن شریف میں دیکھ کر لقمہ دینا

**سوال:** (۵۰۸) نماز تراویح میں ایک شخص امام کے پیچھے قرآن شریف کھولے بیٹھا ہے، اور

---

(۱) 'بھی' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفًا أو قدّمه أو بدّله بآخر ...... لم تفسد ما لم يتغيّر المعنىٰ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۴۰-۳۴۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلّة القاري) ظفیرؒ

(۳) واللّاحق مَن فاتته الرّكعات كلّها أو بعضها ، لكن بعد اقتدائه إلخ و حكمه كمؤتمّ إلخ . (الدّر المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۹۷-۲۹۸، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب: فيما لو أتى بالرّكوع والسّجود أو بهما مع الإمام أو قبله أو بعده) ظفیرؒ

اپنے قریب کے مقتدی کو جس کی نظر کلام اللہ پر رہتی ہے مطالعہ میں مدد دیتا ہے، اور وہ قرآن شریف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دیتا ہے، اور قرآن شریف دکھانے والا ایک رکعت جماعت میں (بھی) (۱) شریک نہیں ہوتا، جب امام دوسری رکعت میں رکوع کرتا ہے تو وہ شریک (جماعت) (۱) ہوجاتا ہے، اور ایک رکعت جداگانہ ادا کرلیتا ہے، اس طریق سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی؟ (۱۴۲۹/۱۳۳۵ھ)

**الجواب:** درمختار میں ہے: وقراء ته من مصحف إلخ (۲) اور فاسد کرتا ہے نماز کو پڑھنا نمازی کا قرآن شریف کو دیکھ کر، پس یہ صورت جو سوال میں درج ہے، اس میں بھی اندیشہ فساد صلاۃ کا ہے، لہٰذا اس طرح نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۶۸)

## شیعہ حافظ کا لقمہ دینا درست ہے یا نہیں؟

**سوال:** (۵۰۹) اگر تراویح میں امام غلطیاں کرتا ہے، اور سامع بھی چوک جاتا ہے، اور شیعہ حافظ موجود ہے، اگر وہ نیت کر کے اقتداء میں آکر بتائے تو عندالحنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۱۹۰/۱۳۳۷ھ)

**الجواب:** اگر شیعہ ایسا ہے کہ نہ تبرا گو ہے، اور نہ منکرِ صحبتِ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہے، اور نہ قائل قذفِ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے؛ تو اس صورت میں لقمہ دینا جائز ہے، اس کے بتلانے سے لقمہ لینے والے کی نماز اور اس کے مقتدیوں کی (۳) صحیح ہے، اور اگر وہ شیعہ غالی ہے جس میں امور مذکورہ موجود ہوں یعنی تبرائی ہو اور منکر صحبت حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ہو اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قائل ہو تو چونکہ ایسا رافضی مرتد و کافر ہے (۴) اس لیے اس کے بتلانے سے اور امام کے لقمہ لینے سے

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۳۱/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام.

(۳) مطبوعہ فتاوی میں 'کی' کے بعد 'نماز' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

(۴) وبهٰذا ظهر أنّ الرّافضي إن كان ممّن يعتقد الألوهية في عليّ، أو أنّ جبرئيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصّدّيق، او يقذف السّيّدة الصّدّيقة ==

نماز امام کی اوراس کے مقتدیوں کی باطل ہوجاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۴۹)

## امام لقمہ نہ لے اور نماز توڑ کر دوبارہ نماز شروع کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۵۱۰) ...... (الف) اگر کوئی شخص نماز جہریہ میں قدرے قراءت پڑھ کر بھول گیا، مقتدی نے بغرض یاددہانی لقمہ دیا، مگر امام نے لقمہ نہ لیا حتی کہ مکرر، سہ کرر پر بھی امام نے لقمہ نہ لیا، بلکہ نماز کو فسخ کرکے ازسرنو تحریمہ سے نماز پوری کی امام کا یہ فعل جائز ہے یا (ناجائز؟) (۱)

(ب) جس شخص کو ایسی صورت پیش آئے تو اس کو نماز فسخ کرکے ازسرنو تحریمہ کرنا چاہیے یا انتقال إلی آیۃ وإلی سورۃ أخری کرنا چاہیے؛ یعنی درصورت عدم قراء ۃ مایجوز به الصّلاۃ .

(ج) اگر کوئی شخص صورت بالا میں نماز فسخ کرکے ازسرنو تحریمہ پر زور دے اور انتقال الی آیۃ وسورۃ اخری کو ناجائز کہے، اور فسخ نماز میں اس عبارت کو حجت پکڑے جو کہ صبح کی سنتوں کے متعلق ہے۔ إذا خاف فوت الجماعة یترکھا (۲) صورت بالا میں اس عبارت کو فسخ نماز کی دلیل بنانا صحیح ہے یا نہیں؟

(د) (عبارت) (۳) مذکورہ میں یترکھا کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی کو جماعت کے فوت (ہونے) (۴) کا خیال ہو، اوراس نے سنتیں شروع نہ کی ہوں تو سنتوں کو چھوڑ کر جماعت میں مل جاوے، یا یہ معنی بھی ہیں کہ اگر کسی نے (بہ امید) (۵) جماعت سنتیں شروع کیں، اور بعد شروع خوفِ فوتِ جماعت

---

== فھو کافر. (ردّ المحتار: ۴/ ۱۰۲، کتاب النّکاح ، فصل في المحرمات ، مطلب مهمّ في وطء السّراري اللاّتي یؤخذن غنیمة في زماننا) ظفیرؔ

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (ناجائز) کی جگہ ''نہیں'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ولـذا یترکھا لو خاف فوت الجماعة. (ردّ المحتار: ۲/ ۳۹۵، کتاب الصّلاۃ ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في السّنن والنّوافل)

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (عبارت) کی جگہ ''عبادت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (ہونے) کی جگہ ''ہوجانے'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۵) مطبوعہ فتاویٰ میں (بہ امید) کی جگہ ''بعد'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

ہوا تو سنتوں کو توڑ کر جماعت میں مل جاوے، لفظ یتــر کھـا دونوں صورتوں کو شامل ہے یا کسی ایک صورت کو؟ اور کونسی صورت کو؟ اگر ثانی صورت کو شامل ہے تو آیت: ﴿وَ لَا تُبْطِلُوْآ اَعْمَالَكُمْ﴾ (سورہ محمد، آیت:۳۳) کا کیا مطلب ہے؟ (۳۳/۱۸۲۴-۱۳۳۴ھ)

**الجواب:** (الف-ب) امام کو اس صورت میں لقمہ لے لینا چاہیے تھا یا دوسری آیت یا سورت کی طرف انتقال کرنا چاہیے تھا۔ اور اگر بقدر ماتجوز به الصّلاة یا قدر مستحب قراءت ہو چکی تھی تو رکوع کر دینا چاہیے تھا، توڑنا نماز کا ایسی حالت میں فقہاء نے نہیں لکھا۔ ردالمحتار (میں ہے)(۱):

تتمّة: يكره أن يفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه بل ينتقل إلى آية أخرى لايلزم من وصلها مايفسد الصّلاة أوإلى سورة أخرى أو يركع إذا قرأ قدرالفرض ، كما جزم به الزّيلعي وغيره ، وفي رواية: قدر المستحب كما رجّحه الكمال الخ.وفي الدّر المختار: بخلاف فتحه على إمامه فإنّه لا يفسد مطلقًا لفاتح و آخذٍ بكل حالٍ إلخ[۲] وفي الشّامي: قوله : (بكل حالٍ) أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصّلاة أم لا ، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرّر الفتح أم لا، هو الأصحّ[۲] پس جب کہ فقہاء نے اس میں اس قدر وسعت رکھی ہے تو پھر نماز کو فسخ کر دینا مناسب نہ تھا اور یہ حکم ﴿وَ لَا تُبْطِلُوْآ اَعْمَالَكُمْ﴾ اس حالت میں نماز کو توڑ دینا ممنوع تھا۔

(ج-د) یہ امر اوپر واضح ہوا کہ ایسی حالت میں فقہاء نے لقمہ لینے کو یا انتقال الی آیۃ اخری یا الی سورۃ اخری کو جائز رکھا ہے، پس اس کو ناجائز کہنا اور نماز کو توڑ کر دوبارہ تحریمہ باندھنے پر زور دینا بہ وجہ جہل کے ہے مسائل شرعیہ سے، (عالم)(۳) وفقیہ ایسا نہیں کہہ سکتا، اور یہ احتیاط نہیں ہے

(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲۹/۲-۳۳۰، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام .

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (عالم) کی جگہ ''واقف'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

بلکہ وہم ہے اور خطاء ہے، اور عبارت مذکورہ کو اس بارہ میں دلیل لانا اور صریح روایات جواز و حکم فقہاء کو چھوڑنا دوسرا جہل ہے، اور یہ استدلال غلط ہے۔ یترکھا کا یہ معنی ہیں کہ شروع نہ کرے، نہ یہ کہ شروع کر کے قطع کردے، شروع کر کے قطع کرنے کی ممانعت فقہاء نے صراحۃً لکھی ہے: **والشّارع في نفل لا يقطع مطلقًا و يتمّه ركعتين ، وكذا سنّة الظّهر وسنّة الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام يتمّها أربعًا على القول الرّاجح لأنّها صلاة واحدة ، و ليس القطع للإكمال بل للإبطال خلافًا لما رجّحه الكمال (الدّرّ المختار ) قوله: (خلافاً لما رجّحه الكمال ) حيث قال: وقيل يقطع على رأس الرّكعتين و هو الرّاجح إلخ[1] (شامي)** (۱۳۴/۴-۱۳۶)

## تمّ الجزء الثّاني

❁❁❁

❁❁❁
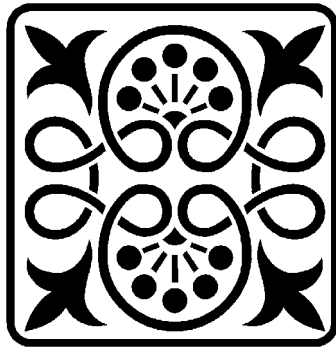
(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۴۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: صلاةُ ركعةٍ واحدةٍ باطلةٌ لا صحيحةٌ مكروهةٌ .

# دارالعلوم دیوبند کی اہم مطبوعات

| | |
|---|---|
| الإسلام والعقلانية | فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ( ۱ تا ۱۸ ) |
| قصائد منتخبة من ديوان المتنبّي | دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی نقوش |
| الفتنة الدّجّالية | علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج |
| العقيدة الإسلاميّة | تاریخ دارالعلوم دیوبند (اردو، انگریزی، ۲: جلد) |
| مبادي الفلسفه | حیات اور کارنامے مولانا قاسم صاحبؒ |
| تسهيل الأصول | حیات اور کارنامے حضرت شیخ الہندؒ |
| باب الأدب من ديوان الحماسة | حیات اور کارنامے حضرت مولانا رشید احمدؒ |
| مفتاح العربية (اوّل، دوم) | خیر القرون کی درس گاہیں |
| علماؤ ديوبند اتّجاههم الدّيني ومزاجهم ...... | مختصر سوانح ائمۂ اربعہ |
| دار العلوم ديوبند (عربي) | سوانح قاسمی (مکمل، ۲: جلد) |
| الحديث الحسن | حکمتِ قاسمیہ |
| حسن غريب (مکمل ۲: جلد) | آبِ حیات |
| حسن صحيح (مکمل ۳: جلد) | اوثق العریٰ |
| الحالة التّعليمية في الهند | احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ |
| حجّة الإسلام (عربي، اردو) | ادلۂ کاملہ |
| الصّحابة ماذا نبيغي أن نعتقد عنهم | ایضاح الادلّہ |
| إشاعة الإسلام | شوریٰ کی شرعی حیثیت |
| شيوخ الإمام أبي داوٗد السّجستاني | تدوین سیر ومغازی |
| علماؤ ديوبند خدماتهم في الحديث | آئینہ حقیقت نما |
| الرأى النّجيح في عدد ركعات التّراويح (اردو) | تذکرۃ النعمانؒ |
| هداية المعتدي في قراءة المقتدي (اردو) | اجودھیا کے اسلامی آثار |

| امام اعظم اور علم حدیث | نیک بیویاں نماز کہاں پڑھیں؟ |
|---|---|
| احکام اسلام | عمدة الأثاث في حكم الطّلاق الثّلاث |
| ازالۃ الریب | مقالات ابوالمآثر |
| انتصار الاسلام | معاوضہ علی التراویح |
| ایرانی انقلاب | مالابدمنہ |
| دارالعلوم کا فتویٰ اور اس کی حقیقت | باادب بانصیب |
| حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان | اسلام اور عقلیات |
| مودودی دستور وعقائد | اجماع گنگوہ |
| قبلہ نما | مکتوبِ ہدایت |
| احکام المفید | دوضروری مسئلے |
| حجۃ الاسلام | ایمان وعمل |
| براہین قاسمیہ | راہِ سنت یعنی المنہاج الواضح |
| غلط فہمیوں کا ازالہ | آئینہ حقیقت نما (مع تحقیق وتخریج) |
| قرآن محکم | جماعت اسلامی کا دینی رخ مکمل |
| تسہیل الاصول | غیرمقلدیت اسباب وتدارک |
| چنداہم عصری مسائل مکمل ۲/ جلدیں | یہود کے متعلق قرآنی پیشین گوئیاں |
| فرقہ اہل حدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ | کثرتِ رائے کا فیصلہ |
| مجموعہ رسائل چاندپوری | نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ دلائل شرعیہ...... |
| مجموعہ رسائل شاہ جہاں پوری | جواب حاضر ہے |
| دارالعلوم دیوبند کا اتہاس (ہندی) | فقهاء الصّحابة ورواة الحديث...... |
| علوم القرآن فی اصول التفسیر | نماز کے متعلق چنداہم مسائل کی تحقیق |
| فتح المبين في كشف مقاعد ...... | فتاوی دارالعلوم دیوبند اوّل، دوم (جدید ترتیب) |